

188459

17301

۹۵۴۵۰

ر ع ر بار علی ۱۱۰۱۶۳۵۱

عبد اسد رحى كاپندوستان

- 9 AUG/1966

checked 1975 TASMANIA UNIVERSITY LIBRARY 17301

Call No. 2-1/9045.2

Accession No. 12501

Author:

محمد بن عبد الله

Title

5190

تاريخ البحرين

This book should be returned on or before the date last marked below.

عہدِ اسلامی کا ہندوستان

— ان —

سید ریاست علی ندوی

ناشر: — ادارۃ المصنیعین، پٹنہ ۶

قیمت جلد سہ (چھ روپے آٹھ آنے)

طبع جولائی ۱۹۵۰ء

کتاب خانہ غازی پورہ اکوین

عنوان وانتساب

۱۲۳۵۱

1969. Checkd
قاضی سید اکرم امام صاحب منہج، بوالعلاء رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۵۱ھ) کے تذکارِ گرامی
سے معنون کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

حضرت اقدس علیہ الرحمۃ میرے والد ماجد جناب سید بشارت علی صاحب عرف سید
بڑے مظلوم کے حقیقی ماموں، راہ سلوک میں ان کے مرشد اور راقم سطور کے خسر تھے وہ خوش عقیدہ
متقی دیندار اور اسلامی اخلاق و کردار کے عملی نمونہ تھے، ان کی صحبتوں میں ہندوستان
کے پچھلے دور کی اس تہذیب کی جواب دہی جاری ہے، یاد تازہ ہوتی تھی، میں انہی کی نظر
توجہ اور شفقتوں کے سایہ میں انگریزی اسکول کی تعلیم سے علیحدہ ہو کر عربی درس گاہ
سند و العلماء لکھنؤ میں عربی و اسلامی علوم کی تحصیل کے لئے داخل کیا گیا۔ پھر انہی کی
ہدایت و مشورہ کے مطابق دارالمصنفین انظر گڑھ کی رفاقت سے وابستہ ہوا۔ وہ
میرے فہم سے نکلی ہوئی سطروں کو بڑی شفقت اور شوق کی نگاہ سے پڑھتے تھے۔

دیرینہ تمنا تھی کہ انہی ناچیز علمی خدمت گزاریوں میں سے کسی خدمت کو ان کی
یاد کی نذر کروں۔ مجھے خوشی ہے کہ ان سطروں کے ذریعہ وہ دیرینہ آرزو پوری ہوئی
اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتوں کے پھول برسائے اور اپنی مغفرتوں سے نوازے۔
اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ مَغْفِرَةً وَاسِعَةً وَهَبْ لَهُ مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً
إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔

سید ریاست علی ندوی

Checkd 1975

۱۸ رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ
مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ ۝

ہندوستان کی صحیح و مستند تاریخ کی تدوین ابھی تک پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکی ہے۔
ڈیڑھ دو سو برسوں کی مسلسل کوششوں سے یہاں کی تاریخ کے صفحوں کو جان بوجھ
کر مسخ کیا گیا، کہ ایک طرف مسلمان اپنے اسلاف کے کارناموں کو دیکھ کر شرمائیں، دوسری
طرف ان کے ہم وطنوں میں ان کے خلاف غم و غصہ اور عناد کے جذبات کی پروش
ہو۔ اور ملک کے مختلف گروہوں میں تعصب اور نفرت کی خلیج حائل ہو جائے۔
استعماریت کا یہ حربہ ایسا کامیاب رہا کہ رفتہ رفتہ انہوں کی نگاہوں کے سامنے بھی
پردہ آگیا۔ خصوصاً انگریزی اسکولوں اور کالجوں میں پڑھی پڑھائی جانے والی کتابیں
اسی انداز میں ترتیب پائیں۔

کج سے تقریباً چالیس برس پہلے ان غلطیوں کی اصلاح کی طرف پہلی مرتبہ علامہ
شبلی شامی علیہ الرحمۃ کی زمانہ شناس نگاہ اٹھی۔ انہوں نے سلسلہ میں ندوۃ العلماء
میں "تصحیح تاریخ ہند" کے نام سے ایک مستقل شعبہ قائم کیا۔ حضرت الانساز مولانا سید
سلیمان ندوی مدظلہ اس کے سرپرستی مقرر ہوئے، اس شعبہ نے اپنے زمانہ کے انگریز
مؤرخین کی ان کتابوں پر توجہ کی، جو لغاب و رس میں داخل تھیں، نیز اپنے قریبی علمی
و تاریخی و تنقیدی کتابوں کے ذریعہ خدمات انجام دیئے۔

مولانا شبلی شامی کی ذات گرامی کے ساتھ جتنی تحریکیں وابستہ تھیں، ایمان کے
و علمی و تاریخی تصورات، و ذہنی انکارت تھے، ان کی تکمیل کے لئے دارالمصنفین کی
سہاسی مجلس میں آئی۔ اس مجلس نے جس طرح اسلامی علوم و آداب کی خدمت کی،

جدید علوم و نظریات کو اردو کا جامہ پہنایا، اسی طرح تاریخ ہند بھی اس کا موضوع رہا، چنانچہ آج تاریخ ہند کے صفحات میں بھی نظریے ایسے موجود ہیں، جو تمام تر اس مجلس کے متوسلین کی تحقیق و تفتیش سے منظر عام پر آئے ہیں، مثلاً

انگریزی اسکولوں اور کالجوں میں جو تاریخیں پڑھائی جاتی تھیں، ان میں مسلمانوں کے دور کو محمد بن قاسم کے اچانک حملہ کو دکھا کر غزنوی کے حملے سے شروع کیا جاتا تھا، حفصہ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی کی تاریخ ”عرب و ہند کے تعلقات“ کی اشاعت کے بعد پہلی مرتبہ ڈاکٹر تارا چند کی کتاب ”تاریخ اہل ہند“ میں مسلمانوں کے حملہ ہند کا باعث اُن عرب کشتیوں کی بربادی کو قرار دیا گیا جو اہل ہند کے ہاتھوں بحر ہند میں غل میں آئی تھی نیز نظر مجموعہ ”مجلہ“ ہندوستان پر مسلمانوں کے ابتدائی حملے اور ان کے اسباب کے عنوان سے اس ابتدائی دور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اسی طرح عالمگیر کے خلاف جو فرد حرم تھی اس میں اس کے عہد میں ”تاریخ نویسی کا قانون“ جرم ہونا بھی تھا۔ زیر نظر مجموعہ میں کیا عالمگیر کے عہد میں تاریخ نویسی کا قانون جرم تھی“ کے عنوان سے جو مقالہ ہے، ۱۹۳۲ء میں اس کے شائع ہونے کے بعد دوسری کتابوں میں عالمگیر کے فہرست جرائم میں سے اس کو خارج کیا گیا۔ اسی طرح ”مندروں کے انہدام“ کا الزام ۱۹۳۲ء تک ہندوستان کے نامور مؤرخ سر جے ڈی ناٹھ سرکار نے عالمگیر کے سر رکھا، لیکن ان کے جواب میں ”عالمگیر کے عہد میں مندروں کا انہدام“ کے عنوان سے جو مقالہ شائع ہوا، اس کے بعد اہل علم نے عالمگیر کے اس الزام سے بری ہونے کی راہ قائم کی، یہ مقالہ اس مجموعہ میں موجود ہے۔ اس میں سر جے ڈی ناٹھ سرکار کے جواب میں دکھایا گیا تھا کہ عالمگیر نے مندروں کے منہدم کرنے کا عام حکم نہیں دیا تھا، بلکہ چند ایسے مندروں کو مسمار کیا گیا تھا جو حکومت کے خلاف سازشوں کا اڈہ بنے ہوئے تھے۔ اور خصوصاً بے دینی پھیلانے کے لئے مرکز کا کام دیتے تھے۔ اس مقالہ کی اشاعت کے بعد آل انڈیا ہسٹری کانگریس کے اجلاس، پٹنہ میں ڈاکٹر پرماتاسرن نے اپنے خطبہ صدارت میں اس دعویٰ سے رجوع کیا، اور ارشاد فرمایا :-

”دوسری یہ بات بھی علم میں آئی ہے کہ بعض اہل قلم کی طرف سے چند حقیقتیں بھی روشنی میں لائی گئی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ چند اہم مراکز جیسے بنارس کے مندر تھے، ہندوؤں کی طرف سے مفسدانہ سازشوں کے اڈوں کے طور پر استعمال کئے جاتے تھے جن کے خلاف شہنشاہ نے اشتعال میں عملی اقدام کیا، اور اس کو اب اس کے تعصب کی شہادت میں پیش کیا جا رہا ہے.....“

(۲۵۵ ص)

اس سلسلہ کے یہ سب ٹکڑے اس مجموعہ میں شامل ہیں، اور انہیں زندہ رکھنا اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ ابھی ہندوستان کی تاریخ اپنے تند دینی دور میں ہے ایسا نہ ہو کہ غفلت میں ارباب علم سے یہ حقیقت نظر انداز ہو جائے، اور سرحد و قاعدہ سرکار کی کھلی فتانیوں سے سرے سے تازہ ہو جائیں۔

دارالمصنفین کے زمانہ قیام میں راقم سطور کا پیشتر زمانہ اس کے ترجمان رسالہ معارف کی ترتیب و ادارت کی خدمت میں بسر ہوا۔ اس تعلق سے مقالات کی ترتیب و تسوید کا موقع نسبتاً زیادہ ہاتھ آیا، کچھ دن گزرے کہ اپنی شائع شدہ تحریروں پر نگاہ ڈالی تو ان میں پیشتر حصہ ایسا نظر آیا جنہیں ایک خاص ترتیب سے تصنیفات کی شکل میں منقل کیا جاسکتا تھا، چنانچہ انہیں مختلف موضوعوں کے اعتبار سے الگ الگ مجموعہ میں اکٹھا کیا گیا، اس سلسلہ میں ایسے مقالات کو جن کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت سے ہندوستان کے اسلامی دور کی تاریخ سے وابستہ ہے ”عہد اسلامی کا ہندوستان“ کے نام سے یکجا کیا گیا ہے، یہ مقالات ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۸ء تک کے رسالہ معارف میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس میں بائیس برس کی مدت میں نہایت سے ایسے نئے مآخذ چھپ کر سامنے آئے جو ان مضامین کی تسوید کے وقت تک چھپے نہیں تھے۔

یادار المصنفین کے کتب خانہ میں نہ مل سکے تھے، اس لئے ان پر نظر ثانی کی ضرورت تھی، چنانچہ ان مآخذ سے فائدہ اٹھایا گیا، لیکن جب یہ مجموعہ اپنی ترتیب کے آخری مرحلہ پر پہنچا

تو اس کا حجم غیر معمولی نظر آیا، اس لئے اس کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑا یہ پہلا حصہ ”عہد اسلامی کا ہندوستان“ کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اور دوسرے حصہ کو ”ہندوستان کے عہد اسلامی کے چند اکابر“ کے نام سے علیحدہ کر لیا گیا ہے جس میں اسلامی دور کے چند ممتاز ہستیوں کے سوانح خصوصاً ان کے علمی خدمات و دشمنی میں لائے گئے ہیں۔

اس کے بعد یہ مناسب معلوم ہوا کہ ”عہد اسلامی کا ہندوستان“ مجموعہ مضامین کے بجائے ایک مستقل تصنیف کی شکل میں شائع ہو، اس مناسبت سے چند ضروری ابواب شروع میں بڑھائے گئے، اور یہ مضامین اس طرح مرتب کئے گئے کہ ہندوستان سے مسلمانوں کے تعلقات کے قیام سے ”ملوک سلاطین دہلی“ کے دور تک کی مسلسل تاریخ تلمذ ہو جائے اس کے بعد تعلق سلاطین کے دور سے متعلق دو مقالے ہیں، پھر متفرق تحقیقی مباحث پر مشتمل مضامین درج کئے گئے ہیں۔ ان مضامین کو ایک دوسرے کے بعد اس ترتیب سے رکھا گیا کہ ناظرین کے مطالعہ کا دہنی ربط قائم رہے۔ متفرق مضامین کو ایک لڑی میں پروئے اور ان میں تصنیفی لطافتیں پیدا کرنے میں جو دشواریاں پیش آسکتی تھیں، وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔

مضامین و مباحث کی ترتیب میں کوشش کی گئی ہے کہ ”عہد اسلامی کا ہندوستان“ رزم کے بجائے بزم کا، جنگ کے بجائے صلح کا، قوموں، ملتوں اور جماعتوں کے درمیان نفرت، عناد اور دشمنی کے بجائے محبت، شفقت، دوستی اور اتحاد کا آئینہ دار ہو، اس کے ساتھ واقعات کے بیان میں صحت اور سچائی کا رشتہ بھی ہاتھ سے جانے نہ پائے۔ البتہ اس گوشہ کو خاص طور سے سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو مختلف گروہوں میں لطف و محبت اور امن و اشتراک کے ان خوشگوار تعلقات کو دکھا سکیں، جن کو پہلے جان بوجھ کر چھپانے کی کوشش کی گئی تھی، لیکن طرز ادا ایسا رکھا گیا ہے کہ واقعاتی رنگ سے علیحدہ ہو کر محض ذاتی نظریات و رجحانات کا طرز استدلال نہ ہو جائے، اس لئے ایسے موقعوں پر ہلکے انداز میں محض اشاروں ہی پر اکتفا کر کے

گذر جانا مناسب معلوم ہوا ہے۔

ہمیں مستر ہے کہ یہ مجموعہ ہمارے مخدوم محترم جناب انریبل ڈاکٹر سید محمود ذریعہ ترقیات حکومت بہار کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، مخدوم موصوف کو منصب وزارت سے علیحدہ ان کی علمی زندگی میں ایک خاص منزلت حاصل ہے۔ آج سے چند سال پہلے رسالہ ندیم گیا کی ادارت کے زمانہ میں اس کے بہار نمبر ۱۹۱۷ء میں ان کے متعلق یہ صحیح طور پر لکھا گیا تھا کہ :-

”ڈاکٹر صاحب کو علم کا پاکیزہ مذاق عطا ہوا اور حقیقت اگر وہ سیاستا کے پُر خاں وادی میں قدم نہ رکھتے تو ان کا صحیح مرتبہ کسی علمی خانقاہ میں ان کا زاویشیں ہو جانا تھا، خصوصاً ہندوستان کی تاریخ پر عائد نظر رکھتے ہیں۔“

ڈاکٹر صاحب کو تاریخ ہند سے جو لگاؤ ہے، اس تعلق سے انہوں نے اس مجموعہ کو محسپی سے پڑھا، ہم ان کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اپنے مقدمہ میں بعض قابل قدر مشورے بھی عنایت فرمائے ہیں۔

کتاب کا نام ”عہد اسلامی کا ہندوستان“ رکھا گیا ہے۔ رافیل سٹور ”اسلامی“ کے لفظ کے متعلق ۱۹۳۷ء میں اپنی کتاب ”تاریخ متقلبہ جلد دوم کے دیباچہ میں ایک شبہ کا ازالہ کر چکا ہے کہ :-

”اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی علوم و فنون سے مراد وہ تہذیب و تمدن و علوم و فنون ہیں۔ جو مسلمانوں میں رائج رہے۔ عام ازیں کہ نفس دین اسلام کی تعلیمات کے مطابق بھی ہوں یا نہ ہوں اس لئے دوسرے الفاظ میں انہیں ”مسلمانوں کی تہذیب و تمدن و علوم و فنون سے تعبیر کیا جاسکتا ہے“

در اصل اس زمانہ کو ”ہندوستان کے عہد وسطیٰ“ سے تعبیر کرنا چاہیے، لیکن موجودہ زمانہ میں وہ ”مسلم پیریڈ“ ہی سے موسوم ہے، اور ہمیں اسی کے متعلق پھیلائی

ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرنا ہے۔ اس لئے اسی نام سے موسوم کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوا۔ اسی سلسلہ میں ایک اور مشابہہ کا ازالہ کرنا ضروری ہے۔ کتاب کے صفحہ ۷۸ میں مٹوئٹا میں مسلمانوں کی حکومت کے متعلق یہ دکھایا گیا ہے کہ:-

”در اصل یہاں مسلمانوں نے جس حکومت کی داغ بیل ڈالی تھی، وہ مذہبی حکومت کے بجائے غیر مذہبی اور غیر جانب دار سلطنت (سیکولر) تھی۔“

اس کا مدعا یہ ہے کہ حقیقی اسلامی نظام حکومت ایک نر نظام ہے۔ ان حکومتوں کو جو دور رسوں میں دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں قائم تھیں، انہیں مذہبی حکومت کہنا صحیح اسلامی نظام حکومت کی غلط ترجمانی کرنا ہے، جب وہ حکومتیں جو اپنے کو اسلامی کہتی تھیں، اور شرعی نظام حکومت کے ماتحت قائم تھیں، حقیقی معنوں میں اسلامی حکومت کہے جانے کی مستحق نہیں تو ہندوستان کی ان حکومتوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں قائم ہوئیں، اور جن کے قائم کرنے والوں نے بھی ان کے ”اسلامی“ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، انہیں ”مذہبی“ اور ”اسلامی“ کہنا کسی طرح موزوں نہیں ہو سکتا۔

آخر میں مجھے حکومت یوپی کی علم نوازی کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے کہ اس نے اپنے۔

G.O. No A-6135/XV-2203/1948 کے مطابق ڈیڑھ ہزار روپے ”عہد اسلامی کا ہندوستان“ کی طبع و اشاعت کے لئے عطا کئے، اس سلسلہ میں آنریریل سمپور ناند وزیر تعلیم یوپی، اور اپنے لائق دوست آنریریل کیشو دیو مالویہ وزیر ترقیات اور مخلص دوست شری الگورائے شاستری ام۔ ال۔ اے۔ سکریٹری یوپی پرائونٹل کانگریس کمیٹی کی کرم فرماؤں کا شکریہ ادا ہوں۔

کتاب کے لکھنے کے ایک برس میں جانے کے بعد راقم سطور کا تعلق حکومت

بہار کے شعبہ تعلیم سے وابستہ ہو گیا۔ اور ۲۳ نومبر ۱۹۵۹ء کو راقم سطور نے پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کی حیثیت سے اپنے نئے منصب کی ذمہ داری قبول کر لی، اس طرح یو پی اور اس کے دارالحکومت لکھنؤ سے دور ہو گیا، میں اپنے خاص کر مفرا نواب سید التفات حسین صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہیں کی تمام تر توجہ سے اس کی طباعت کے مرحلے انجام پذیر ہوئے۔ کتاب کے فرمے انہوں نے لکھنؤ سے پٹنہ بھیج دیئے۔ اور اب فہرست، مقدمہ اور ان سطروں کو پٹنہ میں چھپوا کر ناظرین کے ہاتھوں میں پہنچا جا رہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو حسن قبول عطا فرمائے۔

سید ریاست علی ندوی
مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ ۹

۱۸ رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ
۵ جولائی ۱۹۵۰ء

فہرست مضامین

عہدِ اسلامی کا ہندوستان

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۰	پارسی	۱	مقدمہ
قدیم ہند کے پچھلے عہد کی آزاد حکومتیں		۱	جناب انریل ڈاکٹر سید محمود رضا
(۲۰ - ۱۱)		۲	۱۴۷۱ء، بی، اچ، ڈی، وزیر
۱۲	حکومت کشمیر	۳	ترقیات حکومت بہار ۱-۳
"	سلطنت پنجاب	۱	ہندوستان کے عہدِ قدیم کا اجمالی نظارہ
"	دہلی، ساہجرا اور جہیر کی حکومتیں	(۱ - ۱)	ہند کے اصلی باشندے
۱۳	سلطنت تنوچ	۱	ہندوستان میں آباد ہونیوالی قومیں
۱۵	سلطنت بندھیل کھنڈ	(۱ - ۱۰)	
"	سلطنت بہار و بنگال	۱	ڈراوری
۱۶	سلطنت اڑیسہ	۲	آریا
"	سلطنت آسام	۴	عرب
۱۷	سلطنت گجرات	۸	تترک
"	سلطنت مالوہ	"	تاجیک
دکن کی حکومتیں		۹	چٹان
(۲۱ - ۱۸)		"	یتھوری منل
۶۸	خاندان اندھرا	"	یورپین
		"	ایک نکتہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۶	چند دیگر علاقے	۱۸	دھاکلیا خاندان
"	سندھ	۱۹	شاہان رنٹر کوٹ
۳۵	کشپور	۲۰	کپانی شاہاں چلیکا
"	پنجاب و صوبہ حیدر	"	ہرسل خاندان
۳۶	دو آب	"	سلطنت خاندان یادو
"	بنگال و بہار		جنوبی ہند کی حکومتیں (۲۱-۲۶)
۳۷	اسلامی نوآبادیوں کے باشندے	۲۱	تامکلم
	عہد قدیم میں ہندو مسلمانوں کے	"	تین سلطنتیں
۳۹	میل جول کے خوشگوار واقعات	"	سلطنت پاڈیا
	ہندوستان پر مسلمانوں کے ابتدائی حملے	۲۳	سلطنت چول
	اوران کے اسباب (۴۳-۴۹)	۲۴	سلطنت چیریا کرل
۴۳	عہد ہند کے تعلقات قدیم عہد میں	۲۶	خاندان پلو کا عروج و زوال
	عہد اسلامی میں عربوں کے تجارتی		ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومتیں
"	قبائل		پہلے کی پراسن اسلامی نوآبادیاں (۲۸-۴۴)
۴۴	برہمن و بھری راستے	۳۰	انکا
	سندھ سے اسلامی حکومت کو	"	مالدیپ
"	پہلی شکایت	۳۱	مالا بار
"	عربوں کا پہلا جنگی سیڑھا	۳۲	نڑاؤ کوور
"	ہند پر عربوں کے ابتدائی حملے	"	کار و منزل
	سندھ سے اسلامی حکومت	"	گجرات و سبھی
۴۵	کا دوسرا شکوہ		

مضون صفحہ

- ۷۴ ہمایوں کا عہد حکومت
 ۷۵ خلافت بغداد سے تعلق
 ۷۷ عرب و ہند کے متعلق مسائل
 ۷۷ تفصیلات
 ۷۶ ہند کے چند دوسرے حکمران خانان
 ۷۷ خانان سومرہ
 ۷۷ نبوسامہ
 ۷۸ اسماعیلی قراسطہ
 ۷۷ نظام حکومت و تمدن و تہذیب
 ۸۱ اہل علم و اعیال
 ۸۳ زباد
 ۸۴ شعرا

غزنوی اسلامی ہند ۳۲۲
 ۹۲۴

۵۸۲
 ۱۱۸۶
 (۸۵ - ۱۰۱)

۸۵ سبکدین

- ۷۷ راجہ جے پال کا جارجا نہ حملہ
 اور مغربی دورہ جے پالی لڑائی
 راجہ جے پال کی مدد خلافت
 ۸۶ اور سبکدین کا حملہ ہندوستان
 غزنوی کو دہلی، کانپور اور قنوج
 ۷۷ تک ترگنازی کا حق

مضون صفحہ

- تقریباً ہند کی دیکھ بھال کے لئے ایک
 ۴۶ نئے عہدہ کا قیام
 ہند سے اسلامی حکومت کو تیسری

- شکایت
 ہند پر حملہ آوری
 محمد بن قاسم کی ہم
 ۴۷

ہند کے اسلامی حملوں کی قیدی جو

- عرب جا کر او بھرے (۵۰-۶۳)
 ۵۰ السندی

ابو ہشیر سندھی

ابو عبد الملک محمد بن ابو ہشیر

۵۶ امام اوزہی

حافظ ابو محمد رفیع بن سالم سندھی

۵۸ ابو نصر فتح بن عبد اللہ سندھی

۵۹ ابو العطاء سندھی

۶۰

ہند و ملتان کی عربی حکومتیں

اور ان کے اثرات (۶۴-۸۴)

۶۴ دور ولایت

۷۱ ماہر فن و دیوان

۷۲ فراتر و دیان ہمایہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۳	سلطان عبدالرشید	۸۶	محمود
"	دو جنگیں حاکم پنجاب	"	محمود کی ترک تازیان
"	سلطان فرخ زاد	۸۷	محمود کے حملے ہندوستان پر
"	سلطان ابراہیم	"	مندروں پر حملہ آوری کا
۹۴	سلطان مسعود بن ابراہیم	۸۸	حقیقی سبب
"	سلطان احمد سلطان	۸۹	صوبہ پنجاب کا نیا نظم
"	محمد باہیم والی پنجاب	"	محمود کو ہندوستان سے ایک لابلہ
"	بہرام شاہ	"	محمود کی رواداری
"	قلعہ ناگور پر قبضہ	۹۰	سلطان محمد
۹۵	محمد باہیم کی بناوٹ در زوال	"	سلطان مسعود
"	حسین بن ابراہیم والی پنجاب	"	احمد نیا تنگین
"	غزنی کی بربادی	"	سچہ سالار ناتھ
"	خسروشہ	۹۱	سالار ملک
"	غزنی سلاطین کا امن ہندوستان	"	ہندوستان کا خزانہ
"	ملک خسرو	"	ہندوستان کو واپس
"	راجہ جموں کی دعوت	"	غزنی و ہندوستان کے امراء
"	شہاب الدین غوری کو	۹۲	کی پالیسی میں اختلاف
۹۶	آل سنگھین کا زوال	"	سلطان مودود
"	غزنوی سلطنت کے خاتمہ میں	"	ہندوستان میں وطن اور دہرم کو
"	ہندو مسلم حکمرانوں کا اشتراک	"	بچانے کا نیا جذبہ
"	غزنوی سلاطین کے معد میں	"	مگر کوٹ کی بازیافت اور
"	ہندوستان میں مسلم فتنوں کی ترقی	"	ہندوستان میں جذبہ سرت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	ہندوستان میں مستحکم سلطنت	۹۸	شعراء
۱۰۹	گنگی باؤتاسیس	۹۹	علماء، محدثین و قضاة
۱۱۰	وفات	۱۰۰	مشائخ
"	جانشین	۱۰۱	منازاجیاں
۱۱۱	سیرت و کردار		حضرت سالار مسعود غازیؒ (۱۰۲-۱۰۶)
"	علماء و مشائخ	۱۰۲	استفسار
	سُلطان شہاب الدین کے قابل	۱۰۳	سالار مسعود کے سوانح حیات کے ماخذ
(۱۱۲-۱۲۹)	مقتل مرتد	"	نسب نامہ
۱۱۴	قابل	۱۰۴	پیدائش
۱۲۲	شہید کرنے کا سبب	"	سنین کے اختلاف پر ایک نظر
"	مرتد	"	اجمالی سوانح حیات
"	مقتولوں کی تعداد	۱۰۶	شہادت
"	مقتل		سُلطان شہاب الدین غوریؒ (۱۰۶-۱۱۲)
	موضع دھمک کے متعلق کچھ {	۱۰۷	غوری سلطنت
۱۲۴	مزید معلومات {	"	محمد غوری کی پیدائش
۱۲۵	سلطان کا نام	"	ہندوستان کی اسلامی سلطنت کی
	کیا سلطان کا مرتد غزنین {	"	یہاں میں سلطان شہاب الدین کی آمد {
۱۲۶	نہیں ہے	"	ہندوستان پر حملہ آوری کے مقاصد
	حکوک سلاطین و ملکی (۱۳۰-۱۸۴)	"	قرابطہ کی بیخ کنی
۱۳۰	سلطان قطب الدین ایک	"	غزنوی سلطنت کو مٹانا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۵۳	سلطان ناصر الدین محمود	۱۳۳	ایک کا عہد حکومت
۱۵۶	سلطان غیاث الدین بلبن	"	ایک کے دور کے ممتاز اکابر
۱۵۷	ہنگال کی بناوت	۱۳۵	صلحائے امت
۱۵۹	منگولوں کا تعلق ہندوستان سے	۱۳۸	آرام شاہ
"	وفات اور جانشینی	"	شمس الدین التمش
۱۶۰	معز الدین کی قباد	۱۴۰	اخلاق و عادات
۱۶۱	بغرا خاں اور کی قباد کی ملاقات	۱۴۱	التمش کا عہد حکومت
۱۶۳	ملک نظام الدین کا زوال	"	خوافین شمس
"	نئے تاجدار کا سوال	"	وزراء
"	شمس الدین کی پورٹ	۱۴۲	شیخ الاسلام
"	علم و فضل کی ترقی اور	"	قفقہ
۱۶۴	اکابر و اعیان	"	علماء و فضلا
۱۶۶	قفقہ و صدر جہاں	۱۴۳	شعراء
۱۶۸	ممتاز اہل علم	"	مشائخ
۱۷۱	مشائخ	۱۴۸	سلطان رکن الدین فیروز شاہ
۱۷۷	ملوک سلطانین کا دور حکومت	"	رضیہ کی جانشین کا پس منظر
"	ہندوستان پر مسلمانوں کے	"	رکن الدین کی تخت نشینی
"	حلا اور ہونے کے محرکات	۱۵۰	سلطان رضیہ
"	نامسلمانوں کو ان کی زندگی کے	۱۵۱	معز الدین بہرام شاہ
"	عام شعبوں میں عمومی آزادی	۱۵۲	سلطان علاء الدین مسعود
"	ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت	"	بلبن کا اقتدار
۱۷۸	ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت	۱۵۳	علاء الدین مسعود کا عہد حکومت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۹۰	حدود واریجہ	۱۸۰	ہندوستان کی حفاظت
"	دریا	"	حکومت کا ڈھانچہ
"	آب و ہوا	۱۸۱	حکومت کے شعبے
"	پایہ تخت	"	فوج
۱۹۱	طاریں، اسپتال اور خانقاہیں	"	آئین و عدالت
"	شاہی محل	۱۸۲	ڈاک کا نظم
۱۹۲	دولت آباد	"	سلاطین کا طرز بود و ماند
"	ہندوستان کے تین خطے	"	اسلام کی اشاعت
۱۹۳	ولایات ہند	۱۸۳	علوم کی ترقی
۱۹۵	حیوانات	"	ایک نئے کچھری تخلیق اور
۱۹۶	پیداوار صنعت و حرفت	"	انسانی آبادی کے طبقات
"	سکے	۱۸۴	تجارتی ترقی
۱۹۷	پیانہ	"	ہندوستان کی مرکزیت
"	نرخ	"	عالم اسلامی میں
۱۹۸	نرخ کی عام ارزانی		ہندوستان آٹھویں صدی
"	سلاطین		ہجری میں (۱۸۵ - ۲۰۶)
۱۹۹	سلطان محمد بن تغلق شاہ	۱۸۷	ہندوستان کا تعارف
"	شاہی فوج	"	اقلم سندھ
"	سلطان حالت جنگ میں	"	منصورہ پایہ تخت سندھ
۲۰۰	ملازمین بارگاہ سلطانی	"	سندھ کے شہر
"	عمال شاہی	۱۸۸	اقلم ہند
۲۰۱	جہاگیر اور تنخواہیں	۱۹۰	

صفحہ مضمون

۲۱۶ دربار میں جشن میلاد کا قدیم

دعوت طعام اور محفل رقص و سرود "

پٹھان اور مغل کی اصلیت

(۲۱۷ - ۲۲۰)

۲۱۷ لفظ پٹھان کی وجہ تسمیہ

۲۱۸ مغل کی وجہ تسمیہ

" مغل، ترک و تاتار کی اصلیت

۲۲۰ کیا نیوں کا قدیم وطن

پٹھانوں کی تاریخ کے مآخذ -

(۲۲۱ - ۲۲۵)

۲۲۱ پٹھان قوم کا مفہوم

" افغانی مؤرخین کی کتابیں

۲۲۲ تاریخ شیر شاہی

" مخزن المآثر

۲۲۳ تاریخ داؤدی

" انشا شاہاں

" غیر افغانی مؤرخین کی تصنیفات

" میں پٹھانوں کا ذکر

۲۲۴ یورپین مؤرخین کی تصنیفات

" افغانی سلاطین پر

صفحہ مضمون

۲۰۲ شاہی دسترخوان

" ہفتہ وار دربار

۲۰۳ سلسلہ رسل و مسائل

۲۰۴ شاہی سفر

" شکار

" سلطان و مال سلطانی کے

" معمولات یومیہ

۲۰۵ محمد بن تغلق شاہ کا عہد حکومت

عیدین کے مراسم اسلامی

ہند میں (۲۰۷ - ۲۱۶)

۲۰۷ عیدین کے مصالغ

" عیدین کے موقعوں پر تفریحی

۲۱۱ مشاغل اور ان کے چشم پوشی

" اسلام میں عید منانے کا طریقہ

۲۱۲ عید منانے کی اصل غات

" ہندوستان میں عید کے تہوار

" خلعت کی تقسیم

" عید کا شاہی جلوس

" شہنشاہ ہندوستان عید گاہ میں

" شہنشاہ کا قربانی کرنا

" عید کا دوبارہ

صفحہ	مضمون
۲۲۲	تتبع طلب امور
۲۲۳	مولانا شبلی مرحوم کا بیان
۲۲۴	عالمگیر کے باغیوں مندروں کے انہدام کی حقیقت
۲۲۵	شاہجاہ کے زمانہ میں مندروں کی زیادتی
۲۲۶	عالمگیر کے عہد میں مسلمانوں میں گراہی پھیلانے والے محرک
۲۲۷	سرد و ناہ سربکاری تلمیں
۲۲۸	باغیوں اور دشمنوں کی عبادت گاہیں
۲۲۹	عالمگیر کے عہد میں مندروں کے انہدام کے واقعات
۲۳۰	پراتے مندروں کا وجود اور ان پر عالمگیر کے اوقات
۲۳۱	اسلامی حکومت کے حدود میں بت خاجے
۲۳۲	عالمگیر کے عہد میں پراتے مندروں کا احترام
۲۳۳	مولانا شبلی کا شکوہ
۲۳۴	مولف اثر عالمگیر سے
۲۳۵	تکمید بحث

صفحہ	مضمون
۲۲۶	شیرشاہ پر چند اور کتابیں
۲۲۷	گیتا کا منظوم فارسی ترجمہ (۲۲۴ - ۲۲۸)
۲۲۸	فیضی کی تصنیفات میں منظوم ترجمہ کا ذکر
۲۲۹	فیضی کی طرہ منظوم ترجمہ کا انتخاب
۲۳۰	گیتا کا ترجمہ فارسی شریں
۲۳۱	گیتا اور مہاجرات
۲۳۲	منظوم ترجمہ کا نسخہ
۲۳۳	کیا عالمگیر کے عہد میں تاریخ نویسی قانوناً مجرم تھی (۲۲۹ - ۲۳۰)
۲۳۴	خانی خاں
۲۳۵	فتح الباب کا عہد تصنیف
۲۳۶	تاریخ نویسی کا سرکاری حکم
۲۳۷	عالمگیر کا جرم
۲۳۸	عہد عالمگیری کی تاریخی تصنیفات
۲۳۹	عالمگیر کے عہد میں مندروں کا انہدام (۲۳۸ - ۲۳۹)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۵۱	زمین کی پیمائش	۲۵۵	عالمگیر کے قدیم محسن
"	دانہ بندی اور پٹائی	"	سرحد و ناتھ سرکار کے دعویٰ
۲۵۲	ہر موضع میں تحصیل وصول کا عملہ	"	سے رجوع
"	پہلی بند و بست دہ سالہ	"	شاہزادگی کے زمانہ کے
	ہندوستان کے عہد اسلامی میں	۲۵۶	انہدامات
	زکوٰۃ کا نظام (۲۶۳-۲۶۸)	"	ہندو مسلم رشتہ اتحاد کا
	عہد وسطیٰ میں اسلامی حکومتوں	۲۵۷	ایک اصول موقی
۲۶۳	کے مالی نظام کی ود عملی	"	حقیقت کی ایک کرن
"	سندھ کی پہلی اسلامی حکومت		عہد مغلیہ کے مناصب ہفت ہزاری
۲۶۴	کا مالی نظام		وغیرہ (۲۵۹-۲۶۰)
"	فیروز شاہی دور میں زکوٰۃ		مناصب کی ابتداء اور
"	کا نظام	۲۵۹	ان کا مدعا
"	فیروز شاہ کا اصلاحی قدم	"	مذہب کے قائم کرنے کا اصول
"	نامشروع محصولات	۲۶۰	منصب داروں کی قسم
"	کی تحصیل کی ممانعت اور	"	تنخواہوں کے اعتبار سے
"	شرعی محصولات کی وصولی		ہندوستان کے عہد اسلامی میں لگزار
۲۶۷	بیت المال کی مجموعی آمدنی		کی تشخیص اور تحصیل کا انتظام
"	وظائف		(۲۶۱-۲۶۲)
"	اکبری دور میں زمینوں کی تقسیم	۲۶۱	پیداوار کی جانچ
"	شرعی اصطلاحوں	"	سکوں کی شکل میں وصولی
"	کے مطابق		

صفحہ	مضمون
۲۶۷	تحصیل کی ابتداء
۲۶۸	ہالیوں کے عہد میں تعلیمی ترقیاں
۲۶۸	عہد اکبر میں تعلیمی انقلاب
۲۶۸	جہانگیر کے دور میں تعلیمی ترقیاں
۲۸۱	شاہجہاں کے دور کی تعلیمی ترقیاں
۲۸۲	نوسلوں کی تعلیم کا انتظام
۲۸۲	عالمگیر کے عہد کی تعلیمی ترقیاں
۲۸۸	دور زوال
۲۸۸	بہادر شاہ کے دور کے
۲۹۱	چند مدارس
۲۹۱	تعلیمی انحطاط

۲۹۱	بنگال و بہار میں عہد نظامت
۲۹۱	دیوانی اور برطانوی اثر و اقتدار
۲۹۱	سکا آ غازی (۲۹۳-۳۰۳)
۲۹۱	منلوں کے عہد میں بنگال کا الحاق
۲۹۱	بنگال کے صوبہ داروں کے دور
۲۹۱	صوبہ کی دست اوردی دارالسلطنت
۲۹۱	ناظم دیوان یا گورنر
۲۹۱	اور وزیر اعلیٰ

صفحہ	مضمون
۲۶۸	عالمگیر کے دور کا نظام
۲۶۹	ہندوستان کے عہد اسلامی کی تعلیمی زندگی (۲۶۹-۲۹۲)
۲۶۹	ہندوستان میں اسلامی تعلیم کی ابتداء
۲۷۰	ہندوستان میں اسلامی مدرسہ کی سب سے پہلی عمارت
۲۷۰	ہندوستان میں مدرسوں کی تاسیس کا رواج
۲۷۱	فیروز شاہ کے عہد میں تعلیمی ترقیاں
۲۷۲	مدرسہ فیروز شاہی
۲۷۲	عہد فیروز شاہی کے دیگر مدارس
۲۷۲	غلاموں کی تعلیم کا اہتمام
۲۷۲	لڑکیوں کے مکتب
۲۷۵	سلاطین ہمنی کے تعلیمی خدشات
۲۷۵	آٹھویں صدی ہجری کے
۲۷۵	چند ممتاز اساتذہ
۲۷۶	عہد غلامی میں تعلیمی ترقیاں
۲۷۶	لودیوں کے عہد کی تعلیمی ترقیاں
۲۷۶	ہندوؤں میں فارسی زبان کی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۰۴	حضرت مینا مشہدی		بجھال میں برطانوی اثرات
"	قاضی سید منصور	۲۹۸	کی ابتداء
۳۰۵	حضرت سید علی ہدائی	"	بجھال کے ناظم و دیوان کے
"	مصاہرہ تعلقات	"	اختیارات کئی
"	حضرت مخدوم الملک بہاری	۲۹۹	موروثی نظامت
"	آب گلہ میں	"	شجاع الدین
"	قاضی سید احمد علی رح	"	سرفراز خاں
۳۰۶	منفی سید ارشد علی	۳۰۰	علی وردی خاں
"	قاضی سید اکرم امام	"	سراج الدولہ
"	مرحوم	"	برطانوی اثر کی ترقی اور
"	قاضی سید مظاہر امام	"	پائنداری
"	علیہ الرحمہ		آب گلہ کا گورنریاں (۳۰۴-۳۰۶)
۳۰۷	روح مزار کا ایک	۳۰۴	آب گلہ
"	کتبہ		

مقدمہ

از

جناب آنریبل ڈاکٹر سید محمود عابدی، پاپیٹ ڈی "ویزیر فیانہ، حکومت بہار

مولانا سید ریاست علی ندوی دارالمصنفین اعظم گڑھ کے مشہور و ممتاز

رفقار میں تھے، ارباب علم ان سے اچھی طرح واقف ہیں اور ابھی حال تک وہیں سے وابستہ تھے عہد اسلامی کا ہندوستان "ان کے مضامین کا مجموعہ ہے، جن میں سے بیشتر حصہ وقتاً فوقتاً معارف میں شائع بھی ہو چکے ہیں اور اب ان کو تاریخی ترتیب سے کرہندوستان کے عہد متوسط کا اکینہ دار بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ابتدا میں تنہیدی طور پر ہندوستان کے عہد قدیم کا اجمالی ذکر بھی کیا گیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کی تاریخ کا متوسط عہد جو افغان و ترک حکمرانوں کا زمانہ ہے، جس کو عام طور پر اسلامی عہد کہا جاتا ہے، اب تک صحیح تاریخی احوال کا محقق ہے اگر نروں کے عہد حکومت میں جو تاریخیں اس دور کی مرتب کی گئیں، ان کی پہلی غرض و غایت مسلمان بادشاہوں کی سجادہ اور عہد اکہ تصویریں دکھلا کر ان بادشاہوں خصوصاً مولانا مسلمانوں سے عموماً نفرت پھیلا نا تھا، اگرچہ ان کے علم حضرات نے تصویر کاروں کو روکنا بھی دیکھنا شروع کر دیا تھا، چنانچہ مولانا شبلی نعمانی علیہ الرحمۃ نے سب سے پہلے بعض اہم تاریخی مغالطوں کو دور کرنے کی کوشش کی اور پھر علامہ سید سلیمان صاحب نے اسی طرح مولانا سید ریاست علی ندوی نے بھی ایک سعادت مند شاگرد کی حیثیت سے اسی ہیج سے ان مضامین میں "عہد اسلامی" کی صحیح تر جہانی کرنے کی کوشش کی ہے۔

ہندوستان میں پہلے پہل جو پُر امن مسلم نوآبادیاں قائم ہوئیں ان کا ذکر اس

موجود ہیں اگرچہ محل و مختصر ہے۔ مگر وہ ہمارے لئے نہایت ہی سبق آموز ہے۔ عام طور پر اس عہد کی تاریخوں میں اس کا محل ذکر بھی نہیں ملتا ہے۔ مسلمانوں نے کس قدر رُپر امن طریقوں پر اس ملک کے تمام ساحلی علاقوں پر اپنی نوآبادیاں قائم کیں اور نہایت ہی اتحاد و امن کے ساتھ اس ملک کے قدیم باشندوں میں مل جل کر اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔ اور اپنی تہذیب کو فروغ دیتے رہے۔ اور مقامی حکمرانوں کو بھی اپنے برتر اخلاق کی وجہ سے اپنا گزیدہ بنائے رکھا ہے۔ یہ مباحث اس کتاب کے روشنی میں آتے ہیں۔ میں نے اس کتاب کو اکثر مقامات سے پڑھا اور سرسری طور پر پوری کتاب پر نظر ڈالی، لائق موصوفت کی محنت قابلِ تہنیت ہے۔ لیکن کتاب کی ترتیب کسی قدر نظر ثانی کی محتاج تھی۔ مثلاً بعض تاریخی مباحث کو زیادہ طوالت دی گئی ہے، جیسے عالمگیر کا برتاؤ ہندوؤں کے ساتھ اور ہتواروں کے برتنے کی تفصیل، ان مضامین پر پہلے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مولانا شبلی صاحب نے بھی ان کے آدھ سے اٹھارہ برس پہلے لکھا تھا۔ اس لئے اس وقت کے لحاظ سے موزوں تھے۔ تاہم اب ان مضامین کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان مضامین کے ذریعہ سے بہت سی غلط فہمیوں کے دور ہونے میں رفتہ رفتہ کیسی مدد ملی ہے۔

دوسری ضرورت اس امر کی نظر آتی ہے کہ نفسیاتی طور پر تمام عہد افغانی کی تاریخ کی تشبیح و ترجمانی کی جائے۔ ایک عہد دوسرے عہد سے تاریخی اور نفسیاتی تسلسل لکھتا ہے۔ اور عہد بہ عہد کے ذہنی رجحانات کو نمایاں طور پر دکھانا اور حاکم و محکوم کی مزاحمتوں اور ملکی واقعات کو سامنے رکھ کر احکام کی توضیح کو سامنے لانا، دور حاضر کے مورخ کے اہم ذرائع میں سمجھا جا سکتا ہے۔ انھوں نے اب تک دفات عالمگیر سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کی ابتدا تک کے عہد کی تاریخ پر مفصل فلسفیانہ نگاہ نہیں ڈالی گئی جس سے یہ نفسیاتی کلیہ قرار پاتا ہے کہ ابنائے وطن اور سردارانِ ملک ہند، مرہٹہ، سکیمہ اور راجپوت عناصر نے ملک کے مرکزی سیاسی اقتدار (مغل شہنشاہ) پر جن خود غرضانہ جذبات سے ضرب لگانا شروع کر دیا تھا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ آزاد اور دولتمند ملک تقریباً اسی طرح حقیقی معنوں میں ایک غیر ملک اور غیر قوم (انڈیز) کی ندی میں جکڑ بند ہو گیا۔ جس سے

بظاہر ہم اچھی اچھی قربانیاں مگر آزاد ہو سکے ہیں۔ خدا اس آمانہ کی کو برقرار رکھنے کی توفیق دے۔
یہ مختصر اشارات بعض اس لئے کئے گئے ہیں تاکہ نوجوان و علمہ مند، صاحب نظر و لطیف قلم
اٹھائیں اور اس کی کو پورا کریں۔

مجھے امید ہے کہ مولانا ریاست علی صاحب کی یہ تالیف ان کو اس قسم کے مطالعہ کی طرف
اور بھی زیادہ متوجہ ہونے کا موقع دیگی۔ موجودہ انقلابات کے پیش نظر ضرورت ہے کہ تاریخ ہند کے
اس باب کو مستقل طور پر ایک تالیف میں جمع کیا جائے تاکہ ہماری موجودہ اور آئندہ نسلیں
اس نقش قدم پر چلنا سیکھیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کی حیثیت کیا
تھی؟ اس کی صحیح ترجمانی کتاب کے صفحات ۱۶۸-۱۶۹ میں آپ پائیں گے۔ یہ نہایت صحیح ہے
کہ درہل یہاں مسلمانوں نے جس سلطنت کی داغ بیل ڈالی تھی وہ مذہبی حکومت کے
بجائے غیر مذہبی اور غیر جانبدار (سکولر سٹیٹ) تھی۔ پروفیسر حبیب اللہ کی کتاب کا جو
اقتباس ص ۱۶۸ و ۱۶۹ میں درج کیا گیا ہے اس کو ہمیں غور سے پڑھنا چاہیے
”اسلامی حکومت کے غلط اطلاق نے، اس ملک میں مسلمانوں کے خلاف منافرت و
انتقام کے نہایت غلط جذبات پیدا کر دیئے ہیں جن کو مٹانا ہمارا فرض عین ہے۔ اور فرقہ
ہے کہ ایسے مضامین ملک کی اور زبانوں میں بکثرت شائع کئے جائیں۔ مسلمانوں کے عظیم اہل
طبقہ کو بھی اس دور کی تاریخ کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔“

اب ضرورت ہے کہ ایسی تالیفیں خاص طور پر ہندی رسم الخط میں ہی شائع کرائی جائیں
تاکہ ان کے مطالعہ سے اکثریت کے طبقات بھی متاثر ہو سکیں۔ مجھے امید ہے کہ مولانا ریاست علی
ندوی کی یہ تالیف شوق سے پڑھی جائے گی۔ اور حضرات ذوق اس کے مواد کو اپنے
تاریخی مضامین اور کتابوں کے لئے استعمال کریں گے۔ یہ ہر طرح پر ایک مفید اور کارآمد
تاریخی تالیف ہے۔ اور اس کو ہماری تاریخ اور ادب کی معیاری کتابوں کے سرابیہ
میں ایک بہتر اضافہ کہا جاسکتا ہے۔

شاکسار

سید محمود ۱۴ مئی ۱۹۵۰ء



ہندوستان کے عہدِ قدیم کا اجمالی نظارہ

”عہدِ اسلامی کا ہندوستان“ اسی وقت درخشاں نظر آئے گا، جب قدیم ہند کا بھی ایک مرتع ہماری نگاہوں کے سامنے آ جائے۔

ہندوستان عہدِ قدیم سے تہذیب و تمدن کا مرکز رہا ہے، دریائے سندھ کی وادی اور جنوب پنجاب میں ۱۹۲۲ء میں جو آثارِ قدیمہ زمین کی ترسے برآمد کئے گئے ہیں۔ ان سے ہندوستان کی قدیم تہذیب کا نشان بہت اونچا ہو گیا ہے۔

ہند کے اصل باشندے | ہند کے اصل باشندے یہاں آریوں بلکہ ڈراویدیوں کی آمد سے پہلے شمال و جنوب ہند کے ایک بڑے حصہ میں پھیلے ہوئے تھے وہ سیلین، سوماٹرا، اور اسٹریلیا کے اصل باشندوں کے ہم نسل تھے۔ اور ”دلیپور“ اور ”مینیور“ کے نام سے یاد کئے گئے ہیں، ہندوستان کے ایک مورخ کا خیال ہے کہ شاید دلیپور وہی ہے۔ جو اب بھیل کہہ جاتے ہیں، اور ”مینور“ ”مینا“ کہلائے، تیسرا قبیلہ ناگاکھا، یہ پہاڑی باشندے آج بھی اسی نام سے آسام کی پہاڑیوں میں آباد ہیں، ان وحشی قبیلوں کی آبادی ڈھائی کروڑ کے قریب ہے۔ اور ان میں کاٹر قبیلہ چھوٹا ناگ پور اور اڑیسہ میں ”سنتال“ کہا جاتا ہے، اور ان ہی لوگوں نے اب اپنا نام ”آدی ہاسی“ یعنی قدیم باشندے رکھ لیا ہے۔

ہندوستان میں آباد ہونے والی قومیں

ڈراویدی | باہر سے آنے والی قوموں میں پہلا نام ”ڈراویدیوں“ کا ہے،

یہ آریوں کے یہاں آنے سے چار ہزار برس پہلے تمام ہندوستان میں چھائے ہوئے تھے، آریوں کے بعد یہ شمالی ہند سے ہٹ گئے اور جنوب ہند میں پناہ لی، مہنودو اور ہرتا کے شاندار تمدن کے مالک بھی ڈراوردی تھے، جس میں پانچ پانچ منزل کے عالی شان محل ہر آمد ہوئے ہیں، مبصرین نے ان کے زمانے کی تعیین ۲۵۰۰ سے ۲۸۰۰ ق م تک کی ہے، اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے، ڈراوردی قوم اس تمدن کے پیدا ہونے سے کئی ہزار برس پہلے ہندوستان میں کبھی تھی اور کم سے کم ایک ہزار برس میں تمدن کے یہ اعلیٰ مدارج اپنے عروج پر پہنچے ہوں گے جس میں ان کی وضع قطع، لباس زیور، بود و باش سب ہی میں تمدن کی لطیف نزاکتیں موجود ہیں^۱

آریا | ہندوستان کی سرزمین پر آکر آباد ہونے والی دوسری قوم آریا کہی جاتی ہے، انھوں نے ڈراوردیوں کو ہٹا کر اپنے قدم جمائے، ان کا قدیم تعلق "انڈو جرمن" نسل سے ہے، وسط ایشیا سے اس نسل کے مختلف قافلے مشرق و مغرب میں چلے، ہندستان میں ان کے آنے کا صحیح زمانہ سنہ ۲۵۰۰ ق م سمجھا جاتا ہے اور ان کا آخری قافلہ ہندوستان میں تقریباً سنہ ۱۵۰۰ ق م میں آیا تھا۔

آریوں کا ابتدائی تمدن سادہ تھا، ان میں تمدن کی تکمیل جو کچھ ہوئی وہ ہندستان ہی میں ہوئی۔ وہ ہندوستان میں مستقل تمدن کے بانی بنے، یہیں ان کی سیاسی تنظیم ہوئی وہ دوسری قوموں کو ہٹا کر یہاں آباد ہوئے، اس لیے ان کے رزمیہ کارنامے بہت روشن ہیں، پھر ان میں قبائلی تقسیم پیدا ہوئی، اور ذات پات کی تفریق قائم ہوئی۔ اور اس سے بہت سے مسائل پیدا ہوئے، ویدان کا مقدس صحیفہ تھا وہ قدرتی عناصر زمین، آسمان، سورج، بجلی، آگ پانی کے پرستار تھے، مہا بھارت اور رمان ان کی قابل قدر رزمیہ داستانیں ہیں، پھر رگ وید پر تفصیلی کتابیں ہند کھی گئیں۔

آریوں کی قدیم سلطنتیں | گندھارا جس کا پایہ تخت ٹکسلا تھا، سلطنت کوردوجن کا پایہ تخت اندرپرست (نزد دہلی) تھا، پنجابی کی حکومت اودھ، اسی طرح مکس

یامت سیس، سورین، رپاہ تخت لاہور یعنی متھرا، اوتی (اوجین، ہوجین، دیسائی)،
نزد مظفر پور و متھلا، کوسل کی سلطنت، بساوتی (نزد گورکھپور) یہاں کی قدیم ترین
حکومتیں تھیں، پھر مگدھ (بہار) کی سلطنت کا دور آیا، سیس ناگ اور نند خانہ لاٹوں
کی حکومتیں قائم ہوئیں۔ راجہ ہم بسا ناگ سیس کی پانچویں پشت میں تھا، دردھ مان
ہما بیر خبازی پتر اسی راجہ کے ہم عصر تھے۔ یہ چھتری امیر زادے جین مت کے بانی
تھے۔ مگدھ ہی میں انھوں نے وفات پائی، ان کی سادھ راج گیر کے قریب مرج خلوات
ہی، پھر اسی زمانہ میں ساکی مہی گوتم بودھ کپل دست (ضلع بستی یوپی) میں پیدا ہوئے
اور مگدھ کی تیرتھ گاہ گیا جی میں پل کے درخت کے نیچے گیان حاصل کیا، اور جیہ کہ مناتھ
دت نے دلائل سے دکھایا ہی، وہ کرشن جی کی طرح پختہ موجد تھے۔

اس کے بعد موریا خاندان کے عروج کا دور آیا اور مگدھ کی سطوت و سلطنت
کا سایہ پورے ہندستان پر چھا گیا، ان ہی کے زمانہ میں یورپ کی نئی قوم سکندر اعظم
کے زیرِ علم ہندستان میں آئی اور واپس چلی گئی، پھر ایرانیوں نے بھی یہاں کچھ فتوحات
حاصل کئے۔ مگر وہ بھی قدم جما نہ سکے۔ مگدھ کی سلطنت رپاہ تخت راج گیر نزد بہار مٹنے،
اور موریا خاندان کے عروج کا دور آریائی تمدن کے شباب کا زمانہ تھا، جین اور بدھ مت
کو اس دور میں بڑی ترقی ہوئی، چندر گپت اور اشوک جیسے جلیل القدر فرماں رواؤں
کے نام کے سامنے، عقیدت سے نگاہ بھکتی ہی۔

چندر گپت ہی، جس نے یونانی سلوکس کو ہٹا کر افغانستان تک قبضہ جمایا، چندر گپت
کے برہمن وزیر چانک نے اصول حکمرانی پر "ارتھ شاستر" لکھی جس کا نسخہ میہور کے کتب خانہ
سے برآمد ہوا، یونانی سفیر مگاس تھینر کا بیان ہے کہ چندر گپت کے شاہی محل آرائش و زیبائش
اور شان و شوکت میں سوس و ہمدان کے شاہی محلات سے بڑھے ہوئے تھے، ستون و رواق
پر سونے کا پانی چڑھا کر ان پر سونے چاندی کی بلیں چڑھائی گئی تھیں۔ اور ان کی شانوں پر
نذر مہ سدا طہیر دکھائے گئے تھے۔ بابہ تختہ پائلی پتر کی شہر سپاہ میں ۶۴ دروازے

اور ۵۰۰ برج تھے، فصیل کی خندق کے لیے سون کا پانی لایا گیا تھا۔
 اشوک کے دور میں جتنی بڑی سلطنت ہوئی ہندوستان کے پورے زمانہ تاریخ میں
 اس سے بڑی سلطنت نہیں ہوئی تھی اس کی فتح کی یادگاروں کے کتبات دستیاب
 ہو چکے ہیں، وہ آخر میں بودھ مت کا پیرو ہو گیا۔ اور اس شن کی تبلیغ کے لیے تبت
 فارس، چین، مصر، یونان میں مبلغ بھیجے، اشوک کے لاٹ شہرت رکھتے ہیں، اس
 کے کتبات چٹانوں پر اور غاروں میں جو ضلع گلیا میں اسٹیشن سیلا کے قریب واقع ہیں، اسی
 طرح مختلف میناروں پر ہیں، اب تک ۴۴ کی تعداد میں برآمد ہو چکے ہیں۔ یہ کتبے جس
 علاقہ میں ہیں، وہ دہلی کی بولی اور پراکرت میں ہیں جو اس حصہ ملک میں رائج تھی
 انڈین یونین نے اشوکا ہی کے چٹو کے سایہ میں اپنا قومی نشان پایا
 موریا خاندان کے خاتمہ کے بعد ملک میں طوائف الملوکی پھیلی، مختلف نسل کے،
 مختلف خاندان، ملک کے مختلف حصوں میں، مختلف ناموں سے برسرِ اقتدار آئے
 امدان میں خانہ جنگیاں بھی ہوئیں۔ برہمنوں کو دوبارہ فروغ ہوا، سنگ کا نوآباد
 ممتاز حکمران خاندان تھے، پھر اسی دور میں ہندوستان کی مغربی سرحد پر یونانی نسل
 کے شاہان باختر (کٹریا) اور پارٹھیہ کو عروج حاصل ہوا، پھر سستھی اور یوچی اور
 کشن ترکمانی قبیلے آگے بڑھے، گندھاریس، کدسیس، اداجتن، بھو مکا اور راجہ
 کنشک نامی حکمران اودھ صوبہ دار گذرے ہیں۔ انھوں نے صدیوں تک حکمرانی کی، یہاں
 تک کہ باہلی پتر (پٹنہ) کے راجہ سنہر گپت نے ان کا خاتمہ کیا۔ اور مگدھ کی سلطنت
 نے اس نئے دور میں پورے ملک ہندوستان کی سیاست میں ایک اثر انداز حیثیت
 اختیار کر لی۔

۱۔ آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا، ص ۴۹، ۵۸، ۵۹۔ انسائیکلو پیڈیا، ص ۳۱، بڑھٹا انڈیا، ص ۲۵۲
 ۲۵۳، دیکھ انڈیا میں کل آف بدھزم (دھرم) آریہ ہسٹری آف انڈیا (آتمہ) بودھا بدھزم انسائیکلو پیڈیا، پرنس
 آف انڈیا (بوسنا تھوٹ) اکنڈر ایما ٹرم ۳۵۔ دت تاریخ ہند، شی ص ۱۹، ۲۰ تا ص ۱۰۹،
 ۲۵، آتمہ ص ۲۰۶، انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۸، ۱۱۰، آکسفورڈ ہسٹری، ص ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۳۱، ۱۳۰
 ۱۳۴، دت تاریخ، شی ص ۱-۱۱۰، ۱۲۹۔

مگدھ سلطنت کو دوسرے دور میں گپت خاندان کے ہاتھوں فروغ حاصل ہوا، سندھ، گپت، چندرگپت ثانی یا راجہ بکرماجیت نے اس سلطنت کو ہندوستان کی عظیم الشان سلطنت بنادیا، اس دور میں ہندوستان میں بوجھ مت کو زوال اور برہمنی مت کو نیا عروج حاصل ہوا۔ قدیم زبان سنسکرت کے احیاء کی خدمت انجام پائی، تمدن میں نوک و پلک نکلے، سنگ تراشی و نقاشی میں کمال پیدا ہوا، اجنتا کی نقاشی اسی دور کا نمونہ ہے، کہا جاتا ہے کہ شہنشاہ شاعر کالی داس اسی بکرماجیت کے نورتن میں شامل تھا، یعنی سیاح فہرستیں اسی کے زمانہ میں آیا تھا، جس کا سفرنامہ اس عہد کی قابل قدر تاریخ ہے۔

سکند گپت اسی خاندان کا آخری تاجدار ہے، جو وسط ایشیا سے آنے والے ایک نئی قوم "ہوں" کے سیلاب کا مقابلہ نہ کر سکا، اس کی سلطنت مگدھ میں محدود ہو کر رہ گئی اور پوری سلطنت پر ہندوؤں کا تسلط قائم ہو گیا، ۳۵۰ء میں مگدھ کی گدی پر پورگپت کا بیٹا نرسم گپت بالادت بیٹھا، اس نے گپت خاندان کا نام نئے سرے سے اونچا کیا اس نے ہندوؤں کو مالوہ کے راجہ جس دھرم کی مدد سے مالوہ میں شکست دی، ۱۸۵ء میں ترکوں نے مزید مدد دی کہ، کہ ہندوؤں کے صدر مقام برہان کا تختہ الٹ دیا جس کے اثر سے ان کے ہندی مقبوضات بھی ان کے ہاتھ سے نکل گئے، اس قوم کے جو لوگ ہندوستان میں بچ رہے، وہ یہاں کی نسل اور آبادی میں گھل مل گئے۔ اسی لیے آریوں کو اکال الامم (قوموں کو کھانے والی قوم) کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے، نرسم گپت کے دور کے علمی مرکز نالندہ نے شہرت دوام حاصل کی، یہ علمی ادارہ اسی کے ہاتھوں تعمیر پایا تھا جس کے آثار آج عقیدت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں

آگے چل کر ساتویں صدی کے آغاز میں تھانویس کے حکمران خاندان کو عروج حاصل ہوا، راجہ ہرش وردھن ۶۰۶ء میں تخت نشین ہوا، اور اس نے پورے ہندوستان کو ایک چھتر کے نیچے لانے کی آرزو کی، ہرش کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی، شمالی ہند میں مشرقی بنگال کے علاوہ وسیع علاقہ میں اس کا علم لہرانے لگا، پھر ساٹھ ہزار

جنگی ہاتھی اور ایک لاکھ شہزادوں سے اس نے دکن کی چاکلیہ سلطنت کو زیر و برکھ کر ڈالنا چاہا۔ مگر چاکلیہ خاندان کے حکمران پلکسینی نے نواب احمدی کے کنارے اس سیلاب کو روک دیا، لیکن ٹھہرات اور مغربی مالوہ نے اس کے قدم چومے اور سسٹھے میں گنجام (شمالی کلنگ) کو اس نے زیر نگین کیا، وہ بودھ مت کی طرف مائل تھا گوشت خوری اور جانور کشی کی سختی سے ممانعت تھی اور خلوات و رزی میں موت تک کی سزا دی جاتی تھی، اس کو مذہم کے ساتھ نرم میں بھی امتیاز حاصل تھا، وہ صرف، سخاوت و رزق کی نظموں کا مصنف تھا۔ ”ناگاند“ ڈراما اسی کا لکھا ہوا ہے، جو ہند کے قدیم ناموں میں بہترین سمجھا جاتا ہے۔ چینی سیاح نے اس کی مدح سرائی کی ہے، اس عہد کی تصنیفات کو سنسکرت زبان میں امتیاز حاصل ہے، شہرہ چینی سیاح ہونین چنگ کی کے دور میں ہندوستان آیا تھا۔ اور اس دور کے قابل قدر تاریخی حالات اس کے سفر نامہ میں محفوظ ہیں۔

اسی دور میں ہندوؤں کی آخری مذہبی کتابیں مہا پران (۵۱ عدد) آپ پران (۸۱ عدد) تصنیف ہوئیں، مہا پرانوں میں ۴ لاکھ اشعار ہیں، پران دراصل کائنات کی فلسفیانہ مگر انسانہ نمین تاریخیں ہیں، یہ حقیقت میں قدیم تصنیفیں و روایات کے مجموعے ہیں لیکن ان کی حیثیت مہا بھارت وغیرہ رزمیہ نظموں سے فرد تر ہے۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ راجہ ہرش کے حکومت سے، موجودہ زمانہ کا طرح مشرق میں مشرقی بنگال اور مغرب میں پنجاب۔ سندھ اور بلوچستان خارج تھے یہ علاقے ہندو کی سرحد سے علیحدہ ہو چکے تھے۔

سندھ میں ایک مضبوط خود مختار سلطنت قائم تھی، بلوچستان بھی اس کے مقبوضات میں داخل تھا۔ سندھ کا یہ حکمران خاندان شودر ذات کا اور بودھ مت کا پیرو تھا۔ اس خاندان کا سہرا اس رائے وہ پہلا حکمران تھا جس کے زمانہ میں شتر سواروں کا ایک نیا قافلہ ہندوستان میں رہ جانے کے لیے مغرب سے آیا۔ اور اپنی زندگی عمل، اور عقیدے کے اقتدار سے اپنے ساتھ لایا۔

عرب اڈر اور دیوں اور آریوں کے بعد عربوں کا یہ تیسرا قافلہ تھا، جو ہندوستان کی سرزمین میں آیا، اور اپنی زندگی کے ناقابل فراموش نقوش یہاں کے چپے چپے پر قائم کئے یہ سامی نسل کے تھے، باہر سے آنے میں سامی دایرین دونوں نسلوں کا حال یکساں ہو آریوں کا آخری قافلہ ہندوستان میں تقریباً سنہ ۱۰۰۰ ق م میں آیا، اور عربوں کے یہاں آنے میں اس زمانہ کو علمی و کر دیا جائے۔ جب وہ اسلام کے ظہور سے پہلے یہاں آئے تھے جس کا سلسلہ تدریجی م تک پہنچتا ہو، تو بھی مسلمان عربوں کا پہلا قافلہ سنہ ۶۱۰ء میں یہاں پہنچا تھا۔ اس طرح آریوں کے آخری اور مسلمانوں کے پہلے قافلہ کی آمد کے زمانہ میں صرف ایک ہزار برس سے کچھ اوپر کا فرق رہتا ہو، جو قوموں کی تاریخ کے لیے کوئی بڑی بات نہیں، یہ بھی اشارہ کر دینا مناسب ہو کہ یہ فرق اس سے بھی کم ہو۔ جو ڈر اور دیوں اور آریوں کے ہندوستان سے وابستہ ہونے کے درمیان میں پڑتا ہو۔

ہندوستان میں مسلمان دورا ہوں سے آئے۔ ایک سندھ کی راہ سے، دوسرے سرحد کے مغربی دروں کو پار کر کے پھر سندھ سے بری و بحری دونوں سمتوں سے ان کی آمد و رفت کا سلسلہ قدیم سے قائم تھا، جب مسلمانوں نے پہلی مرتبہ اس ملک پر حملہ کیا تو عبدیا کہ گزرا سندھ میں شور و خاندان کا تاجدار و سہرا اس رائے جو راجہ ہرش کا ہم عصر تھا۔ ان عربوں کی ملوثائی میں مارا گیا۔ اس کے بیٹے ساہی نے عربوں کے مقابلہ کی تیاری کی اور وہ بھی جنگ میں کام آیا۔ اس کے بعد برہمنوں کا ایک خاندان برسر حکومت آ گیا، اس کا مورث بیج راجہ ساہی کا دیریتھا اور گدی کو خالی باکر اس پر براجمان ہو گیا تھا، راجہ داہراہی کا بیٹا تھا، جس کے زمانہ میں عربوں نے سندھ کی فتح کی تکمیل کی اور ۱۰۰۰ء میں محمود غزنوی کے ہاتھوں میں جانے سے پہلے تک یہاں عربوں کی منظم حکومت قائم رہی، سندھ کی اس عربی سلطنت نے اسلام کو ہندوستان میں سیاسی طاقت سے آہستہ کرنے کا تصور اپنے سامنے نہیں رکھا، لیکن ان کے دور کے تمدنی آثار و نشانات کی ناقابل محو یادگاریں قائم ہوئیں، ہندھ کے ان اسلامی حملوں اور سندھ کی اسلامی سلطنت کا اجمالی خاکہ زیر نظر مجموعہ کے ایک مقالہ میں آ رہا ہو جس سے ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت کی داغ بیل پڑنے کا حال آشکارا ہوگا

ہندوستان کے مغربی دندن سے آنے والی سلم قوموں میں ترک قبائل ہی ترکوں کی ہندوستان سے بلا ارادہ دوستی کا ایک مظاہرہ اس وقت ہو چکا تھا، جب ۱۰۰۰ء میں انھوں نے ہونوں کے پابینخت کو لے کر ہندوستان کے راجاؤں کی مدد کی تھی اور ہندوستانی مقبوضات پر ہندوستانی راجاؤں کاٹے سر سے قبضہ ہوا تھا، اس وقت تک اہل اکانھور رئیس ہاتھ اسلا کے ظہور کے بعد ترکوں میں بھی اس کی اشاعت ہوئی۔

ترک آٹھویں صدی عیسوی میں وسط ایشیا میں ترکوں کے چند جاں باز قبائل اسلامی سطوت کا علم بلند کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور جلد ہی وہ ایران، عراق اور افغانستان پر چھا گئے۔ پھر ان کے اقبال کا ستارہ بڑھتا ہوا ہندوستان کے افق تک پہنچا اور اس ملک کے مغربی حصہ کو ریائے راوی تک یہاں سے علیحدہ کر کے غزنی کی مضبوط مرکز حکومت سے اس کا رشتہ جوڑ لیا۔

غزنیوں نے تقریباً دوسو برس تک پنجاب کو ہندوستان سے علیحدہ کر لیا تھا۔ وہ کابل کی ہندو حکومت کا پہلے خاتمہ کر چکے تھے اور دوسریوں کے لیے پنجاب کھاس طرح یہاں سے علیحدہ کیا کہ گویا اس کا نام ہندوستان کے نقشہ سے نکل گیا۔

سندھ کے عربوں کو شودروں اور برہمنوں کی حکومتوں سے سابقہ پڑا تھا۔ لیکن شمالی ہند کے فاتح ترکوں کو راجپوت حکومت سے واسطہ پڑا۔ جن کی مستحکم حکومت کی سطوت شمالی ہند پر چھائی ہوئی تھی، اور ان کی بہادری کے کارناموں سے ہندوستان کی فضا گونج رہی تھی۔ اس لیے ترکوں اور راجپوتوں دونوں کو اپنا تلواروں بھروسہ تھا اور ہر ایک کے سہارے وہ ایک دوسرے سے میدان کو صاف کرنے کا تہیہ کر کے لڑنے کے لیے جنگ میں اترے تھے۔ تلوار دونوں کو پیاری تھی اور دونوں اس پر ہمتا کرتے تھے، دونوں کے اپنی اپنی جگہ کھیلے کارنامے تھے اور دونوں اسی کے بل بوتے پر آخری فیصلہ کرنا جانتے تھے اور ان ہی دونوں بہادر قوموں کے کارناموں سے ہندوستان کے

عہد اسلامی کا ابتدائی دور محمود ہو

ساجیک | غوری خاندان جس نے ہندوستان میں آگے چل کر اپنی حکومت قائم کی

”تاجیک“ عرب و ایران کی مخلوط نسل سے تھے، یہ تاریخ میں اپنے آبائی انتساب سے آل شنب بھی کہے جاتے ہیں، یہ قبیلہ خراسان سے اٹھا۔ اور گرد و نواح پر بھجایا ہندوستان سے اس کا تعلق اس وقت پیدا ہوا، جب یہ اسلام قبول کر چکا تھا، اور عرب عام میں غوری کہا جاتا ہو

پٹھان | ان کے بعد لودھیوں پٹھانوں کی آمد ہوئی یہ بھی اسلام لانے کے بعد ہی ہندوستان میں وارد ہوئے ان کی نسل اصلیت پر اس مجموعہ میں مستقل ایک تحریر موجود ہے۔ اس لیے یہاں ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

تیغوری نسل | پھر ہندوستان سے تیغوریوں کا تعلق پیدا ہوا، ان کی اصل کے متعلق بھی ایک تحریر اس مجموعہ میں موجود ہے۔ منہلوں کا ہندوستان سے گہرا تعلق قائم رہا اور ہندوستانی کاچر کی تخلیق میں ان کا اہم حصہ رہا، اور اس دور میں ہندوستان نے ایک شان دار علمی و تمدنی منزل طے کی اور ہندوستانی زندگی کے مختلف شعبے ترقی کر کے نئے رنگ و روپ میں نکھر آئے۔

یورپین | اس کے بعد ہندوستان میں یورپین کے قادم پہنچے ان میں سے انگریزوں نے ان کی سلطنت کے چراغ کو گل کر کے اپنی غیر ملکی سلطنت کا مینار ہندوستان میں اونچا کیا اور ہندوستان دو سو سال میں یورپ کے نئے تہذیب و تمدن سے آشنا ہوا۔ انگریزوں نے ہندوستان سے کبھی اپنا وطنی تعلق قائم نہیں کیا۔ اس غیر ملکی سلطنت کا خاتمہ ہاتا گاندھی کی اہنسا اور ستیہ گرہ کی تحریک کی رہنمائی میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کے مضبوط ہاتھوں سے ہوا اور انڈین یونین کی کانسی ٹیوٹ اسمبلی نے ہندوستان کے لیے آزاد میکو لبر جمہوری اسٹیٹ پر مشتمل آئین مرتب کر دیا ہو اس طرح ہندوستان پہلی مرتبہ جمہوری نظام حکومت سے روشناس ہوا

ایک نکتہ | ہمیں ہندوستان میں مسلمانوں کا تاریخ کے پڑھنے میں ایک نکتہ بھی فراموش نہ کرنا چاہیے، ترک، تاجیک، پٹھان، اور مغل اسلام قبول کرنے کے بعد جلد ہی ہندوستان میں آئے، اسلام کی تعلیمات کے اثرات تعلیم و محبت سے ایک قوم

دوسری قوم میں منتقل ہوتے ہیں، اس وقت تک ان قوموں کے دورِ وحشت کی عادتیں پوری طرح بدلی نہ تھیں کہ اسلام کا پرچم ان کے ہاتھوں میں آگیا اور جو کچھ ان کے ہاتھوں سے انجام پایا، خواہ اسلام کے مزاج، منشاء اور احکام کے مطابق رہا ہو یا نہ رہا ہو۔ ہندوستان میں وہ اسلام کے دامن سے دبستہ سمجھا گیا، اور اسی آئینہ کو دیکھ کر اسلام کو سمجھنے کی کوشش کی گئی حالانکہ یہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

پارسی ۱۸ ویں صدی عیسوی میں زردشتی مذہب کے ماننے والے عرب حملہ آوروں کے غلبہ کے بعد خراسان سے جلا وطن ہو کر ۳۵۰ء میں احاطہ بمبئی کے ضلع تھانہ کے مقام سجان میں آئے اور آج تک پارسی کے نام سے موجود اور یہاں کے باشندے ہیں۔



قدیم ہند کے پچھلے عہد کی آزاد حکومتیں

ہندوستان کے اسلامی عہد کو روشناس کرنے سے پہلے مناسب ہو کہ قدیم ہند کے پچھلے عہد کی ان آزاد حکومتوں پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے، جو راجہ ہرش کی متحدہ حکومت کے دور میں، اس کے حدود حکومت سے باہر قائم تھیں، یا اس کی حکومت کے خاتمہ کے بعد لامرکزیت یا طوائف الملوکی کے طور پر ملک کے مختلف صوبوں اور گوشوں میں قائم ہو گئی تھیں کہ ہندوستان کی اسلامی حکومتوں نے ان ہی علیحدہ علیحدہ خود مختار حکومتوں کو ختم کر کے ان کی عظمت کھنڈوں پر اپنی سطوت کا پرچم نصب کیا اس زمانے میں ہندستان کے یہ مختلف علاقے گویا اپنی اپنی جگہ ایک مستقل ملک تھے، جن کا تصور ہم اس زمانے میں مختلف صوبوں کی شکل میں کیا کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر علاقہ میں الگ الگ حکومتیں قائم تھیں اور ان کے حدود مختلف حکومتوں کی طاقت اور کمزوری کے اثر سے گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں اور کبھی برسر عروج شاہی خاندان کئی کئی علاقوں کو زیر نگین کر کے اپنے حدود حکومت میں ملا لیتے تھے، مناسب ہو کہ ان سلطنتوں کا جائزہ علاقہ داری لیا جائے۔ ان میں سے سندھ کی آخری قدیم سلطنت کا تذکرہ تو ادھر گزر چکا اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں اس کے علاوہ حسب ذیل مختلف علاقے کشمیر، قنوج، بندیل کھنڈ، بہار و بنگال، اڑیسہ و مشرقی بنگال، آسام، پنجاب، دہلی، سانہر، اجمیر، گجرات اور مالوہ گویا شمالی ہند میں سلطنت کے اہم مرکز تھے، اسی طرح دکن کے مختلف علاقوں میں مختلف برسر حکومت خاندان چالکیہ کی مختلف شاخیں، واپلی، ریشرکوٹ، کلیانی، پھر خاندان ہوسل اور خاندان یادو گذرے ہیں، اسی طرح جنوبی ہند میں سرزمین تاملکم کی سلطنتوں پانڈیا، چول اور چیر کا گوارہ رہی ہے، نیز اسی جنوبی ہند میں خاندان پلو کو بھی عروج حاصل ہوا؛

ذیل میں مذکورہ صدر علاقوں اور خاندانوں کی سلطنتوں کا ایک سرسری جائزہ

لے لینا ہے :-

حکومت کشمیر | راجہ ہرش کے زمانہ میں منہ کے علاوہ پنجاب اور کشمیر میں بھی آزاد و خود مختار حکومتیں قائم تھیں۔ کشمیر کی سلطنت کے حدود میں کابل و گندہارا، قندھار، یعنی شمال مغربی پنجاب کا پہاڑی علاقہ بھی داخل تھا۔ راجہ ہرش کا ہم عصر راجہ درجھ دروہن یہاں کا حکمران تھا، اسی خاندان کا حکمران لکھنات تھا جس نے مشرق قریب قنوج کے راجہ کو شکست دی، اس کے عہد کی یادگار مارواتند (یعنی سوہج مندر) اسلام آباد سے ۳۰ میل کے فاصلہ پر آج بھی موجود ہے۔ اور فن تعمیر کی امتیازی خصوصیت رکھتا ہے، اسی خاندان کے راجہ سنگ رام دستار کے زمانہ میں سلطان محمود غزنوی نے کشمیر پر حملہ کیا اور اس کو شکست دی، مگر اس سلطنت کی خود مختاری برقرار رہی، یہاں تک کہ سولہویں صدی میں ایک مقامی سلطان خاندان نے اس ملک پر قبضہ کر لیا، سلطان زین العابدین وغیرہ اسی خاندان میں گذرے ہیں بالآخر ۱۷۵۷ء میں اکبر نے اس کو مرکزی حکومت سے وابستہ کر لیا۔

سلطنت پنجاب | دسویں صدی میں یہاں ایک عظیم الشان سلطنت قائم تھی جس کے حدود حکومت میں دریائے سندھ کی وادی کا بالائی حصہ اور سندھ کے شمال میں پنجاب کا بڑا علاقہ جو مغرب کی طرف کوہستان تک اور مشرق کی طرف دریائے بکران تک پھیلا ہوا تھا، شامل تھا، راجہ جے پال یہاں کا حکمران تھا، غزنی کے امیر سلجوقیوں سے اسی کی کدیرش ہوئی، پھر سلطان محمود نے اس کو شکست دی، جس سے غیرت کے جوش میں آکر اس نے خودکشی کر لی، اس کا جانشین اس کا بیٹا اسد پال ہوا، بھٹی اچواں ریاست پٹیالہ میں ہو اس کا یا پتہ تخت تھا، غزنویوں نے اس سلطنت کا خاتمہ کیا،

دہلی، سانجھ، جمہور کی حکومتیں | شہر دہلی کی بناس ۱۹۳۰ء میں مہاجرات کے شہر اندر پرست کے قریب ڈالی گئی تھی، اس حکومت کا خاتمہ تنویر خاندان کے راج پوتوں نے کیا تھا، جن میں راجہ انگ پال نے دلی کو بڑی ترقی دی، دوسری

طرف جو بان نسل کے راجپوتوں کی حکمرانی رہا چھوٹا نہ کے علاقہ سانجھ پڑی تھی جس میں
 اجمیر کا علاقہ بھی شامل تھا، بارہویں صدی میں اس خاندان کے راجہ ویسل دیو نے
 تنواروں کے ہاتھ سے دلی کو بھی فتح کر لیا، دلیل دیو کا بھتیجا یا نواسہ پرتھی یا پرتھوی راج
 یا راسے چھوڑا برسرِ اقتدار آیا، اس نے ہوباکے چندیل کے راجہ پر سالی کو شکست دی
 اسی زمانہ میں غوریوں کے حملے شروع ہوئے اور اس نے مشترکہ ہندو افواج کے سپہ سالار
 کی حیثیت اختیار کر لی، اس کی سلطنت کا خاتمہ شہاب الدین غوری کے ہاتھوں سے ہوا۔

سلطنت قنوج اتنوج قدیم ہند کی پرانی آبادی ہے، مہابھارت میں اس مقام
 کا جہاں یہ آباد ہے۔ دو جگہ ذکر آیا ہے، بطلیپورس کے جہرانہ (تصفیف ۱۳۸۷ء) میں بھی
 ”گنگورا“ اور ”کنوزگا“ کے نام سے اس کا تذکرہ ملتا ہے، پھر کنیا کج یا کان کج کے
 نام سے اس نے شہرت پائی، مورخین کے درمیان اس کی قدیمت کا احساس موجود تھا
 چچ نامہ میں ہے،

”راے ہر چند گھٹ در جواب داد کہ این ولایت قریب یک ہزار و پینسٹ صد سال

است کہ در ضبط و تصرف ماست۔“

لیکن اس کی سیاسی نشوونما کا دور چھٹی صدی عیسوی سے شروع ہوا، یہاں تک کہ ہرش
 کے زمانہ (۵۹۰ء - ۶۰۵ء) میں یہ شہر دار السلطنت بنایا گیا اور اس کی ترقی کی وجہ سے
 اس علاقے کے دوسرے پر رونق شہر بے رونق اور گننام ہو گئے، اور اسی زمانہ سے قنوج
 کو مرکزی اہمیت حاصل ہوئی۔

عرب اور عام نورخین نے قنوج کی فتح کو پورے ہندوستان کی فتح سمجھا، ہرش
 کے بعد اس کے وزیر راجن نے حکومت ہاتھ میں لی، پھر راجہ جس درمن کا دور آیا جس کے
 زمانہ میں بھو بھوتی شاعر گزرا ہے، جس کے ”مہا بھر جرت“ ”اتو رام جرت“ اور ”تانتی
 مادھو“ مشہور ڈرامے ہیں۔ دوسرا ظہور شاعر داک پتی ہے۔ جس نے اپنی رزمیہ مثنوی
 ”گودو دیا“ پر اکرت زبان میں لکھی، اور اس میں جس دھرم کے بنگالے کے فتوحات کو
 بیان کیا ہے، اس کے بعد اس حکمران کے دو جانشین آٹھویں صدی تک گزرے، مگر حکومت

کمزور ہو چکی تھی، کشمیر اور بنگال کے راجاؤں نے دبا یا، پھر راجپوتانہ کے راجہ ہنگ بھٹ نے اس پر شامہ میں قبضہ کر لیا۔

ہنگ بھٹ گوجرؤں کی قوم کا بادشاہ تھا، اس گرمہ کا ایک قبیلہ "پرہیار" کہا جاتا تھا، جو راجپوتانہ کے وسطی علاقے میں قابض تھے، ہنگ بھٹ قنوج کی فتح کے بعد راجپوتانہ کے ریگستان کو چھوڑ کر یہاں چلا آیا، اور سلطان محمود کے حملوں کے وقت اسی کی اولاد یہاں حکمران تھی، ہنگ بھٹ کے بعد اس کا بیٹا رام دیو، پھر اس کا جانشین راجہ مہر بھوج (۱۱۳۵ء) گدی پر آیا۔ مہر بھوج نے بڑا نام پیدا کیا، اور اپنی مملکت کو وسیع کیا، اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مہندر پال تخت نشین ہوا، اس کو برکرت بھاشا سے دوپچی تھی، اس زبان کے مشہور دکنی شاعر راجہ سکھ کی شاگردی اختیار کر تھی، اس کے بعد مہندر کے لڑکے بھوج دوم پھر اس کا لڑکا مہی پال (۱۱۵۰ء) حکمران ہوا۔ مہی پال کے زمانہ میں قنوج کا شیرازہ بکھرنے لگا، شہر کوٹ خاندان کے دکنی راجہ انادر (ثالث) نے اس کو شکست دی، بدیل کھنڈ کے چندیلوں نے بھی اپنے حملوں سے کمزور کر دیا، اس کے بعد دیو پال (۱۱۶۰ء) تخت نشین ہوا پھر دیو پال (۱۱۷۰ء) ۱۱۷۰ء) برسر حکومت آیا۔ اس کے بعد راجہ بیکے پال تخت نشین ہوا۔ اس کے باوجود راجہ جے پال غزنی کی سلطنت سے ۱۱۹۰ء میں نبرد آزمائی کے لیے بڑھا تو قنوج کا راجہ بیکے پال بھی اس کی فوج میں شریک تھا۔ پھر اسی کا بیٹا راکے جے پال یا راجا پال اس کا جانشین ہوا جس نے سلطان محمود کی اطاعت قبول کر لی تھی، اور اسی جرم کی سزا میں مہایوں کے ہاتھوں قتل کیا گیا تھا۔

قنوج میں گوجرؤں کے جانشین گڈوال یا گرداڑ ہوئے راجہ چندر دیو (۱۱۹۰ء) میں یہاں کا حکمران تھا، آگے چل کر راجہ گوہند چندر (۱۲۰۰ء) نے بڑی ترقی کی، اس کا پوتا جے چند یا جیا چند تھا۔ جس کی پھوی راج سے دشمنی تھی اور دلی پر سلطانوں کے قابض ہونے کے بعد اس نے اپنی سلطنت کو بچانے کی بڑی تیاریاں کیں لیکن چنداؤر ضلع ایٹھ کے میدان میں اس کی عظیم شان فوج کو شہاب الدین کے ہاتھوں شکست ہوئی

شہاب الدین بنارس تک بڑھتا چلا گیا، راجہ خود مارا گیا، اور سلطنت تین سو مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی، اس خاندان کے بہت سے راجپوت سردار یہاں سے نکل کر راجپوتانہ کے بیابان میں پناہ گزیں ہوئے، وہاں انھوں نے جو دھبہ کی سلطنت قائم کی، جو اب تک موجود ہے، مگر یہاں پہنچ کر ان کا اصلی نام بدل گیا، اور وہ ”راٹھور“ کہے جانے لگے اور اسی نام سے اب تک یاد کئے جاتے ہیں۔

سلطنت تبدیل کھنڈا | جہاں اور نر بداندی کے درمیان کا علاقہ تبدیل کھنڈ کہا جاتا ہے، ہندوستان میں طوائف الملوکی شروع ہونے کے بعد نویں صدی میں یہاں گوجریا پر بہار سرداروں کی حکومت قائم ہوئی، ان ہی میں کے ایک سردار نانک چند چندیل نے جعتر پور کے قریب ایک ریاست قائم کی، چندیل خاندان کی حکمرانی یہاں مستقل طور پر قائم ہوئی ۱۱۷۰ء میں انھوں نے قلعہ کالنجر پر قبضہ کیا، مہوبا، کھجوراپور، اور کالنجر میں ان کی بہترین یادگاریں ہیں۔ کھجوراپور کا سندراجہ دھنگ کا تئیر کرایا ہوا تھا، جب پنجاب کے راجہ جے پال نے امیر سیکٹلین کے سفیروں کو قید کیا، اور اس نے نوج کشی کی، تو جو راجہ، جے پال کی مدد کے لیے اپنی فوج لے کر گئے ان میں راجہ دھنگ بھی تھا، اس کے بعد اس کے جانشین سلطان محمود کے خلاف صف آرا ہوئے، یہاں تک کہ مسلمانوں نے اس کے ایک ایک قلعہ پر قبضہ کیا اور اس ریاست کا خاتمہ ہو گیا۔

سلطنت بہار و بنگال | ملک میں طوائف الملوکی پھیلنے کے بعد آٹھویں صدی عیسوی میں مغربی بنگال و بہار میں پالی خاندان برسرِ حکومت آیا۔ راجہ گوپال اس خاندان کا بانی اور بودھ مت کا پیرو تھا، اس نے اوہد پور میں بودھ مت کی خانقاہ قائم کی یہی مقام اس کی راج دھانی تھا۔ اسی بودھ خانقاہ و ہار کی مناسبت سے اس کا نام تبدیل ہوا، اور اب بہار کہا جاتا ہے، یہی تقسیم آگے چل کر حضرت محمد شاہ عرف الدین

۱۔ اکوئیس برس میں ۶۰ اور تار سب سے زیادہ باقی زندگی وقف کیم تار سب سے کم ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲

اضاحو پیدایج ۲۳ ص ۱۷۲

انٹرنیٹ کی ویب سائٹ پر ۱۵ اگست ۱۹۸۸ء تا ۱۹۸۹ء

کی ابدی خواب گاہ بنا، پال خاندان کی حکومت بہار سے بنگال تک وسیع تھی، دہریال
اسی خاندان کا بنگال کا راجہ تھا۔ بھاگل پور کے نواح میں اس نے خانقاہیں اور
درس گاہیں تعمیر کرائیں، اس کے بیٹے دیو پال نے اڑیسہ اور آسام پر بھی قبضہ کر لیا
پہاڑی علاقہ کے قبیلہ کام لوچ نے اس خاندان کی حکومت کو اپنے بچے درپے حملوں
سے کم زور کیا، بایں ہمہ بنی پال اور اس کے بیٹے پال وغیرہ بہار پر حکمرانی کرتے رہے، اور
بارہویں صدی میں جب سلطان بہار پر حملہ آور ہوئے تو اسی خاندان کے ہاتھوں سے
انھوں نے حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی۔

سلطنت اڑیسہ اگیارہویں صدی کے اخیر میں اڑیسہ (کلنگ) میں راجہ
چور گنگ نے قوت حاصل کی۔ اسی کا ایک فرزند سرتار سمست دیو کاشی پور کا مالک بنا،
سمست دیو کے پوتے نے مشرقی بنگال کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بیٹے نکشن
سین کو بودھ مت سے سخت اختلاف تھا۔ اس سین خاندان کی کوششوں سے مشرقی
بنگال دارلہ سے بودھ مت کا خاتمہ اور برہمنی عقائد کی تبلیغ ہوئی۔ سنہ ۱۱۸۵ء میں بلاک سین
کی وفات پر اس کا بیٹا نکشن سین وارث تخت و تاج ہوا جس کو سلطان محمد غزنوی نے رائے
نکشن لکھا ہوا، سپہ سالار محمود بن بختیار خلجی اسی کے محل میں صرف چند سواروں کے ساتھ
گھس آیا، تو وہ سنئے سراسر اپنے محل سے نکل بھاگا، اور ملک پر بلا مزا حمت مسلمان کا قبضہ
ہو گیا، رائے لکھن سین ضلع ڈھاکہ کے بکر پور میں پناہ گزیں ہوا، مسلمانوں نے نو دیہ کے
بجائے لکھنوتی کو پایہ تخت بنایا، سین خاندان علم و ادب کا قدردان تھا۔ اس کے ملک شعرا
و شاعرانہ و ہنرمندوں نے نازک لکھا گیتا گو بند کا مشہور مصنف جیا دیو بھی اسی عہد میں گزرا ہے
سلطنت آسام کا مروپ کی قدیم سلطنت کے حدود آسام سے زیادہ تھے
کام روپ کوچ ہسار اور رنگ پور کے علاقے اس میں شامل

تھے، آسام کا یہ علاقہ عمود قدیم سے آریہ حکمرانوں کے زیر نگین رہا، پھر مقامی سواروں
نے وہاں حکومت قائم کی، بھاسکر دس یہاں کا حکمران تھا، پھر بنگال کے پال خاندان

۱۔ کیرن سٹریٹ آف انڈیا ۱۸۶۶ء ۲۔ کھنڈر پٹری آف انڈیا سلیوے ۱۹۱۱ء ۳۔ انڈیو پٹیالہ ۱۹۱۱ء
۴۔ پٹنہ انڈیا ۱۹۱۱ء ۵۔ قدیم تاریخ ہند ۱۹۱۱ء ۶۔ استعم ۱۹۱۱ء

کی یہاں حکمرانی ہوگئی، اسی خاندان کے ایک راجہ کمارنالی نے اس علاقے کو بارہویں صدی میں اپنے وزیر ویدیا دیو کے سپرد کر دیا، پھر ۱۲ویں صدی کے اوائل ۱۲۲۵ء میں شال قوم کے ایک قبیلہ آہوم نے یہاں قبضہ کر لیا۔ اور یہاں کا یہی شاہی خاندان انگریزوں کی فتح ۱۸۲۵ء تک یہاں حکمران رہا۔

ہندوستان کا یہی صوبہ ان علاقوں میں سے ہے جس پر اسلامی سلطنت کا سکھ رداں نہیں ہوا، محمد بن بختیار خلجی فاتح بنگال دہلی کے بادشاہ ۱۲۰۶ء میں دریائے گویا کے کنارے کنارے اس علاقہ میں بڑھا اور درجلنگ کے شمال تک کوہستان کو قطع کرنے میں کامیاب ہو گیا، مگر یہاں مزید کامیابی کی راہ نہ دیکھ کر وہی کا فیصلہ کیا، کاٹھیاواہوں نے دہلی کے وقت دریائے سنگی پل کو جو دہلی کا تہا رہستہ تھا، توڑ دیا، پورا اسلامی لشکر برباد ہو گیا۔ صرف سہ سالہ اپنے سوسپاہیوں کے ساتھ بدقت تیسرے بار کرسکا۔ اس کے بعد بھی اس علاقہ پر بعض اوقات ناکام اسلامی حملے ہوئے یہاں تک کہ ۱۸۱۶ء میں اس پر برہمنوں نے قبضہ کیا، اور ۱۸۲۳ء میں انگریزوں نے اس کو ان کے ہاتھوں سے لے لیا۔

سلطنت گجرات | ادھر ہندوستان کے شمال مغرب حصوں میں سے گجرات میں بارہویں صدی میں یہاں کے چالوکیہ خاندان کے ہاتھوں، جن میں سدھ راج اور کمارنالی ممتاز تھے، اس علاقہ کو بڑی ترقی حاصل ہوئی، پھر اس صدی کے آخر میں چالوکیہ کے جانشین بھگیا خاندان وائے بنے، اسی خاندان کے راجہ دیروھولی سے شہاب الدین غوری کی سرکے آرائی ہوئی۔

سلطنت مالوہ | مالوہ کا علاقہ دریائے ندی کے شمال کی وہ سرزمین ہے، جو قدیم زمانہ میں اونٹنی یا سلطنت اوجین کے نام سے مشہور تھی، یہاں پر مارخاندان حکمران تھانویں صدی کے اوائل میں اپنڈیا کرشن راج نے اس خاندان کی حکومت کی بنیاد رکھی، تقریباً

۱۷۰۰ء تا ۱۷۵۰ء ۱۷۵۰ء تا ۱۸۰۰ء ۱۸۰۰ء تا ۱۸۵۰ء ۱۸۵۰ء تا ۱۹۰۰ء
ہمیشہ آف انڈیا اردو ص ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵،

چار سو برس اس خاندان کی حکومت قائم رہی، اور اس کے ہاتھوں سنسکرت زبان و ادب کی امتیازی خدمتیں انجام پائی، اس کا ساتواں حکمران راجہ رنج سنسکرت کا بہترین شاعر اور شعراء اور اہل علم کا قدردان تھا، دھنجیا اور دھنک اس دور کے بہترین شاعر گزرے ہیں اس کا بھتیجا راجہ بھوج شالہ میں پایہ تخت دھارا میں تخت نشین ہوا، محمود سے اس کی سرکار آرائی ہوئی، وہ علم و ادب کا پرستار اور بہترین مصنف تھا، بھوجپور کی عظیم الشان تحصیل جو بھوپال کے جنوب مشرق میں ہے، ہزاروں میں بندہ دھار دھانی سومریج میل میں تیار کرائی۔ پندرہویں صدی تک یہ تحصیل قائم رہی شالہ میں گجرات اور جیدی کے متحدہ حملوں سے اس خاندان کی حکومت میں کمزوری آئی، تیرہویں صدی میں قبیلہ قمر نے ان کی جانی حاصل کی، پھر چوہان راجاؤں نے اس پر قبضہ کیا، اور مسلمانوں کے قبضہ میں اس سرزمین کے وسیع علاقہ کے چلے جانے کے باوجود کہیں نہ کہیں چوہان راجاؤں کے اثرات قائم رہے، یہاں تک کہ ۱۵۱۷ء میں اکبر نے اس خاندان کے نام و نشان کو مٹایا۔ اور مالوہ مرکزی حکومت سے ملحق ہو گیا۔

دکن کی حکومتیں | دکن کا اطلاق دیوبائے نربدا کے جنوب کے اس حصہ ملک پر کیا جاتا ہے جس میں بیشتر تنگی بولنے والے لوگ آباد ہیں اور اسی میں مہاراشٹر بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔
خاندان اندھرا | اس حصہ مذکور پر ساڑھے چار سو برس یعنی ۲۲۵ء تک اندھرا خاندان کی حکومت رہی، کنو خاندان کے بھی یہی جانشین رہے۔ یہ دکنی علاقہ شمالی ہند سے عہد قدیم میں اس سے بیشتر زمانوں میں جدا رہا، شمالی ہند کی مشہور قدیم حکومتوں کے بیشتر حکمران یہاں تک نہیں پہنچ سکے، صرف موریا خاندان ہی ایسا تھا جس کو انھوں نے اپنا حاکم اعلیٰ تسلیم کیا تھا، اشوک کے بعد یہ جلد ہی اقتدار اعلیٰ کے بھی مالک بن گئے تھے۔ بہن سری اس خاندان کا آخری حکمران تھا۔

دیا چلیکیا خاندان | چھٹی صدی عیسوی میں دکن نے چلیکیا خاندان کے ہاتھوں عروج

جمل کیا، اس خاندان کی حکومت کی بنیاد پلکس اول نے ۱۵۵۷ء میں ضلع بیجاپور کے مقام تلی میں ڈالی، اس کے لڑکوں کیرتی ورنی اور شیکس نے مشرق و مغرب میں حکومت کے حدود بڑھائے پھر پلکس دوم ۱۵۷۶ء میں حکمران ہوا، اس نے اپنی فوجی طاقت سے راجہ ہرش کے حملہ کو روکا، دوسری طرف ۱۵۷۶ء میں اس کے تعلقات ایران کے خسرو دوم سے وابستہ ہوئے، تبتا کے غارنبر میں ایرانی سفیر کے ہندی بادشاہ کے سامنے اپنے وکالت نامہ کے پیش کرنے کا منظر دکھایا گیا ہو، اختا کی نقاشیاں اس خاندان کی لازوال یادگار ہیں، ۱۵۷۶ء میں پلو خاندان کے راجہ زسمور من نے اس کے جدید پایہ تخت ناسک میں اس کا خانہ کیا، مگر وہ چند سال سے زیادہ جنوبی ہند پر قبضہ نہ رکھ سکے، پلکس کے لڑکے بکراجیت اول نے ۱۵۷۷ء میں اپنی حکومت نئے سرے سے قائم کر لی اور بکراجیت دوم نے ۱۵۷۷ء میں پلو خاندان کے قدیم دارالحکومت پر بھی قبضہ کر لیا، وناپی شاہان چلیکے کا زمانہ ۱۵۷۷ء سے ۱۵۷۷ء تک رہا اور اس دور میں ۹ حکمران گزرے۔

شاہان ریشٹر کوٹ | اس کے بعد اکی آٹھویں صدی میں چلیکے خاندان کی ایک دوسری شاخ ریشٹر کوٹ کو ۱۵۷۳ء میں عروج ہوا اس نے وناپی چلیکیوں کی حکومت ختم کی، وناپی دنگا اس خاندان کی حکومت کا بانی تھا، پھر کرشن اول ۱۵۷۶ء کو بندوم، دھرو گو بندوم (۱۵۷۶ء تا ۱۵۹۳ء) اور گورن (۱۵۹۳ء تا ۱۶۰۷ء) گزرے، آخر الذکر پایہ تخت کو ناسک سے مائیکھیت لے گیا، جس کو عرب مورخین مائیکھیر کہتے ہیں، اند آج کل سلطنت نظام میں مالکھیر کے نام سے موجود ہو، اس خاندان کا آخری راجہ لگ دوم تھا۔ ان کا دور حکومت ۱۵۷۷ء سے تک رہا، جس میں ۱۴ افراد مدد گزرے،

اس زمانہ میں عربوں کی حکومت سندھ میں قائم ہو چکی تھی، ریشٹر کوٹ ایک طرف گوجروں سے لڑائیاں کرتے رہے، اور دوسری طرف مسلمانوں سے خوش گوار تعلقات قائم رکھے، اس کی وجہ سے مسلمان سوداگر اندھیچ ہندوستان کے مغربی حلقہ میں گتے جاتے رہے، سیماں تاجر نے بلہر اکوٹنی وبلہر جو اس خاندان کے راجاؤں کا لقب تھا، ہندوستان کا سب سے بڑا بادشاہ نکھا ہی ہرشنا اول کے عہد کے مندر اورا، کیلا س تعمیر ہی بہترین

یادگار ہیں، اس زمانہ میں ان سلطنتوں میں جو لڑائیاں ہوئیں، ان میں برہمن اور بودھ مذہب کی عصیتیں زیادہ تھیں، اور اس کی وجہ سے وحشیانہ اور خونخوارانہ حرکتیں بھی سرزد ہوئیں۔

کلیانی شاہان چلیکیا | ریشٹر کو رٹ کے بعد چلیکیا ہی کا تیسرا خاندان راجہ تیل کی سرکردگی میں برسرِ اقتدار آیا، ایک دور ایسا بھی آیا، جب چول خاندان کے حکمران نے اس خاندان کی مملکت کو روند ڈالا، مگر مختلف سیاسی عروج و زوال کے ساتھ اس خاندان کے حکمرانوں کی حکومت بارہویں صدی تک قائم رہی، اسی دور میں چلیکیا خاندان کی ایک اور شاخ کلیان میں برسرِ اقتدار آئی، اور ۱۱۹۷ء اس حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا،

یہی زمانہ ہندوستان میں بودھ اور جین مذہبوں کے زوال و انحطاط کا ہی اسی زمانہ میں ایک نیا فرقہ ۱۱۷۴ء میں لنگائیت پیدا ہوا جو برہمنوں سے چند امور میں بنیادی اختلاف رکھتا تھا۔ لیکن شمالی ہند کی طرح جنوبی ہند میں بھی برہمن مت کو کونے کونے سے عروج ہو چکا تھا۔

پوسل خاندان | پوسل خاندان کی حکمرانی کا زمانہ ۱۱۷۴ء سے ۱۱۹۷ء تک رہا اس میں گیارہ فرمانروا گذرے بارہویں اور تیسرے صدی کے دوران میں پوسل خاندان نے میور میں بھی اقتدار حاصل کیا، ان میں راجہ جتی دیو ۱۱۷۴ء سے ۱۱۹۷ء تک نام پیدا کہ وہ جین مت کا پیرو ہو گیا تھا، چول خاندان نے جہی مندروں کو جو برباد کیا تھا اس نے ان کی دیکھ کر ان کی نو پسند مذہب کی ترقی ہوئی، مگر آگے چل کر ہی کے زمانہ میں مشہور مصطلح رامنچ کی تحریک کو مقبولیت ہوئی، یہ راجہ بھی ان کا پیرو ہو گیا، اور برہمن مت کو نئے سرے سے اقتدار حاصل ہوا، اور اس نے اپنا نام دشنور دھن رکھ لیا۔ اس سلطنت کا خاتمہ ۱۱۹۷ء میں ملک کا نواریکے ہاتھوں سے ہوا۔ اور ۱۱۹۷ء میں اس کا بانی تخت بھی برباد ہو گیا۔

سلطنت خاندان پادوا۔ اسی زمانہ میں دیوگری (دولت آباد) میں پادو خاندان

کو عروج ہوا، اس میں راجہ بھلم اور راجہ سنگھن (سنہ ۱۲۷۷ء) امتیاز رکھتے ہیں، سنہ ۱۲۹۷ء میں علاء الدین خلجی نے اس پر حملہ کیا راجہ رام چندر نے چھ سو سن موتی، دو من جواہرات دے کر اپنی جان بچائی، سنہ ۱۳۰۹ء میں ملک کا فور نے اس پر دوبارہ حملہ کیا اور اس نے حملہ آوروں کی کامل اطاعت قبول کر لی، یہ دکن کا آخری ہندو خود مختار حکمران تھا سنہ ۱۳۱۷ء میں اس کے داماد ہرپال نے سر اٹھایا، مگر گرفتار کر کے مار ڈالا گیا، اور اسی پر سلطنت یا دو کا خاتمہ ہوا۔

یادو خاندان کی حکمرانی کے دور میں سنسکرت کے مشہور مصنف ہمانیت نے ادب کی نمایاں خدمت انجام دی، ہندو فعل کے قانون پر بھی اس کی تصنیفات ہیں، اس کی تصنیفات سے یادو خاندان کی یاد تازہ رہی۔

جنوبی ہند کی حکومتیں | دکن کی سطح مرتفع کے بود سے کس کساری تک کا علاقہ جنوبی ہند کہا جاتا ہو اس میں وہ ساحلی حصے بھی ہیں جو جدید اصطلاح میں مغربی و مشرقی گھاٹ کہے جاتے ہیں، اس وسیع علاقہ میں احاطہ مدہ اس کے ضلع وڈیگا پٹم و گنام، میو و کوچن اور ٹرانکوور کی دیسی ریاستیں شامل ہیں۔

تاما ملکم | یہ حصہ دراصل تامل قوم اور اس زبان کے بولنے والوں سے آباد ہے، اور اسی وجہ سے قدیم زمانہ میں یہ تاملم یعنی تامل قوم کا ملک، کہا جاتا تھا، تاملم کی شمالی حد شہر مدہس سے درہ اوپر مشرقی ساحل پر پل کٹ تھی اور مغربی ساحل میں بلگر کے قریب محاکمہ پھر یہ علاقہ شمال مشرقی میں شہر تلورنگ اور شمال مغرب میں منگلور سے جنوب دریائے چندر گری تک وسیع ہو گیا۔

تین سلطنتیں | جنوبی ہند کے تعلق قدیم روایات و آثار سے جو کچھ تاریخی مواد فراہم ہو سکا ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تامل سرزمین میں صرف تین ہی سلطنتیں پانڈیا، چول، اور چیریا کرل قائم تھیں۔

سلطنت پانڈیا | سلطنت پانڈیا شمال و جنوب میں دلا رملہ کرتی ہوئی کس کی

تنگ اور شرق و مغرب میں ساحل کا رد منڈل سے درہ اچھنکو دل تنگ جوڑاونکور میں داخل
 کارہستہ ہی۔ وسیع تھی، اس طرح اس میں مدر اور تادولی کے ہندو اور ترخپالی کے کچھ
 حصے شامل تھے کبھی ٹرانکور کے جنوبی حصے بھی آجاتے تھے، یہ سلطنت پانچ ریاستوں میں
 تقسیم تھی، اور موجودہ اصطلاح کے لحاظ سے ان میں وفاق قائم تھا، ان مغربی ریاستوں کے
 سردار پانچ پانڈیا کہے جاتے تھے، قدیم زمانہ میں اس سلطنت کا صدر مقام ضلع مدر کے
 شرقی ساحل پر ایک جنوبی شہر منور تھا، پھر ایک دوسرا مقام کورکئی پایہ تخت بنا، یہاں
 جنوبی ہند کا تمدن بہت پھولا پھلا۔ اب ضلع تادولی میں دریائے تارا پر نی کے کنارے
 یہ شہر ایک معمولی سا گائوں ہو کر رہ گیا ہے، کبھی یہ اہم بندرگاہ اور موٹیوں کی تجارت کا
 مرکز تھا۔ ساتویں صدی تک اس کی تجارتی اہمیت قائم رہی، لیکن پہلی صدی عیسوی میں
 سلطنت کا مستقر مدر اہو گیا تھا اور اس کا تجارتی کاروبار ایک نئے بندرگاہ کایل کی طرف
 منتقل ہو گیا جو صدیوں تک ایشیا کی سب سے بڑی منڈی رہا مگر قدرتی تبدیلیوں سے آگے
 چل کر پڑھکالیوں نے ایک دوسرا بندرگاہ تھاکورن بنایا، کایل میں اب سلمان اور بیسی علیائی
 ماہی گیروں کا آبادی باقی رہ گئی ہے۔

سلطنت پانڈیا کے تعلقات رومہ الکبریٰ سے بھی قائم تھے، مسدق م میں شاہ میڈیاں
 کاغیر گیس سیرز کے پاس پہنچا تھا، تیسری صدی عیسوی تک ان دونوں حکومتوں میں تجارتی تعلقات
 قائم رہے۔

تمام ادبیات میں جن سلاطین پانڈیا کا ذکر آیا ہے۔ ان میں دوسری صدی کے چند اچلیس
 کو اتیار چال ہے۔ مدر میں علوم کی ایک اہم درس گاہ منگم قائم تھی جس نے تامل زبان کا بہترین
 ادب پیدا کیا اور ترولو انی نقینف م کرل پہلی صدی عیسوی سے کچھ پہلے کی یادگار ہے، ہیری
 سوگ ۶۴ء میں جنوبی ہند میں گیا تھا، مگر سلطنت پانڈیا کے حدود میں نہ جاسکا۔ کچھ ہنسیائی
 تابی درج کی ہیں، دسویں صدی عیسوی میں سلطنت پانڈیا نے انھوں کو دیکھ کر ہندوئی ملک کی قدر و ثناء کے بعد سلطنت چل کے
 عروج تک بعد میں کتھدار کو تسلیم کر لیا، اور یہ ایک باج گزار ریاست بن گئی۔ اس کے آگے کے زمانہ
 میں سال ۱۵۶۶ء تکہ، شان پانڈیا کے نام مل سکے ہیں

سلطنت چول | سلطنت چول کے حدود مشرق میں ساحل کارو منڈل کے ساتھ طور سے بد کوئی تک اور مغرب میں کوگ تک قائم تھے۔ ان حدود میں زمانہ حال کی تقسیم کے لحاظ سے مشرق میں ضلع مدرہس اور انڈین یونین کے چند ضلع اور ریاست میسور کا ایک بڑا حصہ آگیا تھا۔ اس کا پایہ تخت اُریور یعنی قدیم تر چا پلی تھا، اس سے پہلے منلو زمانہ کی کوئی آبادی مستقر تھی اتالی زبان اس سلطنت کی بھی ملتی زبان بھی پہلی دوسری صدی عیسوی میں چول کے تجارتی بندرگاہ ساحل کارو منڈل بنے ہوئے تھے اور تجارتی بیڑے روم دیونان، مصر، ملایا کے مجمع البحر اتر وغیرہ سے آمد و رفت رکھتے تھے ان کا ایک اہم بندرگاہ دریائے کادییری کے دہانہ پر کادریہم تھا، راجہ کرال نے اس بندرگاہ کو آباد کیا تھا، دوسری صدی عیسوی میں سلطنت چیرنے اس کے اقتدار کو نقصان پہنچایا، مزید شمال پلوخاندان کے ہاتھوں آیا، یہاں تک کہ اسی موخر الذکر خاندان کے سنہ ۴۰۰ء میں خاتمہ کے بعد چول سلطنت نے نئی زندگی پائی، نویں صدی میں وجایا نے نئی زندگی ڈالی، پراں تک اول سنہ ۷۰۰ء میں تخت نشین ہوا، اُس نے سلطنت پانڈیا کے دار السلطنت مدراکو فتح کیا۔ پھر شکا پروف کشی کی۔ پھر ۹۰۵ء میں راجہ دیو اعظم نے اس سلطنت کو جنوب کی سب سے بڑی سلطنت بنادیا۔ اس کے حدود میں احاطہ مدرہس کا پورا علاقہ اور لنکا اور میسور کا بڑا حصہ شامل تھا۔ ۱۱۰۰ء میں اس کا بیٹا راجہ راجندر تخت نشین ہوا، اس کا جنگی بیڑا عظیم تھا چند جزائر پر بھی اس نے قبضہ کیا۔ اب اس سلطنت کا مستقر تنجو رہا، یہاں کا عظیم الشان مندر اسی کا تعمیر کرایا ہوا ہے جس میں چھبیسویں سنہ جلوس کی فتوحات کی نقادیری بھی کندہ ہیں اس میں مذہبی رواداری بھی، اس نے پنگ پٹم کے بندرگاہ پر برمیوں کو بودھ مت کا مندر تعمیر کرنے کی اجازت دی، سنہ ۱۱۰۰ء تک یہ مندر قائم تھا، مگر پادریوں نے اس کو برباد کر کے اس کے بجائے کلیسا تعمیر کرائے، سنہ ۱۱۰۰ء کے بعد اس سلطنت کے جنگی بیڑے نے خلیج بنگال کو عبور کر کے بنگو کے قدیم پایہ تخت کدم کو فتح کیا اور چند اور بندوں پر بھی قبضہ جمایا اور سلطنت پگہ سلطنت چول کا ایک حصہ بن گئی۔ یہ فتوحات سنہ ۱۲۰۰ء سے ۱۲۰۰ء کے اندر ہوئے پھر جزائر نکوبار اور انڈمان قبضہ میں آئے۔

خاندان چول کا آخری حکمران بادشاہ کلوتنگ سوم تھا جس نے ۱۲۸۷ء سے چالیس برس تک حکومت کی، اس کی جانشینی کے لیے خانہ جنگیاں ہوئیں، یہاں تک کہ ۱۳۱۷ء میں پانڈیا خاندان نے نیا عروج پایا مگر اسی زمانہ میں جنوبی ہند پر ملک کانور کے حملے شروع ہو گئے، اور اسلامی فتوحات سے جنوبی ہند کی تمام ریاستوں کا زور ٹوٹ گیا، چودھویں صدی میں وجیانگور کی ترقی ہوئی اور ۱۲۷۷ء میں انتہائی جنوب کا علاقہ اس سلطنت کے ماتھ میں آ گیا تھا۔

سلطنت چول علی تمدن کی مالک تھی، ترخاچی میں ت ہی محل کا کھنڈراب تانان کی یا نگارچہ ایک عالی شان مندر بھی تھا جس میں دشن گرسنگ موسی کا تراشا ہوا بت موجود تھا مشہور معروف ہندو فلسفی رامانج جی نے جو جنوب میں دشنوپتی کے سب سے بڑے رشی مانے جاتے ہیں۔ راجہ دھراجندر ۱۷۷۷ء۔ ۱۷۷۷ء کے زمانہ میں ترخاچی کے قریب سری رنگم میں سکونت اختیار کی، مگر راجہ دشنوپتی کا معتقد تھا اس لیے رامانج جی یہاں کا قیام چھوڑ کر میور پٹنہ چلے گئے اور اس کی وفات کے بعد یہاں واپس آئے اور اپنے مشن کی تبلیغ کرتے رہے۔

سلطنت چیریا کرلی | سلطنت چیریا جس کو کرلی بھی کہا جاتا ہے ساحل مالابار میں قائم تھی، جس میں موجودہ ضلع مالابار سے ٹراونکور اور کوچین شامل تھا، کرلی کا ظہور عموماً مغربی گھاٹ کی اس پہاڑیوں میں پر کیا جاتا تھا، جو چند نگری دریائے جنوب میں واقع ہو، ٹراونکور کا جنوبی حصہ کبھی پانڈیا سلطنت کا جزو رہا اور پانڈیا چول، اور چیر کے حدود وقتاً فوقتاً گھٹتے بڑھتے رہے، تان کے قدیم ادبیات میں اس سلطنت کے پانچ اضلاع پوئی کدم، کدم، دین اور کاکا ذکر آیا ہے، دودھم بندر گاہیں ایک موزس (موجودہ کرنگیود) اور دوسرا کیچی (بندر کو تیم) تھا عرب سے مرزس تک چالیس دن کی مسافت تھی، اور ان دونوں ملکوں میں عہد قدیم سے تجارتی رشتہ قائم تھا، اور عربوں کی تجارتی کوسٹیاں مدتوں پہلے یہاں قائم ہوئی تھیں۔ اس کا قدیم پایہ تخت ونجی یا کرد تھا جو آج کل ایک گاؤں

تروکرد کے نام سے کوچین سے ۲۸ میل مشرق، شمال مشرق میں موجود ہو، پھر اس کا پانچواں
 ترو پنجمی کلم بنا، پھر سرزمین کو نگو بھی اس سلطنت کے عارضہ میں آگئی۔ اس سلطنت کی سیاسی تاریخ
 دوسری صدی عیسوی سے آگے دریافت نہ ہو سکی ہو۔ قدیم حکمرانوں میں راجہ جن کتوں کا حال
 معلوم ہو سکا ہو۔ پھر ٹراونکور کے راجاؤں کا حال ۲۵ء تک معلوم ہو سکا ہو، پھر ٹراونکور
 کے راجاؤں کا حال ۲۵ء تک معلوم ہو سکا اور اس کے بعد دو صدیوں کے راجاؤں کا تقریباً
 مکمل فہرست تیار ہو سکی ہو۔

تا حکم بنی تال کھان تین سلطنتوں کی سرزمین کا تمدن، تہذیب، مذہب اور رہن سہن
 شمالی ہند سے مختلف تھا۔ اس کا اندازہ تال زبان کی ان قدیم نظموں سے ہوتا ہے جو پہلی
 سے تیسری صدی عیسوی تک میں لکھی گئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شمالی علاقے سے آئے
 ہوئے لوگوں نے جو مدراد وغیرہ میں آباد ہو گئے تھے۔ شمالی ہند کے تمدن، معاشرت، اور
 تہذیب، ہندو رسوم اور ذات پات کی تقسیم کو رد و دایا چاہا۔ مگر ان کی سخت مخالفت
 کی گئی، اسی طرح ان کا مذہب "دیو پرستی" تھا، مگر آگے چل کر رفتہ رفتہ شمالی ہند کے اثرات
 یہاں پہنچے، ان کی "دیوئی کوتلی" نے شیوہ جی کی استری درگا کی جگہ حاصل کر لی۔ بدھ مت
 کے ساتھ جین اور بودھ مت آگے چل کر روشناس ہوئے، جین مذہب کا اثر سب سے
 پہلے میدھ میں داخل ہوا، جہاں شمالی ہند کے نقطہ سے پریشان ہو کر لوگ جا رہے تھے۔ یہیں ان
 کے مذہبی پیشوا بعد رہا ہوئے جین مت کے اتباع میں اپنے کو برت رکھ کر ہلاک کیا جنوبی
 ہند کے جینی اس کو پیشوا مانتے ہیں، سنہ ۱۸۰ میں یہی مذہب میور میں سب سے زیادہ فروغ
 تھا، اسی طرح بودھ مت یہاں مہاراجہ اشوک کے مسلمانوں کے ہاتھوں پہچا، چند صدیوں میں
 اس کو فروغ حاصل ہوا، اگر وہ حکمران مذہب کی حیثیت کبھی یہاں اختیار نہ کر سکا، ساتویں صدی
 عیسوی سے اس کو زوال آیا اور جین اور بدھ مت نے اس کی جگہ لے لی، پھر برہمنی مذہب
 کہ یہاں اس قدر فروغ حاصل ہوا کہ شمالی ہند سے زیادہ ذات پات کی پابندیاں چلی گئیں
 ورنہ قدیم تال قوم میں اونچ نیچ ذاتوں میں کوئی تمیز نہ تھی ان میں انسانوں کی پانچ مجلسیں
 پانچ تہیں تھیں، عوام اناس، نہ ہی میندا، ستم، اہل اہل وادہ، سلطنت لیکن ان میں

باہم کوئی ایسا فرق مراتب نہ تھا کہ اونچ نیچ جانئیوں کا تصور پیدا ہوتا۔

تامل قوم میں نظم و ضبط، اور فنون لطیفہ کی لطافتیں موجود تھیں اور وہ تجارت، صنعت اور زراعت سے خوش حال اور فراخ بال رہتے تھے، موتی، مرجیں اور پنا ہیاں کی خاص پیداوار تھی۔ اور ان کی تجارت دور در ملکوں سے ہوتی تھی، ان کے تجارتی بیڑے مشرق و مغرب میں آتے جاتے تھے، اسی تعلق سے رومنہ الکبریٰ کا سکہ بھی یہاں چلتا تھا، اور کھدائی میں دستیاب بھی ہوا ہی۔ تامل زبان کے ادب کا بہترین زمانہ پہلی تین صدی عیسوی میں گزرا ہی، مختلف فنون لطیفہ موسیقی، ڈراما، مصوری اور سنگ تراشی میں تمیاز رکھتے تھے، ڈراموں میں حسن و عشق کے افسانے اور زرمیہ داستانیں دونوں موجود ہیں۔

خاندان یلو کا عروج و زوال | جنوبی ہند کی ان تین سلطنتوں کے علاوہ ایک اور خاندان پلو برسرِ اقتدار آیا۔ انھوں نے چوتھی سے آٹھویں صدی عیسوی تک جنوبی ہند کی سیاسیات میں انرا انداز طاقت حاصل کی، ان کا کوئی مستقل مستقر نہ تھا۔ ان کی طاقت ہمایہ حکومتوں کی کمزوریوں سے حاصل ہوا کرتی تھی، اور اس جلتی بھرتی قوم کی معرکہ آرا دنیا وقتاً فوقتاً تینوں حکومتوں سے برپا رہی، اور مرہٹوں کے چوتھ کے طریق سے یہ بھی تحقیق معلوم کیا کرتے تھے، آخر میں چول سلطنت کا خاتمہ ان ہی کے ہاتھوں سے ہوا، اس خاندان کا ایک راجہ کانچی میں حکمران تھا۔ جس کی سرگزشت تانبے کی لوحوں پر پراکرت زبان میں کندہ موجود ہے، کانچی کا راجہ دشنوگپت جس کو ۳۵۳ء میں سمندرگپت نے شکست دی تھی، اسی خاندان کا تھا۔ اسی طرح قدیم تاریخ کے ایک دور راجہ ہتی ورمین اور سمورین اسی خاندان کے تھے بھرتو ۵۰۵ء، ۵۰۶ء، ۵۰۷ء، ۵۰۸ء، ۵۰۹ء، ۵۱۰ء، ۵۱۱ء، ۵۱۲ء، ۵۱۳ء، ۵۱۴ء، ۵۱۵ء، ۵۱۶ء، ۵۱۷ء، ۵۱۸ء، ۵۱۹ء، ۵۲۰ء، ۵۲۱ء، ۵۲۲ء، ۵۲۳ء، ۵۲۴ء، ۵۲۵ء، ۵۲۶ء، ۵۲۷ء، ۵۲۸ء، ۵۲۹ء، ۵۳۰ء، ۵۳۱ء، ۵۳۲ء، ۵۳۳ء، ۵۳۴ء، ۵۳۵ء، ۵۳۶ء، ۵۳۷ء، ۵۳۸ء، ۵۳۹ء، ۵۴۰ء، ۵۴۱ء، ۵۴۲ء، ۵۴۳ء، ۵۴۴ء، ۵۴۵ء، ۵۴۶ء، ۵۴۷ء، ۵۴۸ء، ۵۴۹ء، ۵۵۰ء، ۵۵۱ء، ۵۵۲ء، ۵۵۳ء، ۵۵۴ء، ۵۵۵ء، ۵۵۶ء، ۵۵۷ء، ۵۵۸ء، ۵۵۹ء، ۵۶۰ء، ۵۶۱ء، ۵۶۲ء، ۵۶۳ء، ۵۶۴ء، ۵۶۵ء، ۵۶۶ء، ۵۶۷ء، ۵۶۸ء، ۵۶۹ء، ۵۷۰ء، ۵۷۱ء، ۵۷۲ء، ۵۷۳ء، ۵۷۴ء، ۵۷۵ء، ۵۷۶ء، ۵۷۷ء، ۵۷۸ء، ۵۷۹ء، ۵۸۰ء، ۵۸۱ء، ۵۸۲ء، ۵۸۳ء، ۵۸۴ء، ۵۸۵ء، ۵۸۶ء، ۵۸۷ء، ۵۸۸ء، ۵۸۹ء، ۵۹۰ء، ۵۹۱ء، ۵۹۲ء، ۵۹۳ء، ۵۹۴ء، ۵۹۵ء، ۵۹۶ء، ۵۹۷ء، ۵۹۸ء، ۵۹۹ء، ۶۰۰ء، ۶۰۱ء، ۶۰۲ء، ۶۰۳ء، ۶۰۴ء، ۶۰۵ء، ۶۰۶ء، ۶۰۷ء، ۶۰۸ء، ۶۰۹ء، ۶۱۰ء، ۶۱۱ء، ۶۱۲ء، ۶۱۳ء، ۶۱۴ء، ۶۱۵ء، ۶۱۶ء، ۶۱۷ء، ۶۱۸ء، ۶۱۹ء، ۶۲۰ء، ۶۲۱ء، ۶۲۲ء، ۶۲۳ء، ۶۲۴ء، ۶۲۵ء، ۶۲۶ء، ۶۲۷ء، ۶۲۸ء، ۶۲۹ء، ۶۳۰ء، ۶۳۱ء، ۶۳۲ء، ۶۳۳ء، ۶۳۴ء، ۶۳۵ء، ۶۳۶ء، ۶۳۷ء، ۶۳۸ء، ۶۳۹ء، ۶۴۰ء، ۶۴۱ء، ۶۴۲ء، ۶۴۳ء، ۶۴۴ء، ۶۴۵ء، ۶۴۶ء، ۶۴۷ء، ۶۴۸ء، ۶۴۹ء، ۶۵۰ء، ۶۵۱ء، ۶۵۲ء، ۶۵۳ء، ۶۵۴ء، ۶۵۵ء، ۶۵۶ء، ۶۵۷ء، ۶۵۸ء، ۶۵۹ء، ۶۶۰ء، ۶۶۱ء، ۶۶۲ء، ۶۶۳ء، ۶۶۴ء، ۶۶۵ء، ۶۶۶ء، ۶۶۷ء، ۶۶۸ء، ۶۶۹ء، ۶۷۰ء، ۶۷۱ء، ۶۷۲ء، ۶۷۳ء، ۶۷۴ء، ۶۷۵ء، ۶۷۶ء، ۶۷۷ء، ۶۷۸ء، ۶۷۹ء، ۶۸۰ء، ۶۸۱ء، ۶۸۲ء، ۶۸۳ء، ۶۸۴ء، ۶۸۵ء، ۶۸۶ء، ۶۸۷ء، ۶۸۸ء، ۶۸۹ء، ۶۹۰ء، ۶۹۱ء، ۶۹۲ء، ۶۹۳ء، ۶۹۴ء، ۶۹۵ء، ۶۹۶ء، ۶۹۷ء، ۶۹۸ء، ۶۹۹ء، ۷۰۰ء، ۷۰۱ء، ۷۰۲ء، ۷۰۳ء، ۷۰۴ء، ۷۰۵ء، ۷۰۶ء، ۷۰۷ء، ۷۰۸ء، ۷۰۹ء، ۷۱۰ء، ۷۱۱ء، ۷۱۲ء، ۷۱۳ء، ۷۱۴ء، ۷۱۵ء، ۷۱۶ء، ۷۱۷ء، ۷۱۸ء، ۷۱۹ء، ۷۲۰ء، ۷۲۱ء، ۷۲۲ء، ۷۲۳ء، ۷۲۴ء، ۷۲۵ء، ۷۲۶ء، ۷۲۷ء، ۷۲۸ء، ۷۲۹ء، ۷۳۰ء، ۷۳۱ء، ۷۳۲ء، ۷۳۳ء، ۷۳۴ء، ۷۳۵ء، ۷۳۶ء، ۷۳۷ء، ۷۳۸ء، ۷۳۹ء، ۷۴۰ء، ۷۴۱ء، ۷۴۲ء، ۷۴۳ء، ۷۴۴ء، ۷۴۵ء، ۷۴۶ء، ۷۴۷ء، ۷۴۸ء، ۷۴۹ء، ۷۵۰ء، ۷۵۱ء، ۷۵۲ء، ۷۵۳ء، ۷۵۴ء، ۷۵۵ء، ۷۵۶ء، ۷۵۷ء، ۷۵۸ء، ۷۵۹ء، ۷۶۰ء، ۷۶۱ء، ۷۶۲ء، ۷۶۳ء، ۷۶۴ء، ۷۶۵ء، ۷۶۶ء، ۷۶۷ء، ۷۶۸ء، ۷۶۹ء، ۷۷۰ء، ۷۷۱ء، ۷۷۲ء، ۷۷۳ء، ۷۷۴ء، ۷۷۵ء، ۷۷۶ء، ۷۷۷ء، ۷۷۸ء، ۷۷۹ء، ۷۸۰ء، ۷۸۱ء، ۷۸۲ء، ۷۸۳ء، ۷۸۴ء، ۷۸۵ء، ۷۸۶ء، ۷۸۷ء، ۷۸۸ء، ۷۸۹ء، ۷۹۰ء، ۷۹۱ء، ۷۹۲ء، ۷۹۳ء، ۷۹۴ء، ۷۹۵ء، ۷۹۶ء، ۷۹۷ء، ۷۹۸ء، ۷۹۹ء، ۸۰۰ء، ۸۰۱ء، ۸۰۲ء، ۸۰۳ء، ۸۰۴ء، ۸۰۵ء، ۸۰۶ء، ۸۰۷ء، ۸۰۸ء، ۸۰۹ء، ۸۱۰ء، ۸۱۱ء، ۸۱۲ء، ۸۱۳ء، ۸۱۴ء، ۸۱۵ء، ۸۱۶ء، ۸۱۷ء، ۸۱۸ء، ۸۱۹ء، ۸۲۰ء، ۸۲۱ء، ۸۲۲ء، ۸۲۳ء، ۸۲۴ء، ۸۲۵ء، ۸۲۶ء، ۸۲۷ء، ۸۲۸ء، ۸۲۹ء، ۸۳۰ء، ۸۳۱ء، ۸۳۲ء، ۸۳۳ء، ۸۳۴ء، ۸۳۵ء، ۸۳۶ء، ۸۳۷ء، ۸۳۸ء، ۸۳۹ء، ۸۴۰ء، ۸۴۱ء، ۸۴۲ء، ۸۴۳ء، ۸۴۴ء، ۸۴۵ء، ۸۴۶ء، ۸۴۷ء، ۸۴۸ء، ۸۴۹ء، ۸۵۰ء، ۸۵۱ء، ۸۵۲ء، ۸۵۳ء، ۸۵۴ء، ۸۵۵ء، ۸۵۶ء، ۸۵۷ء، ۸۵۸ء، ۸۵۹ء، ۸۶۰ء، ۸۶۱ء، ۸۶۲ء، ۸۶۳ء، ۸۶۴ء، ۸۶۵ء، ۸۶۶ء، ۸۶۷ء، ۸۶۸ء، ۸۶۹ء، ۸۷۰ء، ۸۷۱ء، ۸۷۲ء، ۸۷۳ء، ۸۷۴ء، ۸۷۵ء، ۸۷۶ء، ۸۷۷ء، ۸۷۸ء، ۸۷۹ء، ۸۸۰ء، ۸۸۱ء، ۸۸۲ء، ۸۸۳ء، ۸۸۴ء، ۸۸۵ء، ۸۸۶ء، ۸۸۷ء، ۸۸۸ء، ۸۸۹ء، ۸۹۰ء، ۸۹۱ء، ۸۹۲ء، ۸۹۳ء، ۸۹۴ء، ۸۹۵ء، ۸۹۶ء، ۸۹۷ء، ۸۹۸ء، ۸۹۹ء، ۹۰۰ء، ۹۰۱ء، ۹۰۲ء، ۹۰۳ء، ۹۰۴ء، ۹۰۵ء، ۹۰۶ء، ۹۰۷ء، ۹۰۸ء، ۹۰۹ء، ۹۱۰ء، ۹۱۱ء، ۹۱۲ء، ۹۱۳ء، ۹۱۴ء، ۹۱۵ء، ۹۱۶ء، ۹۱۷ء، ۹۱۸ء، ۹۱۹ء، ۹۲۰ء، ۹۲۱ء، ۹۲۲ء، ۹۲۳ء، ۹۲۴ء، ۹۲۵ء، ۹۲۶ء، ۹۲۷ء، ۹۲۸ء، ۹۲۹ء، ۹۳۰ء، ۹۳۱ء، ۹۳۲ء، ۹۳۳ء، ۹۳۴ء، ۹۳۵ء، ۹۳۶ء، ۹۳۷ء، ۹۳۸ء، ۹۳۹ء، ۹۴۰ء، ۹۴۱ء، ۹۴۲ء، ۹۴۳ء، ۹۴۴ء، ۹۴۵ء، ۹۴۶ء، ۹۴۷ء، ۹۴۸ء، ۹۴۹ء، ۹۵۰ء، ۹۵۱ء، ۹۵۲ء، ۹۵۳ء، ۹۵۴ء، ۹۵۵ء، ۹۵۶ء، ۹۵۷ء، ۹۵۸ء، ۹۵۹ء، ۹۶۰ء، ۹۶۱ء، ۹۶۲ء، ۹۶۳ء، ۹۶۴ء، ۹۶۵ء، ۹۶۶ء، ۹۶۷ء، ۹۶۸ء، ۹۶۹ء، ۹۷۰ء، ۹۷۱ء، ۹۷۲ء، ۹۷۳ء، ۹۷۴ء، ۹۷۵ء، ۹۷۶ء، ۹۷۷ء، ۹۷۸ء، ۹۷۹ء، ۹۸۰ء، ۹۸۱ء، ۹۸۲ء، ۹۸۳ء، ۹۸۴ء، ۹۸۵ء، ۹۸۶ء، ۹۸۷ء، ۹۸۸ء، ۹۸۹ء، ۹۹۰ء، ۹۹۱ء، ۹۹۲ء، ۹۹۳ء، ۹۹۴ء، ۹۹۵ء، ۹۹۶ء، ۹۹۷ء، ۹۹۸ء، ۹۹۹ء، ۱۰۰۰ء، ۱۰۰۱ء، ۱۰۰۲ء، ۱۰۰۳ء، ۱۰۰۴ء، ۱۰۰۵ء، ۱۰۰۶ء، ۱۰۰۷ء، ۱۰۰۸ء، ۱۰۰۹ء، ۱۰۱۰ء، ۱۰۱۱ء، ۱۰۱۲ء، ۱۰۱۳ء، ۱۰۱۴ء، ۱۰۱۵ء، ۱۰۱۶ء، ۱۰۱۷ء، ۱۰۱۸ء، ۱۰۱۹ء، ۱۰۲۰ء، ۱۰۲۱ء، ۱۰۲۲ء، ۱۰۲۳ء، ۱۰۲۴ء، ۱۰۲۵ء، ۱۰۲۶ء، ۱۰۲۷ء، ۱۰۲۸ء، ۱۰۲۹ء، ۱۰۳۰ء، ۱۰۳۱ء، ۱۰۳۲ء، ۱۰۳۳ء، ۱۰۳۴ء، ۱۰۳۵ء، ۱۰۳۶ء، ۱۰۳۷ء، ۱۰۳۸ء، ۱۰۳۹ء، ۱۰۴۰ء، ۱۰۴۱ء، ۱۰۴۲ء، ۱۰۴۳ء، ۱۰۴۴ء، ۱۰۴۵ء، ۱۰۴۶ء، ۱۰۴۷ء، ۱۰۴۸ء، ۱۰۴۹ء، ۱۰۵۰ء، ۱۰۵۱ء، ۱۰۵۲ء، ۱۰۵۳ء، ۱۰۵۴ء، ۱۰۵۵ء، ۱۰۵۶ء، ۱۰۵۷ء، ۱۰۵۸ء، ۱۰۵۹ء، ۱۰۶۰ء، ۱۰۶۱ء، ۱۰۶۲ء، ۱۰۶۳ء، ۱۰۶۴ء، ۱۰۶۵ء، ۱۰۶۶ء، ۱۰۶۷ء، ۱۰۶۸ء، ۱۰۶۹ء، ۱۰۷۰ء، ۱۰۷۱ء، ۱۰۷۲ء، ۱۰۷۳ء، ۱۰۷۴ء، ۱۰۷۵ء، ۱۰۷۶ء، ۱۰۷۷ء، ۱۰۷۸ء، ۱۰۷۹ء، ۱۰۸۰ء، ۱۰۸۱ء، ۱۰۸۲ء، ۱۰۸۳ء، ۱۰۸۴ء، ۱۰۸۵ء، ۱۰۸۶ء، ۱۰۸۷ء، ۱۰۸۸ء، ۱۰۸۹ء، ۱۰۹۰ء، ۱۰۹۱ء، ۱۰۹۲ء، ۱۰۹۳ء، ۱۰۹۴ء، ۱۰۹۵ء، ۱۰۹۶ء، ۱۰۹۷ء، ۱۰۹۸ء، ۱۰۹۹ء، ۱۱۰۰ء، ۱۱۰۱ء، ۱۱۰۲ء، ۱۱۰۳ء، ۱۱۰۴ء، ۱۱۰۵ء، ۱۱۰۶ء، ۱۱۰۷ء، ۱۱۰۸ء، ۱۱۰۹ء، ۱۱۱۰ء، ۱۱۱۱ء، ۱۱۱۲ء، ۱۱۱۳ء، ۱۱۱۴ء، ۱۱۱۵ء، ۱۱۱۶ء، ۱۱۱۷ء، ۱۱۱۸ء، ۱۱۱۹ء، ۱۱۲۰ء، ۱۱۲۱ء، ۱۱۲۲ء، ۱۱۲۳ء، ۱۱۲۴ء، ۱۱۲۵ء، ۱۱۲۶ء، ۱۱۲۷ء، ۱۱۲۸ء، ۱۱۲۹ء، ۱۱۳۰ء، ۱۱۳۱ء، ۱۱۳۲ء، ۱۱۳۳ء، ۱۱۳۴ء، ۱۱۳۵ء، ۱۱۳۶ء، ۱۱۳۷ء، ۱۱۳۸ء، ۱۱۳۹ء، ۱۱۴۰ء، ۱۱۴۱ء، ۱۱۴۲ء، ۱۱۴۳ء، ۱۱۴۴ء، ۱۱۴۵ء، ۱۱۴۶ء، ۱۱۴۷ء، ۱۱۴۸ء، ۱۱۴۹ء، ۱۱۵۰ء، ۱۱۵۱ء، ۱۱۵۲ء، ۱۱۵۳ء، ۱۱۵۴ء، ۱۱۵۵ء، ۱۱۵۶ء، ۱۱۵۷ء، ۱۱۵۸ء، ۱۱۵۹ء، ۱۱۶۰ء، ۱۱۶۱ء، ۱۱۶۲ء، ۱۱۶۳ء، ۱۱۶۴ء، ۱۱۶۵ء، ۱۱۶۶ء، ۱۱۶۷ء، ۱۱۶۸ء، ۱۱۶۹ء، ۱۱۷۰ء، ۱۱۷۱ء، ۱۱۷۲ء، ۱۱۷۳ء، ۱۱۷۴ء، ۱۱۷۵ء، ۱۱۷۶ء، ۱۱۷۷ء، ۱۱۷۸ء، ۱۱۷۹ء، ۱۱۸۰ء، ۱۱۸۱ء، ۱۱۸۲ء، ۱۱۸۳ء، ۱۱۸۴ء، ۱۱۸۵ء، ۱۱۸۶ء، ۱۱۸۷ء، ۱۱۸۸ء، ۱۱۸۹ء، ۱۱۹۰ء، ۱۱۹۱ء، ۱۱۹۲ء، ۱۱۹۳ء، ۱۱۹۴ء، ۱۱۹۵ء، ۱۱۹۶ء، ۱۱۹۷ء، ۱۱۹۸ء، ۱۱۹۹ء، ۱۲۰۰ء، ۱۲۰۱ء، ۱۲۰۲ء، ۱۲۰۳ء، ۱۲۰۴ء، ۱۲۰۵ء، ۱۲۰۶ء، ۱۲۰۷ء، ۱۲۰۸ء، ۱۲۰۹ء، ۱۲۱۰ء، ۱۲۱۱ء، ۱۲۱۲ء، ۱۲۱۳ء، ۱۲۱۴ء، ۱۲۱۵ء، ۱۲۱۶ء، ۱۲۱۷ء، ۱۲۱۸ء، ۱۲۱۹ء، ۱۲۲۰ء، ۱۲۲۱ء، ۱۲۲۲ء، ۱۲۲۳ء، ۱۲۲۴ء، ۱۲۲۵ء، ۱۲۲۶ء، ۱۲۲۷ء، ۱۲۲۸ء، ۱۲۲۹ء، ۱۲۳۰ء، ۱۲۳۱ء، ۱۲۳۲ء، ۱۲۳۳ء، ۱۲۳۴ء، ۱۲۳۵ء، ۱۲۳۶ء، ۱۲۳۷ء، ۱۲۳۸ء، ۱۲۳۹ء، ۱۲۴۰ء، ۱۲۴۱ء، ۱۲۴۲ء، ۱۲۴۳ء، ۱۲۴۴ء، ۱۲۴۵ء، ۱۲۴۶ء، ۱۲۴۷ء، ۱۲۴۸ء، ۱۲۴۹ء، ۱۲۵۰ء، ۱۲۵۱ء، ۱۲۵۲ء، ۱۲۵۳ء، ۱۲۵۴ء، ۱۲۵۵ء، ۱۲۵۶ء، ۱۲۵۷ء، ۱۲۵۸ء، ۱۲۵۹ء، ۱۲۶۰ء، ۱۲۶۱ء، ۱۲۶۲ء، ۱۲۶۳ء، ۱۲۶۴ء، ۱۲۶۵ء، ۱۲۶۶ء، ۱۲۶۷ء، ۱۲۶۸ء، ۱۲۶۹ء، ۱۲۷۰ء، ۱۲۷۱ء، ۱۲۷۲ء، ۱۲۷۳ء، ۱۲۷۴ء، ۱۲۷۵ء، ۱۲۷۶ء، ۱۲۷۷ء، ۱۲۷۸ء، ۱۲۷۹ء، ۱۲۸۰ء، ۱۲۸۱ء، ۱۲۸۲ء، ۱۲۸۳ء، ۱۲۸۴ء، ۱۲۸۵ء، ۱۲۸۶ء، ۱۲۸۷ء، ۱۲۸۸ء، ۱۲۸۹ء، ۱۲۹۰ء، ۱۲۹۱ء، ۱۲۹۲ء، ۱۲۹۳ء، ۱۲۹۴ء، ۱۲۹۵ء، ۱۲۹۶ء، ۱۲۹۷ء، ۱۲۹۸ء، ۱۲۹۹ء، ۱۳۰۰ء، ۱۳۰۱ء، ۱۳۰۲ء، ۱۳۰۳ء، ۱۳۰۴ء، ۱۳۰۵ء، ۱۳۰۶ء، ۱۳۰۷ء، ۱۳۰۸ء، ۱۳۰۹ء، ۱۳۱۰ء، ۱۳۱۱ء، ۱۳۱۲ء، ۱۳۱۳ء، ۱۳۱۴ء، ۱۳۱۵ء، ۱۳۱۶ء، ۱۳۱۷ء، ۱۳۱۸ء، ۱۳۱۹ء، ۱۳۲۰ء، ۱۳۲۱ء، ۱۳۲۲ء، ۱۳۲۳ء، ۱۳۲۴ء، ۱۳۲۵ء، ۱۳۲۶ء، ۱۳۲۷ء، ۱۳۲۸ء، ۱۳۲۹ء، ۱۳۳۰ء، ۱۳۳۱ء، ۱۳۳۲ء، ۱۳۳۳ء، ۱۳۳۴ء، ۱۳۳۵ء، ۱۳۳۶ء، ۱۳۳۷ء، ۱۳۳۸ء، ۱۳۳۹ء، ۱۳۴۰ء، ۱۳۴۱ء، ۱۳۴۲ء، ۱۳۴۳ء، ۱۳۴۴ء، ۱۳۴۵ء، ۱۳۴۶ء، ۱۳۴۷ء، ۱۳۴۸ء، ۱۳۴۹ء، ۱۳۵۰ء، ۱۳۵۱ء، ۱۳۵۲ء، ۱۳۵۳ء، ۱۳۵۴ء، ۱۳۵۵ء، ۱۳۵۶ء، ۱۳۵۷ء، ۱۳۵۸ء، ۱۳۵۹ء، ۱۳۶۰ء، ۱۳۶۱ء، ۱۳۶۲ء، ۱۳۶۳ء، ۱۳۶۴ء، ۱۳۶۵ء، ۱۳۶۶ء، ۱۳۶۷ء، ۱۳۶۸ء، ۱۳۶۹ء، ۱۳۷۰ء، ۱۳۷۱ء، ۱۳۷۲ء، ۱۳۷۳ء، ۱۳۷۴ء، ۱۳۷۵ء، ۱۳۷۶ء، ۱۳۷۷ء، ۱۳۷۸ء، ۱۳۷۹ء، ۱۳۸۰ء، ۱۳۸۱ء، ۱۳۸۲ء، ۱۳۸۳ء، ۱۳۸۴ء، ۱۳۸۵ء، ۱۳۸۶ء، ۱۳۸۷ء، ۱۳۸۸ء، ۱۳۸۹ء، ۱۳۹۰ء، ۱۳۹۱ء، ۱۳۹۲ء، ۱۳۹۳ء، ۱۳۹۴ء، ۱۳۹۵ء، ۱۳۹۶ء، ۱۳۹۷ء، ۱۳۹۸ء، ۱۳۹۹ء، ۱۴۰۰ء، ۱۴۰۱ء، ۱۴۰۲ء، ۱۴۰۳ء، ۱۴۰۴ء، ۱۴۰۵ء، ۱۴۰۶ء، ۱۴۰۷ء، ۱۴۰۸ء، ۱۴۰۹ء، ۱۴۱۰ء، ۱۴۱۱ء، ۱۴۱۲ء، ۱۴۱۳ء، ۱۴۱۴ء، ۱۴۱۵ء، ۱۴۱۶ء، ۱۴۱۷ء، ۱۴۱۸ء، ۱۴۱۹ء، ۱۴۲۰ء، ۱۴۲۱ء، ۱۴۲۲ء، ۱۴۲۳ء، ۱۴۲۴ء، ۱۴۲۵ء، ۱۴۲۶ء، ۱۴۲۷ء، ۱۴۲۸ء، ۱۴۲۹ء، ۱۴۳۰ء، ۱۴۳۱ء، ۱۴۳۲ء، ۱۴۳۳ء، ۱۴۳۴ء، ۱۴۳۵ء، ۱۴۳۶ء، ۱۴۳۷ء، ۱۴۳۸ء، ۱۴۳۹ء، ۱۴۴۰ء، ۱۴۴۱ء، ۱۴۴۲ء، ۱۴۴۳ء، ۱۴۴۴ء، ۱۴۴۵ء، ۱۴۴۶ء، ۱۴۴۷ء، ۱۴۴۸ء، ۱۴۴۹ء، ۱۴۵۰ء، ۱۴۵۱ء، ۱۴۵۲ء، ۱۴۵۳ء، ۱۴۵۴ء، ۱۴۵۵ء، ۱۴۵۶ء، ۱۴۵۷ء، ۱۴۵۸ء، ۱۴۵۹ء، ۱۴۶۰ء، ۱۴۶۱ء، ۱۴۶۲ء، ۱۴۶۳ء، ۱۴۶۴ء، ۱۴۶۵ء، ۱۴۶۶ء، ۱۴۶۷ء، ۱۴۶۸ء، ۱۴۶۹ء، ۱۴۷۰ء، ۱۴۷۱ء، ۱۴۷۲ء، ۱۴۷۳ء، ۱۴۷۴ء، ۱۴۷۵ء، ۱۴۷۶ء، ۱۴۷۷ء، ۱۴۷۸ء، ۱۴۷۹ء، ۱۴۸۰ء، ۱۴۸۱ء، ۱۴۸۲ء، ۱۴۸۳ء، ۱۴۸۴ء، ۱۴۸۵ء، ۱۴۸۶ء، ۱۴۸۷ء، ۱۴۸۸ء، ۱۴۸۹ء، ۱۴۹۰ء، ۱۴۹۱ء، ۱۴۹۲ء، ۱۴۹۳ء، ۱۴۹۴ء، ۱۴۹۵ء، ۱۴۹۶ء، ۱۴۹۷ء، ۱۴۹۸ء، ۱۴۹۹ء، ۱۵۰۰ء، ۱۵۰۱ء، ۱۵۰۲ء، ۱۵۰۳ء، ۱۵۰۴ء، ۱۵۰۵ء، ۱۵۰۶ء، ۱۵۰۷ء، ۱۵۰۸ء، ۱۵۰۹ء، ۱۵۱۰ء، ۱۵۱۱ء، ۱۵۱۲ء، ۱۵۱۳ء، ۱۵۱۴ء، ۱۵۱۵ء، ۱۵۱۶ء، ۱۵۱۷ء، ۱۵۱۸ء، ۱۵۱۹ء، ۱۵۲۰ء، ۱۵۲۱ء، ۱۵۲۲ء، ۱۵۲۳ء، ۱۵۲۴ء، ۱۵۲۵ء، ۱۵۲۶ء، ۱۵۲۷ء، ۱۵۲۸ء، ۱۵۲۹ء، ۱۵۳۰ء، ۱۵۳۱ء، ۱۵۳۲ء، ۱۵۳۳ء، ۱۵۳۴ء، ۱۵۳۵ء، ۱۵۳۶ء، ۱۵۳۷ء، ۱۵۳۸ء، ۱۵۳۹ء، ۱۵۴۰ء، ۱۵۴۱ء، ۱۵۴۲ء، ۱۵۴۳ء، ۱۵۴۴ء، ۱۵۴۵ء، ۱۵۴۶ء، ۱۵۴۷ء، ۱۵۴۸ء، ۱۵۴۹ء، ۱۵۵۰ء، ۱۵۵۱ء، ۱۵۵۲ء، ۱۵۵۳ء، ۱۵۵۴ء، ۱۵۵۵ء، ۱۵۵۶ء، ۱۵۵۷ء، ۱۵۵۸ء، ۱۵۵۹ء، ۱۵۶۰ء، ۱۵۶۱ء، ۱۵۶۲ء، ۱۵۶۳ء، ۱۵۶۴ء، ۱۵۶۵ء، ۱۵۶۶ء، ۱۵۶۷ء، ۱۵۶۸ء، ۱۵۶۹ء، ۱۵۷۰ء، ۱۵۷۱ء، ۱۵۷۲ء، ۱۵۷۳ء، ۱۵۷۴ء، ۱۵۷۵ء، ۱۵۷۶ء، ۱۵۷۷ء، ۱۵۷۸ء، ۱۵۷۹ء، ۱۵۸۰ء، ۱۵۸۱ء، ۱۵۸۲ء، ۱۵۸۳ء، ۱۵۸۴ء، ۱۵۸۵ء، ۱۵۸۶ء، ۱۵۸۷ء، ۱۵۸۸ء، ۱۵۸۹ء، ۱۵۹۰ء، ۱۵۹۱ء، ۱۵۹۲ء، ۱۵۹۳ء، ۱۵۹۴ء، ۱۵۹۵ء، ۱۵۹۶ء، ۱۵۹۷ء، ۱۵۹۸ء، ۱۵۹۹ء، ۱۶۰۰ء، ۱۶۰۱ء، ۱۶۰۲ء، ۱۶۰۳ء، ۱۶۰۴ء، ۱۶۰۵ء، ۱۶۰۶ء، ۱۶۰۷ء، ۱۶۰۸ء، ۱۶۰۹ء، ۱۶۱۰ء، ۱۶۱۱ء، ۱۶۱۲ء، ۱۶۱۳ء، ۱۶۱۴ء، ۱۶۱۵ء، ۱۶۱۶ء، ۱۶۱۷ء، ۱۶۱۸ء، ۱۶۱۹ء، ۱۶۲۰ء، ۱۶۲۱ء، ۱۶۲۲ء، ۱۶۲۳ء، ۱۶۲۴ء، ۱۶۲۵ء، ۱۶۲۶ء، ۱۶۲۷ء، ۱۶۲۸ء، ۱۶۲۹ء، ۱۶۳۰ء، ۱۶۳۱ء، ۱۶۳۲ء، ۱۶۳۳ء، ۱۶۳۴ء، ۱۶۳۵ء، ۱۶۳۶ء، ۱۶۳۷ء، ۱۶۳۸ء، ۱۶۳۹ء، ۱۶۴۰ء، ۱۶۴۱ء، ۱۶۴۲ء، ۱۶۴۳ء، ۱۶۴۴ء، ۱۶۴۵ء، ۱۶۴۶ء، ۱۶۴۷ء، ۱۶۴۸ء، ۱۶۴۹ء، ۱۶۵۰ء، ۱۶۵۱ء، ۱۶۵۲ء، ۱۶۵۳ء، ۱۶۵۴ء، ۱۶۵۵ء، ۱۶۵۶ء، ۱۶۵۷ء،

اسی دور میں کانچی میں آیا، اس عہد کی قدیم یادگار مال پورم کے سات مندر ہیں جو آج کل دھرم راج رتھ کہے جاتے ہیں، بلو خاندان کے آخری راجہ دوسری بڑی سلطنتوں کے باج گزار بن گئے، تیسرے صدی تک ان کی حکمرانی رہی، یوں چھوٹے امر استرھویں صدی تک پائے گئے ہیں اس کے بعد یلو کا امتیازی نام ختم ہو گیا۔ اور وہ کلر، پٹی اور دلال تھیں میں منم ہو گئے۔

پد کوئی کی باج گزار ریاست کا راجہ جو کلر قبیلہ کا مسلم سردار ہے۔ اب تک اپنے کورہمہ پتو کستا ہے، اور اسی قدیم شاہی خاندان کی اولاد میں سے ہونے کا دعویٰ دے رہا ہے، اور وہ بھی ان کے اس دعوے کی تاریخی اور معاشرتی عادات و خصائل کی بنیاد پر تصدیق و تائید کرتے ہیں، اس طرح اگرچہ اسلامی فتوحات کا سیلاب اس خاندان کا خاتمہ نہ کر سکا، لیکن اسلام کے روحانی اثرات سے وہ بے نیاز نہ رہ سکا۔ جس کی حکومت صرف جسم اور ملک پر نہیں دل، دماغ، ضمیر اور عقیدہ پر چھا جاتی ہے

۱۔ تہذیب و تاریخ ہند آئندہ ص ۶۸۲ و ۷۱۴ تا ۷۲۲، ہند کا قدیم مرتع تیار کرنے میں آستھ کا ضخیم قدیم تاریخ ہند،

تاریخ ہند و تہذیب شاہی ادوا کٹھورہ ہسٹری آف انڈیا خاص طور پر سائے رہی،

ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت سے پہلے

— — — — — کی — — — — —

پُر امن اسلامی نوآبادیاں

ہندوستان میں اسلام کے روحانی فتوحات کے اثرات کے مظاہر یہاں مسلمانوں کے کئی فتوحات سے زیادہ روشن اور نتیجہ خیز رہے ہیں۔ اگرچہ قدیم ہند کی سیاسیات اور سلطنتوں کے مروجہ ذروال اور مختلف قدیم حکومتوں کے خاتمہ کے ضمن میں ہندوستان سے مسلمانوں کی دستیابی کا ذکر جیسا کہ اوپر گزرا تاریخ میں کشور کشاؤں کے لباس میں آتا ہو لیکن دراصل ہندوستان میں مسلمانوں کے داخلہ کا تعلق ان کشور کشاؤں سے نہ تھا، بلکہ ان کے فائقانہ داخلہ سے بہت پہلے اسلام کا پیام اس دیار میں پہنچ چکا تھا اور اپنے غیر فانی نقوش وہ قائم کر چکا تھا، جس طرح آریوں کے مختلف قافلے ہندوستان میں مختلف ہوتیوں پر آتے رہے، اسی طرح عربوں اور ترکوں کے قافلے بھی جو اسلام قبول کر چکے تھے، سرزمین ہند میں آئے اور یہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے سے پہلے رہ گئے ہیں مسلمانوں کی یہ پہلی نوآبادیاں شمالی و جنوبی ہند دونوں میں قائم ہوئیں اور ان کے مستند تذکرے تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں، اگرچہ وہ اتنے روشن نہیں، کہ مغربی مصنفین اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہندوستانی مورخین کی نگاہ میں آسکے ہوں، چنانچہ جنوبی ہند کی تاریخ کے محقق سٹر سندھام پٹے جوڑا و نکور کے باشندے ہیں۔ اپنے حصہ ملک کے متعلق لکھتے ہیں :-

” یہاں اسلامی فتوحات کے سہلاب کا بہت کم اثر پڑا ہے، وہاں بے سببہ

ایا ہو کہ ہندوستان بھر میں ہیں کئی بیرونی اثر نے کام نہیں کیا اور ہیں ہندوستان کو دینی حیثیت میں دیکھا جاسکتا ہو، ... جہاں ہندوستان کے قدیم ترین اقوام کے مذہب، قوانین، رسوم، اور ادھارے اور اطوار کے زندہ جاوید نمونے موجود ہیں۔

حالات کہ یہی علاقہ جو لائق محقق کے خیال میں "بیرونی اثرات" سے محفوظ رہا، عربوں کے اثر سے سب سے پہلے متاثر ہوا۔ یوں تو "عرب و ہند کے تعلقات" کا سراغ عہد قدیم سے لگایا گیا ہو، اور اس موضوع پر محققانہ مستقل تصنیف چھپ چکی ہو، اور عہد قدیم میں ان دونوں کے تجارتی، علمی اور مذہبی تعلقات کا تفصیلی مرتع ہماری نگاہوں کے سامنے آچکا ہو، لیکن عرب میں ظہور اسلام کے بعد جو دور آیا۔ اس کے مذہبی و اخلاقی انقلاب کے اثرات بھی ان ہی واسطوں سے جلد سے جلد بیان پہنچ گئے اور اس کا زمانہ درہ خیبر سے آنے والے کشور کشاؤں سے صدیوں پہلے گزرا ہو، تیسری صدی ہجری (نویں صدی عیسوی) کے ایسے عرب سیاحوں اور تاجروں کے سفر نامے اور جغرافیہ کی کتابوں میں ہندوستان کے تعلق موجود ہیں جو ہندوستان میں آتے جاتے رہے، سلیمان تاجر (۲۳۷ھ) ابن خرداد بہ (۲۵۷ھ) ابو یوسف سیرانی (۲۶۴ھ) بزرگ بن شہریار۔

(۲۸۳ھ) ابو دلف سمر بن سہلم (۳۳۱ھ) مسعودی (۳۴۳ھ) مسطوری (۳۴۷ھ) ابن حوقل (۳۳۵ھ) بشاری مقدسی (۳۵۷ھ) البیرونی (۳۷۷ھ) اور ابن بطوطہ (۷۱۳ھ) کے قلم کی ایسی دستاویزیں ہمارے ہاتھوں میں موجود ہیں جن کے معلومات و مباحث و بیانات ہندوستان کے قدیم کے چینی سیاحوں سے زیادہ اہم اور کارآمد ہیں، لیکن یورپ کے مورخین نے ہندوستان کی تاریخ کی ترتیب میں ان پر نگاہ نہیں ڈالی، اس لیے ابھی تک وہ ایسے روشناس نہیں کہ ان کے معلومات سے ہندوستان کی تاریخ کی کڑیاں صحیح طور پر ملائی جاسکیں۔

عرب، تاجران اور جغرافیہ نویسوں کی ان اہم تعلیمات میں ہندوستان کی تاریخ کا پیشہ باز خزانہ موجود ہو۔ زمانہ حال میں ہندوستان کے مسلمان مورخین نے ان پر

توجہ کی ہو، اور توقع ہو کہ ان کے ہاتھوں سے تاریخ ہند کی نئی کڑیاں جڑ جائیں گی، ان عرب محققین کی تصنیفات میں ہندوستان کی ان پُرانی آبادیوں کا ذکر تفصیل سے کیا ہو، جو اسلامی حملوں سے پہلے یہاں قائم ہو چکی تھیں، اور اپنے مذہب، روحانی اور اخلاقی اثرات سے یہاں کے باشندوں کو متاثر کرتی رہیں اور اس زمانہ کے برہمنی، بودھی اور جینی راجاؤں نے ان کا اور ان کے معتقدات کا احترام کیا، امدان سے نئی باتیں سکھیں اور ہندو والوں کو سکھائیں۔

لنکا | ہندوستان میں پرہن آبادیوں کا آغاز جزیرۂ سرندیپ لنکا سے ہوا۔ جہاں مسلمان درویش قدم آدم کی زیارت کے لیے پہلی مرتبہ آئے، یہ ساتویں صدی کے آغاز میں سنہ ۶۰۵ء کا واقعہ ہو، یہاں ٹٹل کی آمد دینت اسلام کے پہلے سے قائم تھی، اس لیے اسلام کے ظہور کے ساتھ ہی ان ہی عربوں کی زبانی سراندیپ کے راجہ اور عوام کو اسلام لے کر لائے، مسلمانوں کا حال سب سے پہلے معلوم ہوا، اور فرشتہ کا بیان تو یہ ہو کہ اس بودھ مت کے پیرو راجہ نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا، بہر حال اس کا میلان مسلمانوں کی طرف غیر معمولی بہمدانہ تھا اور عجائب الہند کے مصنف کے بقول اس نے تحقیق حال کے لیے عرب میں اپنے سفیر بھی بھیجے تھے جن میں سے ایک واپس آسکا، اور اس نے یہاں متبع حالات بیان کئے بلا ذکر (سنہ ۶۰۵ء) کا بیان ہو کہ یہاں کے حکمران نے ان مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کو پہلی صدی ہجری میں عراق روانہ کیا جن کے باپ اس جزیرہ میں تجارت کرتے تھے اور بے ولی و غار تھے جو ڈر کر گئے تھے، یہ لنکا میں مسلمانوں کی پہلی نو آبادی تھی۔

مالدیپ | مسلمانوں کا دوسرا مرکز جزیرۂ مالدیپ تھا۔ یہاں بہت پہلے سے اسلامی نو آبادی قائم ہوئی، اس پر کبھی فوج کشی نہیں کی گئی۔ مگر آٹھویں صدی ہجری میں اس جزیرہ کے سارے رہنے والے خواہ عرب ہوں، یا دیسی باشندے مسلمان تھے جو شیخ ابوالبرکات کے ہاتھ پر یہاں کے آخری راجہ شنورازہ کے اسلام قبول کرنے پر مسلمان ہو گئے تھے۔ اس نو مسلم راجہ نے یہاں کی مسجد پر یہ کتبہ کندہ کرایا،

”سلطان احمد شہزادہ ابوالبرکات مغربی کے ہاتھ پر سلطان ہو ا“

اس وقت سے آج تک یہاں مسلمان ہی آباد ہیں،

مالا بار | مسلمانوں کا تیسرا مرکز وہی خطہ مالا بار ہی، جس کا ذکر اوپر گزرا، یہاں عرب تاجروں کی آمدورفت پہلے سے قائم تھی، مسلمان درویشوں کا پہلا قافلہ تیسری صدی ہجری کے شروع میں کدنگا نور میں اترا، یہاں کا حکمران ”زید“ اسلام کے متعلق پہلے سے کچھ حال سن چکا تھا، مسلمان درویش اس کی دعوت پر سرانندی سے وہیں آئے اور اسلام کی حقیقت کو ایسے موثر انداز میں بیان کیا کہ راجہ اسلام کی طرف مائل ہو گیا۔ اس نے اپنے سرداروں سے کہا، وہ اب خدا کی یاد کرنا چاہتا ہے وہ ان درویشوں کے ساتھ عرب چلا گیا وہاں سے سرداروں کو خطوط لکھ کر دین کی تبلیغ اور اس کی حمایت کرنے کی دعوت دیتا رہا، عربوں نے یہاں سوداگری کا کاروبار شروع کیا، راجہ کی ہدایت کے مطابق یہاں کے حکمران پر دینی سوداگروں سے لطف و محبت سے پیش آئے مسجدیں تعمیر کی گئیں اور عرب متقل طور پر یہاں سے آنے جلنے اور رہنے سہنے لگے، پھر تحفہ المجاہدین کا مصنف لکھتا ہے،

”اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئے شہر آباد ہو گئے، مسلمانوں کی تجارت سے ان کی

آبادی بڑھ گئی۔ یہاں کے سردار اور راجہ مسلمانوں پر سختیاں کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔۔۔۔۔

وہ مسلمانوں کے مذہب اور شائر کا بہت پاس و لحاظ رکھتے ہیں۔ بت پرستوں اور

مسلمانوں کے اس اتحاد سے تعجب ہوتا ہے، کہ مسلمانوں کی تعداد کل آبادی کا دسواں

حصہ بھی نہیں، علیبار کے ہندو راجاؤں کا برتاؤ مسلمانوں کے ساتھ عزت

اور سہرا دانی کا ہے، کیونکہ ان کے ملک میں زیادہ شہروں کا آباد ہو جانا انھیں مسلمان

تاجروں کی بود و باش کا نتیجہ ہے“

مالا بار کے یہی مسلمان عرب تاجر اور سوداگر اور تارکین وطن ہیں جو مہاجرات اور نائیت کے ناموں سے ہندوستان میں شہرہ ہیں اور جن کے ہاتھوں میں پرگنیز یوں سے پہلے ملک مند کی باگ تھی

لے وہ ابن بطوطہ ص ۷۷ تحفۃ المجاہدین بحوالہ دعوت اسلام ص ۲۸۲ - ۲۸۳ لے عبدعزیز

ٹراونکور | اسی طرح خاص ٹراونکور کے شہر کو لم میں مسلمانوں کا ایک محلہ آباد تھا جس میں ان کی جامع مسجد بھی تھی۔

کارو منڈل | جنوبی ہند میں مسلمانوں کی جو تھی نوآبادی کارو منڈل (ممبر، میں قائم ہوئی، یہاں مسلمانوں نے دوسری نوآبادیوں کے خلاف اور مملکت میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ ساتویں صدی ہجری میں یہاں کا دیوان سند پانڈے راجہ بن بیٹھا، اور ملک تقی الدین بن عبدالرحمن بھی اس راجہ کا دیر و مشیر خاص مقرر ہوا۔ تقی الدین کے بھائی، جمال الدین ابراہیم سے ۱۲ سو عربی گھوڑے ہر سفر میں لاکر دینے کا عاہدہ قائم تھا، سند پانڈے کی وفات کے بعد یہ سلطنت اس کے مشیروں اور نائبوں میں بٹ گئی اور جمال الدین وزارت کی سند پر آگیا، مارکو پو اس کے بعد یہاں آیا۔ اس نے گھوڑوں کے یہاں لانے کا ذکر کیا ہے۔ جنوبی ہند پر علاؤ الدین خلجی کا حملہ اس کے بعد ہوا، اس موقع پر یہ بات بھلائی نہ جائے گی، کہ خلجی کی ترکی فوج کے مقابلہ میں راجہ کی جو فوج لڑی اس میں عراقی و عرب مسلمان بھی تھے اس طرح سمندر کی راہ سے آنے والے مسلمانوں نے درہ خیبر سے آنے والے ترکی مسلمانوں کا پہلی مرتبہ ہند کی سرزمین پر ہندو راجا کی طرف سے ”ہندو حکومت“ کی حمایت میں تلوار جلائی، خسرو نے خزانہ مفتوح میں ان مسلمان مددگار کو بڑا بھلا کہا ہے۔ مگر وہ عرب مسلمان اس حقیقت سے آگاہ تھے، کہ یہ کوئی مذہبی لڑائی نہیں تھی، یہ کشور کشائی کی جنگ تھی، اور اس کو خالص ملکی حیثیت حاصل تھی، عاہدہ کے رو سے وہ باندھے تھے کہ یہاں کی حکومت کی طرف سے حملہ آوروں کا مقابلہ کریں، چاہے وہ جس نسل اور عقیدہ کے لوگ ہو۔

گجرات و ممبئی | عربوں کا پانچواں مرکز گجرات، کا ٹھیا دار، کچھ اور ککن کا علاقہ تھا، جہاں دلچھرا کے یا عربوں کے محبوب راجہ بھرا کی حکومت تھی۔ سلیمان تاجر کے بیان کے مطابق یہاں کے راجاؤں سے مسلمان سوداگروں کے بڑے اچھے تعلقات قائم تھے،

یہاں عربوں کی آبادیاں کثرت سے قائم ہوئیں۔ اسی طرح طاقن دکنی دکن،
 کے حکمران بھی ان کے دوست تھے البتہ اگر گوہر حکمران سے اچھے تعلقات
 نہ تھے، بزرگ بن شہریار نے یہاں کی بہت سی مسلم نوآبادیوں کا ذکر کیا ہے۔
 محمد بن مسلم سیرانی میں سال تک تھانہ لمبی، میں مقیم رہا، جمپور میں بھی لوگ آباد تھے
 گوا کے راجہ کا شیر ایک مسلمان موسیٰ نامی تھا۔ گجرات میں مسلمانوں کے مقدمات
 کے فیصلہ کے لیے ایک مستقل مسلمان قاضی حکومت کی طرف سے رہتا تھا، اس کو مصطلح
 میں "ہنرند" کہتے تھے، مسلمانوں کے سارے مقدمات اسی کی عدالت میں جاتے تھے
 جمپور میں راجہ کی طرف سے عباس بن ماہا ہنر مند مقرر تھا، مسعودی ۳۰۴ھ میں
 جمپور آیا، وہ کہتا ہے، اس راجہ کی حکومت میں اسلام معزز اور محفوظ ہے مسلمانوں
 کی مسجدیں اور جامع مسجدیں بنی ہوئی ہیں۔ یہاں کے راجاؤں کا عقیدہ ہے کہ وہ
 چالیس چالیس پچاس پچاس برس اپنے اسی عدل و انصاف کی بدولت حکومت
 کرتے ہیں۔ جو وہ مسلمانوں کے ساتھ روادار رکھتے ہیں، مسعودی نے جمپور میں مسلمانوں کی
 آبادی دس ہزار لکھی ہے، جن میں سے بیشتر بیا سہرہ کے جاتے تھے، یہ عربی و ہند
 فوجوں کی ملی ہوئی نسل سے تھے اور ان کا مولد ہندستان تھا۔ ان کے علاوہ سیران
 عمان، بصرہ، اور بغداد وغیرہ کے لوگ آباد تھے، بیا سہرہ میں سے موسیٰ بن اسحق
 جیسے معزز سوداگر اور سعد بن زکریا ہنر مند جمپور وغیرہ تھے، اسی طرح تھانہ (نزد لمبی)،
 میں کثیر ہندو آبادی کے ساتھ مسلمانوں کی نوآبادی بھی قائم تھی، اسی طرح کھمبایت
 میں مسلمانوں کی آبادی اور مسجدیں اسلامی حملہ کے پہلے سے قائم تھیں۔ جن میں امام
 خلیفہ مقرر تھے۔ ابن حوقل نے کھمبایت سے جمپور تک کے وسیع علاقہ میں کثیر ہندو
 آبادی کے ساتھ منشر اسلامی آبادیوں کا ہونا اور ان میں جامع مسجدوں اور پھران میں

۱۰ سلیمان، ج ۲۶، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹

علی الاعلان اذان کا دیا جانا بیان کیا ہے۔ اسی طرح ابن بطوطہ نے دہلی سے
 کہہ پایت اودوہاں سے کاردمندل کا سفر کیا تھا۔ یہ پورا علاقہ اس وقت تک
 اسلامی حکمرانی سے خالی تھا، مگر اسلامی آبادیاں بھی جوئی اور عالی شان مسجدیں آباد
 تھیں۔ اسی طرح محادی اور گندھار جو بھروج کے بندرگاہ تھے مسلمانوں سے آباد تھے
 یہاں کے ہندو راجہ جالبینی کے درباریوں اور افسروں میں بھی داخل تھے۔ اس علاقہ
 میں ہیرم، گوگہ، چنداپور، اور ہنور (نزدیکی) ایسے مقامات تھے، جو مسلسل چھوٹے
 چھوٹے مسلمان امیروں کی حکومت میں تھے اور ہندو راجاؤں کو ان سے کوئی پرغاش
 نہ تھی، حالانکہ اگر وہ چاہتے تو چشم زدن میں انہیں بے دخل کر سکتے تھے۔

چند دیگر علاقے | اسی طرح اس نے لمبیار، ابی سرور، پانگور، منگلور، ہیلی
 جوہن، دھن، بدھن، پنڈارانی، کالی کٹ، کولم، جالبیات، مالدیپ، ہیلین
 گالی، کاردمندل، دوار سندھ اور دجیانگو کی پر رونق اسلامی آبادیاں، ہندوں
 اور مسلمانوں کے خوش گوار تعلقات، مسلمانوں کی خوش حالی، اور عالی شان مسجدوں،
 خانقاہوں، وغیرہ کا ذکر تفصیل سے کیا ہے، دجیانگو میں آخردور میں ہندوؤں کی مضبوط
 و مستحکم حکومت قائم تھی جس نے سلطان بہمنی کو دریائے کرشنا پار ہونے نہیں دیا مگر کتنے
 تعجب کی بات ہے کہ اس زمانہ میں بھی جب کہ مسلمان اگر ظاہری مذہب کے ناتہ سے جاتے
 تو مسلمانوں کی حکومت میں لوگ رہا کر سکتے تھے، بابینہ و دجیانگو کی فوج میں دس ہزار
 مسلمان موجود تھے۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ دجیانگو کے راجہ ان مسلمان سپاہیوں کی
 عزت کرتے تھے، ان کے لیے مسجدیں تعمیر کرا دی تھیں۔ اور قرآن مجید کا احترام کرتے تھے۔

سندھ | سندھ کو مسلمانوں نے پہلی صدی کے آخوں میں فتح کیا۔ مگر اسلامی بستی
 یہاں اس سے بہت پہلے قائم ہو چکی تھی۔ چنانچہ پانچ سو عرب مسلمان ایک عرب سردار
 کی ماتحتی میں مکران سے بھاگ کر راجہ داہر کے یہاں چلے آئے تھے۔

کشمیر، کشمیر کے متعلق عام شہرت ہے کہ اس کو بادشاہوں کی تلواروں نے نہیں درویشوں کی تاشیروں نے فتح کیا، ساتویں صدی میں اسلام کا پیام ہمایہ مالک چین و تبت میں پہنچ چکا تھا۔ کشمیر کی مشہور تاریخ راج ترنگی کے بیان کے مطابق نویں صدی عیسوی میں مسلمان تاجریاں موجود تھیں اور سری نگر سے تیس میل پر ایک موضع میں مسلم نوآبادی کا ذکر دسویں صدی میں آیا ہے اور راجہ ہریش دیو کی فوج میں مسلمان افسر موجود تھے جب محمود کے حملہ کے بعد ۱۲۲۲ء میں مسعود نے اس پر حملہ کیا۔ تو قلعہ بند اہل شہر میں مسلمان تاجر بھی موجود تھے کشمیر کے ان درویشوں میں جن سے اسلام کا پیام کشمیر میں گھر گھر پہنچا، حضرت بیل شاہ کا نام پہلے آتا ہے جو بارہ سو مریدوں کے ساتھ ۱۲۹۵ء میں کشمیر کی وادی میں داخل ہوئے۔ اور ان کے اثر سے ۱۳۲۵ء میں یہاں کے راجہ رتھو نے اسلام قبول کر لیا اور پھر لوگ جوق جوق مسلمان ہونے لگے، پھر شہاب الدین کے زمانہ میں حضرت سید حسین سمنانی اور قطب الدین کے دور میں حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کشمیر میں تشریف لائے تو اس تیزی سے اسلام پھیلنا کہ کہا جاتا ہے کہ پورے کشمیر میں صرف گیارہ خاندان ایسے باقی رہ گئے جو اپنے آبائی مذہب پر قائم تھے۔

پنجاب و صوبہ سرحد | یوں تو سندھ اور ملتان کے اثر سے پنجاب میں اسلام کی روشنی ساتویں صدی عیسوی ہی میں پہنچ چکی تھی اور تاجروں کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی، پھر نویں صدی میں سیوان کے راجہ جو موجودہ پنجاب و صوبہ سرحد میں سے کسی مقام پر دہلی سے سو فرخ پر واقع تھا، کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ پیش آیا اس کا لڑکا سچاریوں کی دعاؤں اور پیشین گوئیوں کے خلاف زندہ نہ رہ سکا تھا۔ اس صدمہ سے وہ ہندومت سے برگشتہ ہوا اور مسلمان مبلغین کو بلا کر اسلام

نہ اسلامی نوآبادیوں کی تحقیق کے سلسلہ میں عرب و ہند کے تعلقات صفحہ ۲۵ تا ۳۰۱ دیکھئے
 راج ترنگی ص ۶۳، ۶۵، ۷۲ درجہ رستہ کشمیر ص ۶۹، ۷۴، ۷۵، ۷۶ فرشتہ ج ۱ ص ۴۱
 ۳۵ آؤم کشمیر ص ۱۷، درجہ رستہ کشمیر ص ۶۷، ۶۸

تو وہ اپنے بھائی کے حق میں حکومت سے دست بردار ہو جائے۔ عالی ظرف شہزادوں نے اس کے جواب میں کہا کہ راجہ کو اختیار ہے، وہ اپنا جو مذہب چاہے رکھے وہ ہر حال میں ہمارا بادشاہ ہی۔ اس کے بعد اس نے علانیہ دربار میں اپنا مذہب تبدیل کیا، اور بہت سے دوسرے ہندوؤں نے بھی اس کی پیروی کی، اس کے بعد اس نے اپنا نام جلال الدین محمد شاہ رکھا۔

اسلامی نوآبادیوں کے باشندے | شمالی اور جنوبی ہند میں اسلامی حکومتوں کے قتل سے پہلے اسلامی نوآبادیوں کی اس کثرت سے یہ شبہ نہ ہو کہ یہ سب کے سب باہر سے آئے ہوئے مسلمان تھے بلکہ اس میں تمام تر مسلمان فقیروں، درویشوں، صوفیوں اور عالموں کی ان دینی خدمتوں کے آثار تھے جو یکہ و تنہا پوری آبادی میں چلے جاتے یا داکھی میں مصروف رہتے، اور اپنے اسودہ عمل سے اس آبادی کو اپنا گردیدہ بناتے اور چند دنوں کے قیام کے بعد اس آبادی کی قلب ماہیت کو دیتے تھے۔ مسجدیں نمازیوں سے معمور ہو جاتیں، اسلام کے سچے مبلغین خود اس نوآبادی کے پرانے باشندوں میں سے نکلتے آتے وہ ان کے جانشین ہوتے اور وہ خود کسی اور آبادی کا رخ کرتے۔ اور اپنے مقصد کی تکمیل کرتے رہتے۔

ہمارے صوفیہ کرام کا یہی طریقہ عمل تھا جس سے دین کی اشاعت اس ملک میں ہوئی۔ اور آفتابِ اسلام کی کرنیں اس ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلی گئیں۔ اس موقع پر سٹر آرلنڈ کے بعض اقتباسات پڑھنے کے لائق ہیں۔ لکھتے ہیں:-
”ہندوستان میں..... لوگ ایسے نوسلوں کی نسل ہیں جن

پرستان ہونے کے لیے کسی طرح کا جبر و تشدد نہیں کیا گیا، بلکہ دعا و ہلام

کی تعلیم و ہدایت سے انھوں نے بخوشی اسلام قبول کیا (ص ۲۶۹).....

ہندوستان کے مسلمانوں میں تصوف سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے

نام کے ساتھ شیخ، بیگ، یا خان کا لفظ..... اختیار کرتے ہیں.....

۱۰ یوں شا کا کتاب ”مور کا شہر“ اور اس کے کتبے ص ۹۹ مطبوعہ لندن و دعوت اسلام دارملاہی ۱۹۹۱ء

جن بزرگوں نے انھیں مسلمان کیا انھوں نے ان کا لقب اختیار کر لیا.....
 (ص ۲۰۰)..... ہندوستان کے ان مسلمان فاتحوں کے دل میں کئی
 ایسا خیال جس کو دوسروں کی آنخت کی بھلائی چاہنے کا خیال کہتے ہیں
 موجود نہ تھا، جو مذہب کے ہر سچے داعی کے دل میں ہوتا ہی.....
 غلبی، غلبق اور سوری بادشاہ لڑائیوں میں عموماً ایسے مصروف رہے
 کہ سلام کو ترقی دینے کی ان کو مہلت نہ ہوئی، لوگوں کو مسلمان کرنے کی
 جگہ ملکوں سے خراج وصول کرنے کا ان کو زیادہ خیال رہا (۱۴۴، ۱۴۵)

پھر وہ مختلف ملکوں کا حال لکھ کر بنگال کے متعلق کہتے ہیں۔
 "بنگالی نو مسلموں کی کثرت ایسے شہروں میں نہیں ہو، جو کسی زمانہ
 میں اسلامی سلطنت کا پایہ تخت رہے تھے بلکہ ان کی جس مذکثرت ہو
 وہ دیہات میں یا ایسے اضلاع میں ہو جہاں..... پنج قوموں کے
 ہندو، برادری سے خارج ہو کر وہاں کثرت سے آباد ہیں"

یہ صرف بنگال پر موقوف نہیں، اسی نقطہ نظر سے پورے ہندوستان کی
 آبادی پر نگاہ ڈالی جائے، تو حقیقت زیادہ روشن نظر آئے گی، ہندوستان میں بنگال،
 کشمیر اور سندھ، اسلامی دارالسلطنت کی سطوت سے دور رہے، مگر وہاں آج بھی ان
 کی غالب اکثریت موجود ہو، ان کے برخلاف آگرہ، دلی، اور اودھ مسلمان سلاطین اور ان
 کی تہذیب و تمدن کے مرکز تھے۔ مگر یہاں مسلمانوں کی آبادی ۱۵ فی صدی سے آگے نہیں بڑھی

۱۵ دعوت اسلام ص ۲۹۹ ص ۲۹۵ سے حقیقت یہ ہو کہ یہ تقواری سہ سے صحیح نہیں ہو کہ مسلمان جاں کو
 شمشیر کے قبضہ پر اتر کر کھڑے یا جہاں ہو تلوار کے سایہ میں پناہ گزین رہے، ہندوستان کے ان علاقوں میں جو مرکز سے
 دور رہے مسلمانوں کی آبادی کا تناسب دیگر براہ ہندوستان میں تو غیر مسلمان کشور کا آٹھویں حصہ سے ایسے مقامات میں
 رہا جہاں مسلمانوں کی تلوار کبھی نہیں چلی، مگر وہاں کے باشندے اسلام کی آغوش میں آئے جس نے مسلمانوں نے کبھی چھلایا
 نہیں کی مگر وہاں آدھی سے زیادہ آبادی مسلمان ہو۔ افریقہ کے بہت سے مقامات میں جہاں مسلمان سپاہیوں کی
 تلوار میں نہیں پیچیں مگر وہاں مسلمانوں کی بڑی آبادیاں قائم ہیں جن میں مسلمانوں نے کبھی فوج کشی نہیں کی مگر تین
 چار کروڑ مسلمان وہاں نام مسلمان مینیوں کے ساتھ امن کی زندگی گزار رہے ہیں انڈونیشیا کبھی کسی مسلمان تاجدار کے
 زیرِ نگیں نہیں آتا۔ مگر وہاں آج بھی مسلمانوں کی بڑی تعداد موجود ہو۔

کے قلعے اور صول شاستر یعنی فن سیاست کی معیاری کتابیں عربی میں منتقل کی گئیں
 کیمیا، ہنطق، منتر، کرتب، جادو، کہانی، افسانے اور اخلاق و حکمت کی بے شمار کتابیں
 عربی میں ترجمہ کر لی گئیں، ان کتابوں میں سے بہت سی کتابوں کے اصل سنسکرت نسخے
 آج ناپید ہیں، ان علوم سے فائدہ اٹھانے کے لیے اہل علم نے ہند کا سفر کیا، تنوخی و
 بیرونی وغیرہ کی تصنیفات اس کی زندہ یادگار ہیں، اسلامی ملکوں کے متعدد عرب وغیر
 عرب سیاح ہندستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے سے پہلے آتے جاتے رہے
 اور ان کو اسلامی آبادیاں ملتی رہیں اور انھوں نے یہاں کوئی غیر معمولی جنسیت محسوس
 نہیں کی۔

ہندو مسلمانوں کی ملی جلی آبادیوں سے ان دونوں کو ایک دوسرے کے دشمنوں سے
 شناسائی ہوئی اور دونوں میں ایک دوسرے کے مذہبی جذبات کے احترام کا جذبہ پیدا
 ہوا، ہندو بڑی روداری سے مسجدوں کا احترام رکھتے تھے اور ان کو اپنی آبادی کا ایک
 حصہ سمجھتے تھے اور جیسا کہ اوپر گذر لوگ ہندو را جاؤں کی عملداری میں آزادی سے اپنے
 مذہبی فرائض ادا کرتے تھے، باہمی میل جول سے دونوں میں ایک دوسرے کے مذہبوں کی
 تحقیقات کا شوق بھی پیدا ہوا، ہندو مذہب کی تحقیقات کی روداد کا خلاصہ ابن ندیم
 کی الفہرست میں موجود ہے اور عرب ستیا جوں نے ہندو مذہب کے متعلق بیش قیمت چشم بٹ
 حالات بیان کئے ہیں، مسلمان مہنفین نے ہندوؤں کے فرقوں و مسلمانوں کے فرقوں سے
 تطبیق دینے کی کوشش کی تھی، ۱۲۷۱ھ میں ہند کا ایک ادب شناس راجہ ایسا موجود تھا
 جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عزت کرتا تھا، مسلمان اور ہندو عالموں میں مذہب
 کی تحقیق کے لیے مناظرے بھی ہی مدار میں ہوئے، اور ان کی روداد بھی قلم بند کی گئی، ۱۲۷۵
 ۱۲۷۶ھ میں ایک ہندو راجہ کے حکم سے قرآن پاک کا پہلا ترجمہ ہندی زبان میں کیا گیا۔

ہمارے صوفیہ کرام میں وحدۃ الوجود کا سلسلہ ہندو دین سے ہی آیا اسی
 طرح نقیض میں مشت و مہارست کے بہت سے طریقے پاس افلاس وغیرہ ہندو لوگ
 دودیدانت سے ماخوذ ہیں، حسین بن منصور حلاج کا عقیدہ حلول ہندستان ہی

سے لیا گیا، وہ خود یہاں آیا تھا، جادو منتر اور کرتب سیکھے تھے، اسی طرح ہندوؤں میں وحدۂ تنہی کا عقیدہ اور پھر آگے چل کر بت پرستی کے خلاف جو جذبہ پیدا ہوا وہ اسلام ہی کا اثر ہی مسلمانوں میں وحدۂ وجود و حلول اور ہندوؤں میں وحدۂ تنہی اور ترک بت پرستی کے عقیدے اور جذبے اسی دور میں پیدا ہو چکے تھے جب ہندوستان میں خیبر سے آنے والے فاطمین کا تسلط نہیں ہوا تھا۔ جب ایران پر اسلامی قبضہ کے بعد وہاں کے کچھ پارسی ہندوستان میں ہجرت کر کے آئے۔ اس زمانے میں ان کے دل مسلمانوں کے خلاف تنصب سے بھرے ہوئے تھے وہ ہندوؤں کی حکومت میں مسلمانوں کی پرہیزگاروں کو دیکھنا برداشت نہ کر سکتے تھے۔ راجہ جنگ (جے منگھ) کا زمانہ تھا، کہماریت میں انھوں نے ہندوؤں کو درغل کر ایک مسجد اور مسلمانوں کو شہید کر دیا، یہاں کے خطیب اور امام زندہ بچ گئے انھوں نے ملکی زبان میں ایک قصیدہ لکھ کر راجہ کے سامنے جب وہ شکار کے لیے نکلا تھا، پیش کیا راجہ نے تیز رفتار اونٹنی پر سفر کر کے واقعہ کی پوشیدہ تحقیقات کی۔ دوسرے دن دربار میں فریادیں سنیں اس امام کو بلایا۔ درباریوں نے واقعہ کے جھوٹے ہونے کی گواہیاں دیں، راجہ ہنرداس سے ۴۰ فرسنگ کی مشابہ روز مسافت طے کر کے واپس آیا تھا۔ اپنے ساتھ ایک بند لوٹے میں سمندر کا پانی لیا آیا تھا۔ اس نے درباریوں کو اس کا پانی چکھایا۔ اور کہا میں جانتا تھا کہ ”مذہبی اختلاف درمیان میں ہی“ واقعہ کی تحقیق دربار و عمل سے نہ ہو سکے گی۔ اس لیے میں نے خود تحقیق کی پوری آبادی سے جیسے بدل کر حال پوچھا، لوگوں نے کہا مسلمانوں پر بڑا ظلم ہوا، راجہ درباری یہ بیان سن کر دم بخود ہو گئے، راجہ نے چند پارسیوں اور برہمنوں کو سزا دی خطیب کو خلعت و انعام دیا اور ایک لاکھ نقد رقم (بالوترا) ادا کی کہ سجدہ و نیار کی

۱۔ فتح البلدان ص ۴۶، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲،

نئے سرب سے مرمت کی جائے مسلمانوں نے اس عدل و انصاف کی تقدیر کی، راجہ کے اس احسان کو یاد رکھا، مسجد کی مرمت کے بعد اس خلعت و انعام کو اس مسجد کے ایک حجرے میں محفوظ رکھا، ایک مسلمان سپہ سالار محمد عونی یہاں ۶۶۵ھ میں آیا تو یہ "تبرکات" بھی مسجد میں محفوظ رکھے تھے۔

یہ ہے آئینہ ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کے میل جول کا اس زمانہ کا جب کہ بیشکمن فاتح یہاں نہیں آئے تھے، کیا اس شیشہ میں کہیں بال آئے، لیکن اگر ہم مسلمانوں کو ان کے فاتحانہ لباس میں بھی دیکھنا چاہیں تو معلوم ہو سکتا ہو کہ وہ نہ صرف واقعی بہت شکن نہ تھے، بلکہ انھوں نے بتوں کی حفاظت بھی اپنے دین کا ایک حکم اور انجی سلطنت کا ایک فرض سمجھ کر کیا، اور ہندوستان کے عہدِ ہادی کی تاریخ ایسی مثالوں سے خالی نہیں ہو۔

(جنوری ۱۹۴۹ء)

ہندستان پر مسلمانوں کے ابتدائی حملے

— (اور) —

اُن کے اسباب

عرب اور ہند کے تعلقات کا سراغ پچھلے زمانے میں سنہ ۲۰۰ ق م تک چل سکا ہو جب فیقیوں کے تجارتی قافلے بحر عرب سے بحر ہند میں آتے تھے پھر پرتگالیوں میں یمن کی قوم سبا کے گہرے تعلقات جنوبی ہند کے شہروں سے پیدا ہوئے یہی وجہ ہو کہ عربی زبان میں سنسکرت کے بعض الفاظ مثلاً فلفل، کافور، زنجبیل، صندل، نار جلی، قمر نفل اور جانفل وغیرہ عہد قدیم میں داخل ہوئے اور آج وہ عربی زبان کے الفاظ سمجھے جاتے ہیں، اسی طرح عمود ہندی، تمر ہندی قسط ہندی اور ہند عربی تموار سے ہندستان کی نسبت ظاہر ہوتی ہو رہی ہے۔

بھی معلوم ہو کہ ان دونوں ملکوں میں علمی تعلقات بھی قائم تھے سنہ ۲۰۰ ق م تک ہندستان میں لکھنے کا عام رواج نہ تھا، عرب تاجروں ہی کے ذریعہ آرامی رسم الخط ہندستان پہنچا۔ چنانچہ مورخ اور اندھرا خاندان کے کتیبات ان ہی حروف میں تھے، ساتویں صدی ق م میں یہاں لوگ عربی زبان سے واقف تھے پانڈوؤں کو جب جلانے کا تہیہ کیا جا رہا تھا تو عربی زبان ہی میں ان کو اس راز سے آگاہ کیا گیا اور یہ ہشتر نے عربی زبان ہی میں ان کو جواب دیا۔

اسلامی عہد میں ان دونوں ملکوں کے یہ تعلقات زیادہ استوار ہو گئے عربوں کے تجارتی قافلوں کا سندھ اور ہندستان میں خیر مقدم کیا جاتا تھا یہاں تک کہ عربوں کے سندھ پر حملہ آور ہونے سے پہلے ان کی پُرسن نو آبادیاں یہاں قائم ہو گئیں

لے تفصیل کے لیے دیکھیے "عرب و ہند کے تعلقات"

عربوں کی آمد و رفت بری و بحری دونوں رستوں سے تھی۔ لوگ سندھ سے بلوچستان وہاں سے ایران پھر بابل، پھر شام پہنچتے تھے۔ ان رستوں سے توفقات کے قائم رہنے کی بہت سی تاریخی شہادتیں موجود ہیں، اسلامی عہد میں یہ رستہ پہلے سے زیادہ چلنے لگا کیونکہ سندھ و بلوچستان کی سرحد ایران پر اسلامی سطوت کا پرچم اسلام کے آغاز کے چند ہی دنوں بعد ہرانے لگا تھا۔ عرب و ایران میں کچھ دیر نیہ اختلافات بھی تھے اسلام کے آغاز میں سندھ کے قبیلے جاٹ اور سید کے لوگوں نے ایرانیوں کی طرف سے عربوں کا مقابلہ کیا تھا، لڑائی میں ان قوموں کے شریک ہونے کی وجہ سے سندھ گویا دشمن ملکوں کی صف میں داخل ہو گیا تھا۔ اس طرح سندھ سے اسلامی حکومت کو پہلی شکایت بھی دہلی کے سندھی ایرانیوں کے ساتھ ہو کر اسلامی لشکر کے خلاف صف آرا ہوئے۔ جہاں پر مسلمانوں کی دیکھ بھال کرنے والے بحری قافلے اور جنگی بیڑے ہندستان کے ساحل سے آگے نہ گئے اور سپاہی مختلف جگہوں پر اتار کر چھاپے مارنے لگے۔ اس سلسلہ میں عربوں کا پہلا جنگی بیڑا احمد فاروقی بن سپاہیچہ میں حکم بن ابی العاص ثقفی کی سرکردگی میں بحرین و عمان کے ابی عثمان بن ابی العاص کے حکم سے بھٹانہ (علاقہ بمبئی) میں آیا، اور اس شہر کو نشانہ بنایا، اسی طرح حضرت عمر غریبی کے عہد میں عربی جنگی بیڑے ساحل انکن سے ٹکرائے، پھر بھروسہ پڑا اس کے بعد سندھ کی بندرگاہ ویل (ٹھٹھ) پر حملہ ہوا ان میں سے ایک مہم مغیرہ بن ابی ہاشم کا سرکردہ یا آئی تھی لیکن حضرت عمرؓ نے ان حملوں کی ذمہ داری خود قبول نہیں فرمائی بلکہ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، اور مہم بھیجے والے دہلی پر مقامی حالات کے لحاظ سے خود فیصلہ کرنے کی ذمہ داری عائد رکھی اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے عہد میں جبکہ بن حبیبہ عبدی ہندستان بھیجے گئے تاکہ وہ یہاں کے متعلق بھاری و قیمت حاصل کریں، عبدی نے ہند پر حملہ آوری سے اتفاق نہیں کیا، اس کے بعد ۳۳ھ میں بن مرثد بن مرثد عبدی کی مہم آئی، پھر ۳۴ھ میں عبدالرحمن بن سمروہ اور شہد بن عمر نے دو الگ الگ مہموں میں سندھ پر حملہ کیا اور بعض حصوں پر قبضہ جایا۔

اس کے بعد سندھ سے اسلامی حکومت کو دوسری براہ راست شکایت یہ پیدا ہوئی کہ حکومت سندھ نے ایسے مختلف باغیوں کو اپنے دامن میں پناہ دی جو مسلمانوں کے خیال میں دین اور اسلامی حکومت کی نظر میں امن و امان کے لیے خطرہ بن چکے تھے ان میں سے محمد بن حارث علانی معاویہ بن حارث علانی اور حمیم بن سامہ ساہی کے نام خاص طور پر لیے جاسکتے ہیں۔ حجاج بن یوسف ثقفی اور عبد الرحمن بن محمد بن اشعث کی باہم جنگ آزمانی اس عہد کی تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے، یہ لوگ ابن اشعث کے ساتھ ہو کر حجاج کے خلاف لڑے تھے، اور ابن اشعث کی شکست کے بعد فرار ہو کر عمان چلے گئے اور وہاں سے سندھ آئے، اور سندھ کے راجہ دہر سے پناہ مانگی اور اس نے ان بہادر عربوں کو اپنی پناہ میں لے لیا اس اتنا میں مکران کے مسلمان حاکم سعید بن اسلم بن زرعہ نے کسی حرم میں قبیلہ علاف کے بعض لوگوں کو قتل کرایا، اور اس کے انتقام میں ان دونوں بھائیوں محمد و معاویہ نے پانچ سو سپاہیوں کا دستہ لے کر مکران پر حملہ کیا، سعید کلابی مارا گیا، اور ان لوگوں نے مکران پر قبضہ حاصل کیا، مکران مرکزی حکومت کا ایک صوبہ تھا۔ ان علانیوں کی اس یورش کی ذمہ داری سے قدرتی طور پر راجہ دہر سبک دوش نہیں سمجھا جاسکتا تھا، حجاج ثقفی نے اس حادثہ کی خبر سنتے ہی مجاہد بن مسفر ثقفی کو ہندستان کی سرحد کا گورنر بنا کر بھیجا۔ اس نے مکران پر فوج کشی کر کے اس پر دوبارہ قبضہ کیا، محمد و معاویہ علانی اپنے آدمیوں کے ساتھ پھر سندھ چلے آئے اور سندھ میں سندھ کے ایک مقام اردہ میں قیام پذیر ہو گئے۔

لے زبہ انکھ اطرص ۱۱ (ذکر محمد بن حارث علانی) ص ۱۰۷ (معاویہ علانی) ص ۳۰ (رسالی) محمد بن قاسم کی حملہ آوری کے بعد جب راجہ دہر قتل کیا گیا، تو یہ لوگ فرار ہو کر بہمن آباد آئے اور دہر کے بیٹے جے سنگھ کی حمایت میں آئے، جب جے سنگھ سندھ سے فرار ہو کر کشمیر روانہ ہوا تو یہ لوگ بھی اس کے ساتھ ہو گئے، اور صاحب تحفۃ الکرام کی روایت ہو کہ آخر میں محمد بن قاسم سے ان لوگوں نے امان طلب کی اور اس نے فرائض ولی سے صاف کر دیا۔

اب "تغراہندہ" یعنی ہندستان کی سرحد کی دیکھ بھال کرنے اور مورچہ جمائے رکھنے کے لیے ایک مستقل والی نام زد ہونے لگا۔ چنانچہ حب مجاہد بن مسعر نبی نے کمران میں وفات پائی تو اس عہدے پر محمد ہارون غری مامور کیا گیا، اور پانچ برس تک اس خدمت پر مامور رہا، یہاں تک کہ محمد بن قاسم ثقفی کے مشہور حملہ سندھ کا واقعہ پیش آیا اور حجاج ثقفی کی ہدایت کے مطابق محمد ہارون غری، محمد بن قاسم ثقفی کی مدد کے لیے اپنی فوج کے ساتھ اس سفر میں شریک ہو گیا اور فتوحات کے بعد کسی مقام کی ولایت پر سرفراز کیا گیا۔

اس صورت حال سے ان دونوں ملکوں کے تعلقات روز بروز خراب ہوتے جا رہے تھے، آخر میں عرب غورنوں کے جہاز کے لوٹ لینے کا واقعہ پیش آیا اور یہ تیسرا سبب تھا جس کی وجہ سے ان دونوں ملکوں کے تعلقات خراب ہوئے اور اس قضیہ کو مستقل طور پر پتلوار ہی کے ذریعہ سے طے کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس آخری واقعہ کی صورت حال یہ تھی کہ

اس زمانہ تک اسلامی حکومت کا دائرہ اثر ایشیا، یورپ اور افریقہ میں محدود رہ چکا تھا اور مختلف ممالک کے سفیر و اہل خلافت میں آیا کرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں مالدیپ کے راجہ نے ایک سفارت چند تحائف کے ساتھ خلیفہ ولید بن عبد الملک کے پاس دمشق روانہ کی، نیز اسی سفارت کے ساتھ چند ایسے عرب تاجروں کی عورتیں اور لڑکیاں بھی تھیں جو لنکائیں انتقال کر گئے تھے، اس جہاز کو سندھ میں نے بندر گاہ دہیل کے پاس لوٹ لیا۔ اسلامی حکومت کی طرف سے سندھ کے راجہ داہر کو اس کی طرف توجہ دلائی گئی کہ شریف عرب خواتین کو واپس کر دیا جائے لیکن راجہ داہر نے جواب دیا کہ یہ بھری قزاقوں کا کام ہی جو اس کی دسترس سے باہر ہیں۔ حجاج بن یوسف ثقفی نے راجہ داہر کے جواب کو حیلہ جوئی پر محمول کیا چنانچہ عرب غورنوں کے جہاز کو لوٹ لینے کے انتقام میں حکومت سندھ

کے خلاف ابتدائی مہم سرحدی انسر عبید اللہ بن نہاں کی سرکردگی میں دیبل سے بھیجی گئی، عبید اللہ جنگ میں کام آیا تو ایک دوسرے انسر دیبل بن طغفہ بھی بھیجا گیا، وہ بھی گھوڑے سے گر کر مر گیا، دیبل کی قبر دیبل دھنڈہ میں بنی،

اس ناکام مہم کے بعد بڑی تیاریوں کے ساتھ محمد بن قاسم کی مشہور مہم شیراز کے راستے سے بھیجی گئی، ۹۳ھ میں حصبہ کے دن وہ دیبل دھنڈہ پہنچا، بھری ملک بھی آگئی، دیبل فتح ہو گیا۔ پھر مسلمانوں کے قدم آگے بڑھتے گئے، اور تین سال کے اندر سندھ کا پورا علاقہ زیر نگین ہو گیا اور ایک مستقل گورنر کے فدیہ پر حکومت کی جانے لگی۔

محمد بن قاسم کا شمار اس عہد کے ممتاز سپہ سالاروں میں کیا جاتا ہے، اس نے ایک مختصر زمانہ میں سندھ و بلتان کی حکومتوں کا تختہ الٹ دیا، راجہ داہر جنگ میں کام آیا، اس کا قاتل قاسم بن قلیبہ طائی تھا، محمد بن قاسم کے دوسرے مشہور عرب سرداروں میں داؤد بن نصر عمانی جس کو بلتان کا والی بنایا گیا، رعوہ بن عمیر اور محمد بن مصعب ثقفی جو ہر اول دستوں کے سالار تھے، زائد بن عمیر جو بلتان کی فتح میں شریک تھا۔ اور عبدالرحمان بن عباس ہاشمی جو ممتاز سپہ سالاروں میں شمار کیا جاتا تھا، اسی طرح مصعب بن زبیر سلیمان قریشی، حطیہ طفلی، ذکوان بکری، بنانہ بن خنظلہ اور حمیم بن زحر جعفری وغیرہ تھے جن میں سے اکثر سپہ سالاروں کا سندھ خواب گاہ بنا۔

محمد بن قاسم کے ساتھ اس کی قیمت نے نیرنگی دکھائی، وہ بعض سیاسی حالات کے بدلنے سے گرفتار کر کے سندھ سے دار الخلافہ لے جایا گیا، لیکن وہ اپنی سیرت و کردار کا ایسا

۱۔ اسد ان بے فتوح البلدان بلا ذکر فتوح سندھ ص ۴۳۲، ۴۳۶ و تذکرۃ اللذہب ص ۳۵ و تذکرۃ
۲۔ ابن خلیعہ ص ۳۵، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱،

غیر فانی نقشِ سندھ میں چھوڑ گیا، کہ جو سلمان عرب یہاں مقیم تھے، انھوں نے اپنے مرثیوں میں خون کے آنسو بہائے، اور ان سے زیادہ ماتم ہندستان کے باشندوں نے کیا، اور اس کی نیاضی، سیرِ چشمی، رواداری اور حسنِ اخلاق کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے اس کی بودتی بنائی اور عقیدت سے اس کے آگے سر نیاز جھکایا۔ بلاذری لکھتا ہے۔

ہندستان کے باشندوں نے محمد پر آنسو بہائے اور کیرج (کوریج یا جے پور) میں اس کی بودتی بنا کر رکھی۔

خليفة سيده بن عبد الملك نے سندھ کی ولایت پر محمد بن قاسم ثقفی کے بجائے یزید بن ابی کبشہ سسکی کو والی بنا کر بھیجا، مگر اس نے سرزمینِ ہند پر قدم رکھتے ہی ۸۰ او بی دن وفات پائی۔ اور محمد بن قاسم کی گھر فاری اور نئے والی کی موت سے ملک میں اتھری پیدا ہو گئی، خلیفہ سیمان نے حبیب بن ہلب کو یہاں کا والی بنا کر بھیجا اور ملک میں فسادوں اور اطاعتوں کے واقعات کے پیش آنے کا ایک سلسلہ جاری ہو گیا۔ اور ولایت میں بھی مختلف زمانوں میں تغیر و تبدل ہوتا رہا اور اس کی وجہ سے نئے حالات پیش آتے گئے چنانچہ ۱۶۷ھ سے ۳۸۶ھ تک سندھ کبھی دارِ خلافت دمشق پھر بغداد کا صوبہ والی عراق کی نگرانی میں رہا اور کبھی یہاں آئے ہوئے والیوں نے اپنی خود سیر حکومت قائم کر لی، اس زمانہ میں اس مفتوحہ علاقہ کو چار بانج بڑے ضلعوں میں تقسیم کر کے حکومت کی جاتی تھی۔ اور کبھی یہاں مختلف خاندان ہجاری بنو سامہ، بنو مبنہ، حکمرانی کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ۱۹۱ھ میں سلطان محمود غزنوی نے اس پر قبضہ کر لیا، اور یہ پورا علاقہ غزنوی سلطنت کا جزو بن گیا، لیکن سندھ زیادہ دنوں تک غزنوی سلطنت کا صوبہ نہ رہ سکا، محمود کی وفات کے چند سال کے بعد ہی وہ پنجاب کے غزنوی گورنر کے تسلط سے آزاد ہو گیا۔ قرامطہ نے بالائی سندھ میں اپنی آزاد حکومت قائم کرنی۔ جن میں ملتان اور اوچھ وغیرہ اہم شہر تھے

شہاب الدین غوری کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا

ایسی طرح زیریں سندھ میں جس کا پانی تخت و سیل تھا۔ محمود کی وفات کے بعد ہی ایک مقامی قبیلہ سومرا کی سلطنت قائم ہو گئی جو ۱۲۴۲ء سے ۱۲۵۶ء تک کے بعد چند سال تک کسی نہ کسی طرح قائم رہی، یہ عرب نو مسلم ہندوستانی نسل کا مخلوط قبیلہ تھا، محمود شاہ تغلق کے زمانہ میں اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوا تو پھر ایک دوسرے قبیلہ سہہ کی حکمرانی شروع ہوئی، اور آخر تک سلاطین دہلی سے مختصر دائرے میں سہہ بہرہ آزار رہا، احجام نظام الدین (۱۲۵۶ء - ۱۲۹۹ء) اس خاندان کا ممتاز حکمران گزرا، سہہ میں ہی کا خاتمہ ہوا، اور چنگیزی خاندان کے شاہ بیگ ارغون پھر اس کا بیٹا شاہ حسین ارغون حکمران ہوا، ۱۳۶۲ء میں اس کا انتقال ہوا تو اسی قبیلہ کے دوسرے سردار جن کا لقب ترخان تھا۔ حکمرانی کرتے رہے، یہاں تک کہ سندھ کی خود مختاری کا خاتمہ ۱۴۵۱ء میں ہوا اور یہ مستقل طور پر سلطنت مغلیہ کا ایک صوبہ بن گیا۔

(فردوسی ۱۹۴۹ء)

۱۱۰۔ فرشتہ ج ۱ ص ۵۶۔ ۱۰۶ فرشتہ ج ۲ ص ۳۱۶، ۳۲۰ ایٹ ص ۱۹۱، چ ۱۵۷
 ص ۲۶۷، (ظاہری) فردوز شاہی ص ۵۹، ۶۴، ۶۵۔ انانیکو پیڈیا ج ۱۵ ص ۱۴۳، ایٹ ص ۴۹۶

ہندو کے اسلامی حملوں کے قیدی

— (جو) پنج —

عرب جا کر ابھرے

ہندو کے اسلامی حملوں میں جو اجداد اس پر کئے گئے بہت سے سندھی قیدی بھی گرفتار کر کے عرب لے جائے گئے۔ اور اس زمانے کے دستور جنگ کے مطابق غلام بنے گئے۔ لیکن عرب، یونانیوں، اور رومیوں کے برخلاف غلاموں کے ساتھ غیر معمولی حسن سلوک سے پیش آتے تھے، وہ آزاد ہو کر ان کے قبیلہ کے افراد بن جاتے تھے اور انھیں اپنی ہر قسم کی شخصی ترقی حاصل کرنے کا کامل اختیار حاصل تھا۔ چنانچہ ان سندھی قیدیوں نے آزاد ہو کر ملک عرب میں، توطن اختیار کر لیا اور وہ علمی و سیاسی و فنی مرتبے حاصل کئے جو خود فاتح قوم کو حاصل تھے، بلکہ وہ انھوں نے یا ان کی اولاد نے علوم و فنون میں ایسا کام کیا کہ بڑے بڑے علماء و ائمہ ان کی سند و رس سے فیض یاب ہو کر آئے۔ ذیل میں چند ایسے ہی سندھی غلاموں اور ان کی اولاد کا تذکرہ کرنا ہے، جو ہندو کے اسلامی حملوں میں گرفتار کر کے عرب لے جائے گئے تھے۔

السندی | عرب میں سندھی کو السندی کہتے ہیں، بمعانی لکھتا ہے کہ ہندو النسبة (۱) السندی وہی من بلاد الهند یہ نسبت ہندو کی طرف سے جو ہندو کے شہروں میں سے ہے،

عربوں کو یہ سبب اتنا بھایا کہ انھوں نے اپنے بچوں کے نام بھی السندی رکھے، جیسے السندی بن شاہک یا شیخ ابوبکر ہفرائی کے جد علی کا نام ہندی تھا۔ اسی طرح بعض لوگوں کا لقب ”السندی“ قرار پایا، جیسے ابن عبدوہ رازی۔ السندی کے لقب سے شہد ہوئے پھر بعد میں ان کی اولاد اپنے جد علی کا نسبت

سے بھی اسندی کہلائی۔

اس لیے عربی تاریخوں اور رجال کی کتابوں میں جن لوگوں کے نام اسندی کے انتساب سے نظر آئیں، ان کے لیے ضروری نہیں کہ وہ سندھ ہی کے رہنے والے ہوں۔ اس لیے ذیل میں صرف ان ہی چند اشخاص کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کے سندھ کی نظر منسوب ہونے کی تصریح مل چکی ہو اور جن کے کچھ نہ کچھ علمی ادبی تعلیمی کارنامے ہیں۔

— ابو معشر سندھی (پیشہ) —

ابو معشر بنج بن عبد الرحمن دوسری صدی ہجری میں حدیث کے مشہور راویوں میں ہیں، اپنے وطن سندھ کے انتساب سے اسندی اور عبائے قیام کے لحاظ سے مدنی کہے گئے۔

یہ کسی جنگ میں گرفتار کر کے حجاز لے جائے گئے۔ اور وہاں فروخت کئے گئے یہاں تک کہ ام موسیٰ بنت منصور نے انھیں خریدا، پھر بنو ہاشم کی میراث میں آئے کچھ دنوں کے بعد نیم آزاد ہوئے، اور بنو مخزوم کی ایک عورت کے مکاتب بنے اور پھر مقرر رقم ادا کرنے کے بعد آزاد ہو گئے۔

یہ جس خاندان میں رہے، اس میں علوم و فنون کی تفصیل کرتے رہے، ان کے آثاروں نے ان کی تفصیل علم میں مدد دی، یہاں تک کہ متنازع علماء میں گنے گئے، اور ایسا علمی مرتبہ حاصل کیا کہ لوگوں کو ان کے عرب ہونے کا دھوکا ہوا اور خود ان کی حیات میں لوگوں میں ان کے عرب و غیر عرب ہونے کی بحث چھڑ گئی، چنانچہ بعض لوگوں نے انھیں مبنی بتایا، لیکن جب انھوں نے سنا تو فوراً اس کی تردید کی اور کہا۔

”بنو ہاشم کے غلاموں میں ہونا میرے نزدیک زیادہ محبوب (اور لائق فخر) ہے“

اس سے کہ میرا نسب بنو خنظلہ میں ہو“

اس کے بعد خطیب بغدادی نے ان کے صاحبزادے محمد بن ابی معشر کا یہ قول

نقل کیا ہے۔

”ابونعیم نے کہا کہ ہم سے فضل بن ہارون بن ہادی بیان کرتے تھے، کہ میں نے

محمد بن ابومعشر سے سنا وہ کہتے تھے کہ میرے والد سندھ میں تھے۔

ابومعشر سندھ میں علم و ریث، مخازی اور نقہ میں کمال حاصل کیا خصوصاً مخازی میں استاد شمار کئے گئے۔

ان کے شیعہ حدیث میں محمد بن کعب قرظی، سعید بن ابی سعید نقبری، ابو بردہ بن ابی موسیٰ، ہشام بن عروہ، موسیٰ بن بشار، نافع ابن سلک اور محمد بن قیس وغیرہ میں جامع ترمذی میں ان کی روایت موجود ہے۔ ان روایتوں میں ان کے شیخ کا نام سعید آیا ہے۔ گمان تھا کہ وہ سعید بن مسیب ہیں، چنانچہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں اسی بنابر سعید بن مسیب کو بھی ان کے تلمیذوں میں جا دیتے ہیں، لیکن علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کے سعید بن مسیب سے روایت کرنے کی تردید کی ہے اور جامع ترمذی میں ان کے شیخ کا جو نام سعید ہے اسے سعید نقبری قرار دیا ہے۔

ان کے تلامذہ میں بھی جلیل القدر علماء اور محدثین کا نام آتے ہیں، چنانچہ محمد بن ابی معشر، عبد الرزاق، ابونعیم، محمد بن یحییٰ بن عیسیٰ، ابن ابی مزاحم، لیث بن سعد، عبد اللہ بن اوس، بشیر ابن مہدی، ابوالفضل بن قاسم، وکیع، ہوزہ بن حلیفہ، عثمان بن عمرو، محمد بن سوا، محمد بن عمرو، قادی، ابوصخرہ، سعید بن منصور، عاصم بن علی، ابوربیع زہرانی اور حنفی و حریث و نقہ کے مشہور امام سفیان ثوری ان کے تلامذہ میں ہیں۔

انہوں نے ان سے علمی ترسیل کا عہدہ کیا ہے۔ اگرچہ انہوں نے کسی قدر کمزور ہو گیا تھا، اس لیے محتاط محدثین نے ان کی روایتیں قبول نہ کریں، احتیاط کی بلکہ کہا گیا ہے کہ یہ صورت حال آخر عمر میں پیدا ہوئی تھی۔
علامہ ذہبی ان کے متعلق کہتے ہیں۔

”وہ اپنے حافظہ کی کمزوری سے باوجود علم کے مخزن تھے“

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں :-

”فن مخازی میں بصیرت رکھتے تھے، سچے تھے لیکن سلسلہ ہندو یاد نہ رکھ سکتے تھے“

خطیب بغدادی کا بیان ہے،

”فن مخازی کے بڑے دانت کا رد میں سے تھے“

ابومعشر سندھی کے اس علم و فضل کے باوجود ان کا تلفظ درست نہیں

ہوا تھا اور ان کے تلفظ سے ان کے قدیم وطن کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔
ابونعیم کہتے ہیں :-

”ابومعشر سندھی تھے، اور ان کے عربی الفاظ کا تلفظ صحیح نہ تھا، وہ جھٹھا

محمد بن قویہ کہتے اور قویہ سے مراد کعب ہوتا تھا“

یہ جلیل القدر سندھی عالم اپنے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے جرح کا نشانہ بھی بنے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیحین میں اسی باعث ان کی روایت نہیں لی۔ ابو داؤد اور ضعیف کی، لیکن بقول علامہ ذہبیؒ امام ضیائیؒ اپنی سنن میں ان کی روایت سے حجت لائے ہیں اور امام ترمذیؒ نے ان کی صحیحین میں جرح کی ہے، مگر تصریح کر دی ہے کہ بعض اہل علم نے ان کے حافظہ پر کلام کیا ہے امام احمد بن حنبلؒ ان کی حدیثیں لکھ رہے تھے مگر ضعف اسناد کی وجہ سے ان کی روایت نہ کرتے تھے، اسی طرح یحییٰ بن معینؒ اور دوسرے ائمہ فن میں سے بعض نے ان کے اسناد ہی کے لحاظ سے ان کی حدیثوں کو ضعیف کہا ہے۔

ان کی تکذیب میں بجز ایک غیر معروف روایت کے اور کسی کا قول موجود نہیں

وہ روایت ابو جریز نصر بن طریف کی ہے مگر دوسرے اہل علم نے یہ روایت بیان کی کہ

اس کی تردید کر دی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ائمہ زلفات اس کے حافظہ کی کمزوری کے باوجود

ان کی روایتیں قبول کر لیتے تھے۔ کیوں کہ انہیں یقین تھا کہ ان کا حافظہ متن حدیث کی یادداشت میں کمزور نہیں، صرف سلسلہ اسناد میں غلطیاں ہو جاتی تھیں، مگر اس میں بھی وہ جان بوجھ کر غلط بیانی نہ فرماتے تھے، جو سند روایت کرتے، اسے صحیح اور حق جان کر بیان کرتے چنانچہ ابن عدی کہتا ہے:-

”ان سے ثقات نے روایت کی ہو اور ان کے ضعیف ہونے کے باوجود ان کی

حدیثیں لکھ لی جاتی تھیں۔“

خلیلی کا بیان ہے:-

”ابومشعر کو علم (دین) اور تاریخ میں ایک مقام حاصل تھا، لہٰذا ان کی

تاریخی روایتیں قبول کر کے ان سے حجت لائے ہیں اور حدیث کی روایتوں

میں ان کی تضعیف کی ہو۔“

علم حدیث کے علاوہ فن معازی کے امام مانے گئے ہیں، ان کی تصنیفات

میں ان کی کتاب المغازی شہرت رکھتی ہو، ابن ندیم نے الفہرست میں اس کا تذکرہ کیا ہو اور کہتا ہو:-

”وہ تاریخ و سیر کے عارف اور محدثین میں سے ایک تھے، ان کی

کچھ کتابیں ہیں، جن میں سے ایک کتاب المغازی ہو۔“

مولانا شبلی مرحوم نے مقدمہ سیرت میں ان کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہو:-

”ابومشعر بن عبد اللہ بن (سید) ہشام بن عروہ کے شاگرد تھے

ثوری اور اقدی نے ان سے روایت کی ہو، گو محدثین نے روایت

حدیث میں ان کی تضعیف کی ہو، لیکن سیرت و معازی میں ان کی

جلالت شان کا احترام کیا ہو۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ وہ اس

فن میں صاحب نظر ہیں، ابن ندیم نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہو

کتب سیرت میں ان کا نام کثرت سے آتا ہو (جلد ۱ ص ۲۲)

ابومشعر کا رنگ گندم گوں اور جسم فرہ تھا۔ خلیفہ مہدی ان کے علم و فضل

کاقدروان تھا، اس سے اس کی انیت کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ اسی کی ماں کے جوام موسیٰ بنت منصور کے نام سے مشہور ہو، غلام رہ چکے تھے ایک تہہ حج کے موقع پر ان دونوں کا ساتھ ہو گیا مہدی نے ان کی قدر افزائی کا حکم دیا کہ یہ شاہی خیمہ میں بلائے جائیں اور اس قافلہ کے لوگ ان سے فقہ کا فیض حاصل کریں پھر مہدی نے ان کی خدمت میں ایک ہزار دینار کا تحفہ پیش کیا۔ اس کے بعد مہدی ۱۶۷ھ میں انہیں اپنے ساتھ مدینہ سے عراق لایا اور ۱۶۸ھ میں بغداد میں لا کر ٹھہرایا اور علم و تعلیم کی خدمت ان کے سپرد کی اور یہیں تنقل قیام اختیار کیا۔

وفات سے دو سال پیشتر جو اس میں کچھ فرق آگیا تھا، رمضان ۱۶۸ھ میں وفات پائی، خلیفہ ہارون الرشید نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور بغداد کے مقبرہ کبیر میں یہ فخر سندھ مدفون ہوا۔

جعفر ابو عبد الملک محمد بن ابو معشر سندھی

ابو عبد الملک محمد ابو معشر سندھی کے لائق صاحبزادے تھے اور اپنے عہد کے ممتاز اہل علم میں تھے۔ خلیفہ مہدی انہیں بھی مدینہ منورہ سے بغداد لے آیا تھا۔ علم حدیث سے انہیں بھی مناسبت تھی۔ یہاں ابن ابی ذیہ اور ابو بکر بزی سے مناسبت ہو، اپنے والد کی کتاب المغازی ان سے روایت کی ہو ان کے تلامذہ میں ان کے صاحبزادے داؤد اور حسن ان سے روایت کرتے ہیں، ان کے علاوہ ابو حاتم محمد بن ادیس رازی، محمد بن لیث جوہری، اور ابو یعلیٰ موصلی نے ان کی روایت کی ہوئی حدیثیں بیان کی ہیں۔ ابو حاتم نے ان کی توثیق کی ہو انہوں نے ۹۹ سال کی عمر میں ۲۴۷ھ میں وفات پائی۔

لے تذکرۃ الکفاۃ ج ۱ ص ۴۱۲، تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۰۹، کتاب الاصاب سمانی ورق ۳۱۳، تلخیص خلیفہ بغداد ج ۱ ص ۴۲، شذرات الذہب ج ۱ ص ۷۸، الفہرست ابن ندیم ج ۱ ص ۱۳۶، طبع مصر ۱۳۶۶، کتاب الاصاب سمانی ج ۱ ص ۴۱۲، تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۰۹، الفہرست ابن ندیم ج ۱ ص ۱۳۶، طبع مصر ۱۳۶۶۔

— امام اوزاعی —

شیخ الاسلام عبدالرحمن بن عمر دامام اوزاعی ان ائمہ اسلام میں ہیں جو فقہ کے ایک مذہب کے بانی بنے اور شام اور اندلس میں زمانہ دراز تک ان کے پیروں کی کثیر تعداد موجود رہی اور فقہ کی تاریخ و خلافت میں آج تک یہ مذہب معلوم و مشہور ہے۔

امام اوزاعی مشعہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں وفات پائی یہ نسلاً سندھی تھے، علامہ ذہبی اور ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

وكان اصلاً من سبأ السند ان کا خاندان سندھ کے قیدیوں میں سے تھا امام اوزاعی دمشق کے کسی گاؤں میں پیدا ہوئے، اور اس خرد عمر میں سیرت میں تمام فرمایا، ان کے شیوخ و تلامذہ کی ایسی فہرست جو جن میں حبہ مشہور اکابر حسب ذیل ہیں۔ شیوخ میں عطاء بن ابی رباح، قتادہ، شداد، زاذلی، موسیٰ عمر مذہبی اور محمد بن یزید ہیں اور تلامذہ میں مالک شعبة ثوری، ابن مبارک، اور یحییٰ بن سعید قطان وغیرہ ہیں۔ پھر ان کے شیوخ میں سے امام زہری، یحییٰ بن کثیر، اور قتادہ وغیرہ نے بھی ان سے روایتیں کیں۔

ان کے علم و فضل کے بیان میں ائمہ فن کی بڑی روایتیں ہیں۔ ابن ہدی کہتے ہیں

”حدیث سے چارہام ہیں۔ اوزاعی، مالک، ثوری۔ اور محمد بن زید اور شام

میں سنت کا جوتے والا اور اوزاعی نے چھ ذکر کوئی نہ تھا۔“

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔

”ایک مرتبہ مالک ثوری اور اوزاعی امام مالک کے پاس پہنچے جب

وہ وہیں گئے تو خود نے فرمایا۔ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی

سے علم میں زیادہ جو نیکی ان میں کا پہلا یعنی ثوری علوم و مذہب و اہمیت

کی اہمیت میں نہ تھا۔ دوسرا یعنی اوزاعی، دامام بنے کا اصل حیت

رکھتا ہو؟

امام ابو اسحق فزاری کہتے ہیں :-

"میں نے ان دونوں شخصوں اور ثوری کے مثل کسی کو نہیں پایا، ان میں سے اندازہ شہیت عامہ کے مالک ہیں اور ثوری شخصیت خاص رکھتے ہیں اگر میں اس بات کے لیے کسی کو چننا تو وہ اندازی ہوئے"

اسمعیل بن عباس کہتے ہیں :-

"میں نے مسئلہ میں لوگوں کو کہتے سنا کہ اندازی اس زمانہ میں اہمیت

کے حامل ہیں۔"

اسی طرح عبد اللہ بن مبارک کا ارشاد ہے :-

"اگر مجھ سے کہا جاتا کہ اس امت کے لیے کسی کو منتخب کریں تو میں ثوری

اور امی کو منتخب کرتا اور چہر ان دونوں میں سے اندازی کو چن لیتا"

"اور خود امام ابو سفیان ثوری کا یہ واقعہ ذکر کرنے کے لائق ہی کہ ایک مرتبہ حج کے موقع پر انھوں نے مقام ذی طوی میں امام اندازی کو اونٹ پر گزرتے دیکھا تو فرط محبت و عقیدت سے دوڑ پڑے اور ان کے اونٹ کی نکیل ہاتھ میں پکڑ کر یہ صدا دیتے ہوئے پیادہ پچلے کہ شیخ کے لیے رہستہ دو، شیخ کے لیے رہستہ دو"

امام اندازی کی ساری زندگی علم و دین کی خدمت میں گزری دنیاوی جاہ و حشم

کے لغو رہنے، قصبات جنت کی نمی مگر قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

خلیفہ منصور نے بنو ہبہ کے قتل عام پر ان کی رائے پوچھی انھوں نے بیاباکی سے حق بات منہ پر کھدی منصور نے بحث کی۔ امام اندازی نے اسے اپنے دلائل سے قطعی لاچار کر دیا، تو غصہ و غضب سے اس کا آنکھیں لگا روں کی طرح سُرخ ہو گئیں اور غصہ میں مجلس سے نکل جانے کا حکم دیا، وہ دربار خلافت سے نکل کر کچھ دور پہنچے تھے کہ چپے سے ایک سوار قواقب کرتا ہوا آتا دکھائی دیا یہ سمجھے کہ سر لینے آ رہا ہے۔ وہ میں گھڑے ہو کر دوکانہ کی پشت باندھ لی کہ خود سجدہ شکر ادا کر لیں۔ جب سلام پھیرا تو شاہ کا سوار نے دنیا روں کی قبلی تازی کی انھوں نے اُسے قبول کر لیا مگر گھر پہنچے سے پہلے

رہتے ہی میں سب کو خیرات کر دیا۔
امام اور اعلیٰ اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہما اللہ دونوں ہم عصر تھے، امام اعظم
بھی ان کی قد نما تے تھے اور ان کے علم کے معترف تھے۔

امام اوزاعی کی وفات ۱۵۶ھ میں ناوانستہ آگ سے جل کر ہوئی، سال ۱۵۶ھ میں اختلاف ہو، مورخین عموماً ۱۵۶ھ کی روایت زیادہ لکھتے ہیں۔ مذہب انہما دو تین صدیوں تک شام و اندلس میں باقی رہا اور اس مذہب کے ماننے والے ہزاروں کی تعداد میں موجود رہے۔

— (حافظ ابو محمد خلف بن سالم ندوی) —

ابو محمد خلف بن سالم مخاطب بہ محمود سندھی حدیث کے مشہور حاکموں میں تھے، یہ سندھ سے عرب لے جائے گئے اور آل ہلب کے غلام بنے، پھر علوم کی تحصیل کی، اور علم حدیث میں نام پیدا کیا۔ بغداد کے محکمہ مخرم میں قیام تھا۔ اس نسبت سے مخرمی بھی کہلائے۔

خطیب لکھتا ہے۔

”خلف بن سالم ابو محمد مغرمی مہالہ کے موالیٰ ہیں تھے، اور یہ سندی تھے!“

ذہبی کا بیان ہے۔

”خلف بن سالم حافظ محمود ابو محمد سندھی مولیٰ، آل مہلب بن داؤد کے اعیان

حفاظت حدیث میں تھے :

ابن حجر نے بھی انھیں السدی البغدادی اکتاف لکھا ہے۔

ان کے شیوخ حدیث میں حسب ذیل محدثین ہیں جن سے انھوں نے روایتیں
 کیں: شیم، ابن بشر، یحییٰ بن سعید قطان، عبد الرحمن بن مہدی، اسماعیل بن علیہ
 سعد بن ابراہیم بن سعد، یعقوب بن ابراہیم، معن بن عیسیٰ، ابونعیم فضل بن کون

محمد بن جعفر خندرقی، یزید بن ہارون، وہب بن جریر، عبد الرزاق بن ہمام، اور ابن نمیر وغیرہ،

تلامذہ میں اسماعیل بن ابی حارث، حاتم بن لیث، یعقوب بن شیبہ، احمد بن ابی خثیمہ، جعفر طرابلسی، عباس دوری، یعقوب بن یوسف مطوعی، حسن بن علی عمری، احمد بن محمد بن عبد الجبار صوفی، ابو القاسم بغوی، احمد بن علی آبار، اور عثمان دارمی وغیرہ ہیں، امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، مسدد، حمیدی، یعقوب بن شیبہ، اور حمزہ کمانی نے ان کی توثیق کی ہے، امام نسائی نے بھی انھیں ثقات میں جگہ دی ہے۔

وہ طبعاً نہایت سادہ دل تھے اور مختلف علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ یوم دو شنبہ ۲۲، رمضان ۲۳۱ھ میں ۶۹ سال کی عمر میں بغداد میں وفات پائی۔

— ابو العباس فضل بن سکین بن سحیت سندھی —

ابو العباس فضل بن سکین بن سحیت سندھی قطعی معروف بہ سندھی بھی حدیث کے مشہور راویوں میں ہیں، صراحہ بن بیان ساحلی اور احمد بن محمد رملی سے حدیث روایت کی، اور ان سے محمد بن موسیٰ بن حماد بربری، ابو یعلیٰ موصلی، ابراہیم بن عبد اللہ مخزومی اور محمد بن محمد باغندی روایت کرتے ہیں؛

یحییٰ بن معین نے ان پر جرح کی ہے، ان کے سلسلہ سند سے عبد الرزاق راوی سے بھی بعض تاریخیں بیان کی جاتی ہیں، لیکن یحییٰ بن معین نے اس کی تردید کی ہے۔

— ابو نصر فتح بن عبد اللہ سندھی —

ابو نصر فتح بن عبد اللہ سندھی اہل حکم کے حوالی میں تھے، جنہوں نے انہیں آزاد کر دیا انہوں نے مختلف علوم فقہ و کلام وغیرہ میں مہارت حاصل کی، فقہ کی تفصیل ابو یعلیٰ

سے کی تھی، اور حدیث کی روایت حسن بن سفیان وغیرہ سے کی اور فقہیہ تسلیم کا لقب پایا اور دینی و علمی مرتبہ ایسا حاصل کیا کہ تلامذہ و متعقدین کا گروہ ان کا حلقہ بگوش رہتا تھا۔ وہ اپنے ہندوستانی ہونے کا برملا ذکر کرتے تھے، حافظ عبد اللہ نے ان کا ایک ائمہ بیان کیا ہے جسے سماعی اور مقدسی نے بہ روایت مسلسل نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں :-
 ایک مرتبہ ابو نصر سندھی کے ساتھ جا رہا تھا ان کے متعقدین و تلامذہ کا ایک مجمع ان کے پیچھے تھا۔ راہ میں ایک عرب نشہ میں چور زمین پر پڑا دکھائی دیا۔ ابو نصر کو اس شان سے جاتے دیکھ کر اس نے بدستی میں بعض ناملائم الفاظ کہہ کر کہا :-

”اے غلام ذرا مجھے دیکھ میں زمین پر پڑا ہوں اور تو متعقدین کا ایک گروہ ساتھ لے کر شان سے جا رہا ہے“

شیخ ابو نصر نے جڑبڑ جواب دیا :-

”اے شریف زادے! جانتے ہو یہ ایسا کیوں ہوا، بات یہ ہو کہ ہم تمہارے اجداد کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور تم میرے باپ داداؤں کے پیچھے ہو چلے“

— (ابو العطا سندھی) —

ابو العطا سندھی کا نام ہر عربی خوان نے سنا ہوگا۔ اس نے عربی ادب میں ایسا کمال پیدا کیا کہ قادر الکلام عرب شعرا کے پہلو میں جگہ پائی، ابو تمام نے اپنی مشہور کتاب حماسہ میں اسے بھی جگہ دی ہے۔

ابو عطا سندھی کا نام انفع اور اس کے باپ کا نام بیار تھا، بیار مع اپنے لڑکے کے غلام بنا کر سندھ سے عرب لے جایا گیا اور بنو ہمدان کا غلام بنا، کوفہ میں قیام تھا، انفع کی ابتدائی نشوونما کوفہ میں ہوئی، اس کے بعد وہ عنترہ بن سہاک بن حصین اسدی کا غلام بنا،

حب انفع کی جدوت طبع کے جوہر کھلے اور شعر و شاعری کرنے لگا، تو اس کے

آقا عشرہ بن سماک نے اس کے ذوق ادب کی قدر کر کے اسے آزاد کر دیا۔ لیکن جب رفتہ رفتہ ملک میں اس کی قدر دانی ہوئی اور صاحب ثروت ارباب ذوق اس کی شاعری کا اسے صلہ دینے لگے اور معاشی حیثیت سے اس نے خامی ترقی کر لی تو اس کے آقا عشرہ بن سماک کو لایج پیدا ہوئی، اس نے نئے سرے سے اس کے غلام ہونے کا دعویٰ کیا اب دشواری یہ تھی کہ اس کا کوئی ثبوت نہ تھا، کہ وہ واقعی آزاد ہو چکا ہو، یہ قہ اہل ادب و شعر کو ناگوار گزرا، ان لوگوں نے افلح کی حمایت کی اور اس پر معاملہ طے کر دیا، کہ وہ چار ہزار کے معاوضہ پر مکاتب بنالیا جائے یعنی جب وہ چار ہزار ادا کرے تو وہ آزاد ہو جائے عشرہ نے یہ شرط منظور کر لی۔

اس کے بعد افلح ایک ممتاز میں حرم عبداللہ قرشی کے پاس پہنچا، اور قصیدہ میں یہ صورت حال بیان کی اس نے ادب نوازی کا ثبوت دیا اور اسی وقت چار ہزار نقد دے دیئے، کہ جاکر اپنی گلو خلاصی کرائے چنانچہ وہ رقم ادا کر کے آزاد ہو گیا، آزادی کے بعد اس نے عشرہ کی شان میں بڑی سخت ہجو لکھی اور اس کے حرم کا اسے پورا فزہ چکھایا افلح کا اب یہاں تو آخر عمر تک عربی زبان صحیح طور پر نہ سیکھ سکا۔ صرف ٹوٹی بھوٹی زبان میں اپنا مفہوم ادا کر لیتا تھا، لیکن جیسا گزرا افلح کو بچپن سے زبان سیکھنے کا موقع ملا اور آگے چل کر ایسا قاور الکلام شاعر بنا کہ اس کے آگے زبان دان عرب شرمانے لگے، لیکن اس کے باوجود اس کے لب و لہجہ اور تلفظ میں ہندیت کا اثر باقی رہ گیا تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ وہ جیم کوزے اور شہین کوسین کرتا تھا۔ مثلاً اس نے ایک مرتبہ ایک موقع پر کہا، و یلک فحنما مدحتہ انجبا ہنز و قہ

یعنی

و یلک ما مدحتہ انجبا ہنز و قہ

اس میں اشعار پڑھنے اور فضائل سنانے میں اسے بڑی دقتیں پیش آتی تھیں، اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ ممتاز شعرا اپنے ساتھ راوی رکھتے تھے، وہ مجلسوں میں ان کا کلام سُنا یا کرتے تھے، اس غرض سے افلح نے سیمان بن سلیم کے دربار کا رخ

کیا اور اس کی شان میں ایک طویل قصیدہ سنایا اور اس میں اپنے عجمی ہونے اور مطلقہ کے صبیح نہ ہونے کا ذکر کیا، اور اپنے ملکہ شعری کا ذکر کر کے ایک راوی کے عطا کیے جانے کا ضرورت بتائی۔

سلیمان بن سلیم نے اس کی درخواست منظور کی اور ایک زبان دان بربری غلام عطا کیا جو بہترین طریقہ سے صبیح لب و لہجہ میں قصائد پڑھتا تھا، افعی نے اس کا نام عطا رکھا۔ اور اس کے نام پر اپنی کنیت ابو اخطا اختیار کی اور اُسے اپنا بیٹا بنا لیا۔ اور اس کے بعد ابو اخطا اسندی کے نام سے مشہور ہوا۔

اب جس مجلس میں قصیدہ پڑھنے کی ضرورت پڑتی عطا بڑے جوش و خروش سے پڑھتا اور ساری مجلس وجہ میں آجاتی،

ابو اخطا غصہ می شعرا میں گنا گیا ہو۔ اگرچہ اس نے عشقیہ قصائد بھی لکھے، تاہم اس کا خاص موضوع حماسہ تھا، بنو امیہ کا ثنا خوان تھا، ان کے مفاخر اور جنگی کارنامے قصائد میں بیان کرتا، اس لیے بنو امیہ کے خاص شعرا میں شمار کیا جاتا، بلکہ بنو عبس اور بنو امیہ کی لڑائی میں بھی شریک ہوا، اور اس کا راوی عطا اس جنگ میں مارا گیا۔ بنو امیہ کے خاتمہ پر اس نے بڑے پرورد مرثیہ لکھے۔

اس کی وجہ سے خلیفہ ابو جعفر منصور اس سے خاک کھاتا تھا لیکن اس کے لیے فرمانروائے وقت کی اطاعت ضروری تھی، اس لیے دربار میں حاضر ہوا کہ قصیدہ سنائے، ابو جعفر منصور اُسے دیکھ کر سخت برہم ہوا۔ اور سخت الفاظ میں خطاب کر کے اُس سے کہا:-

”تو ہی نے تو دشمن خدا، جو فاسق نصرت یار راوی کا یہ مرثیہ کہا ہو؟“

اور مرثیہ کے اشعار پڑھے اور پھر کہا:-

”خدا کا قسم میں اس کے بعد تیرے ساتھ کوئی سلوی نہیں کر سکتا؟“

ابو اخطا دوبارہ سے نکل آیا، اور پھر حنیفہ قصائد کہے جن میں بنو امیہ کے محامد بیان کیے، ان کے مصائب پر خون کے آنسو بہائے، اور پھر ان میں بھی بھوکے

ابو جعفر منصور کی ہجو کی اور وہ قصائد دار الخلافہ کے ہجے کی زبان پر آگئے ،
نصر بن یسار اموی جس کی محبت کے جرم میں وہ منصور کے دربار سے نکالا گیا
تھا، اس کا بڑا قد و دان تھا، ان دونوں کے دھچپ شاعرانہ لطائف کتابوں میں
مذکور ہیں اس نے اس کے قصائد پر بڑے حوصلہ سے انعامات دیئے۔ کسی قصیدہ پر دس ہزار
کسی پر چالیس ہزار، اسی طرح ایک موقع پر ایک خوبصورت قندھار یہ کینر مہر کی ۔

دوسرے امراء بھی اپنی ادب نوازی کا ثبوت دیتے رہتے تھے، ایک مرتبہ ابو لہذا
مکہ کے راستے میں ٹھہرا ہوا تھا اور اس کا خیمہ راستے کے کنارے پر سٹا سٹایا پڑا تھا، اور ہجو
نہیک بن معبد عطاردی کا گزر ہوا۔ اس نے پوچھا یہ کس کا خیمہ ہے، لوگوں نے بتایا ،
" ابو لوطا رہ رہی کا " اس نے غلاموں کو کچھ ساز و سامان اور کپڑے دے کر بھیجا کہ اس
کا خیمہ قرنیہ سے کھڑا کر کے اسے مرتب کر دیں، ابو لوطا نے جب یہ ساز و سامان دیکھا
تو اس کی شان میں ایک مدحیہ شعر بلند آواز سے پڑھا، اور وہ شعر قافلہ والوں میں
مشہور ہو گیا،

اس کے بعد ان دونوں کی ملاقات ہوئی، نہیک نے کہا " ابو لوطا اس شعر پر کچھ

اضافہ کرو۔ اس نے برجستہ جواب دیا ۔

میں نے نہیں آتا عطا کیا جتنا تم نے مجھے عطا کیا تھا، اگر تم اپنے عطیہ کو بڑھاؤ گے

تو میں بھی اپنے عطیہ میں اضافہ کروں گا "۔

معاشرہ شرار سے اس کی معاشرت نہ چٹکنیں بھی رہتی تھیں، اس عہد میں ابو دلامہ شہر
عرب شاعر تھا۔ ان دونوں میں خاصی نوک جھونک رہتی ابو عطا نے ابو دلامہ کے ایک نچر
کی ہجو مزاحاً لکھی، اس نے اپنا نچر فوراً فروخت کر ڈالا اور پھر ابو لوطا کی شان میں ایک
طویل ہجو بنی نظم لکھ ڈالی۔ اہل ادب نے دینوں قصیدوں سے خوب لطف اٹھایا۔

ابو لوطا نے خلیفہ منصور کے زمانہ میں وفات پائی

(مئی ۳۵۱ء)

سندھ و ملتان کی عربی حکومتیں

اہل اہل کے اثرات

سندھ اور ملتان کی تسخیر کی مہم محمد بن قاسم ثقفی کے ہاتھوں پہلی صدی ہجری میں مکمل ہو چکی تھی، اس کے بعد تقریباً

دور ولایت

سوا سو برس یہ ملک دمشق پھر بغداد کی حکومت کا جزو رہا، سندھ پر حملہ آمدی کی مہم عراق کے والی کی سرکردگی میں انجام پائی تھی۔ اس لیے سندھ کی حکومت والی عراق ہی کے ماتحت رہی اور وہیں سے خلیفہ المسلمین کی رسمی منظوری کے بعد فتوحاً و لاء نامزد ہو کر آتے رہے، چنانچہ حبیبہ بن ابی رزرا محمد بن قاسم کے بعد یزید بن کعبہ کی تقرری اہل اس کی وفات کے بعد حبیب بن مہلب کے تقرر سے سندھ کے داخلی امن و امان کو نقصان پہونچا۔ خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ۹۹ھ میں مہلب کو معزول کر کے عمرو بن مسلم باہلی کو امارت پر بھیجا اور سندھ کے نامسلمانوں میں سے ارباب اقتدار کو تبلیغی دعوت نامے براہ راست بھیجے جس سے متاثر ہو کر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ جن میں راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ بھی تھا۔ اس کے بعد حبیب آل مہلب نے خلافت سے بناوٹ کی تو اپنے سابق اثرات سے فائدہ اٹھا کر سندھ کو اپنا مرکز قرار دیا۔ و داہر ابن حمید یہاں ان کا سرغنہ بنا، مگر ہلال بن اعوذ تمیمی کی سرکردگی میں شکر آیا جس نے آل مہلب کا خاتمہ کیا۔ ۱۰۰ھ میں عمرو بن مسلم باہلی کے بھائے جنید بن عبدالرحمن الری یہاں کا گورنر بنا کر بھیجا گیا۔ راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے امان طلب کر کے برہمن آباد کو اپنا پایہ تخت بنا کر حکومت کرتا رہا جنید سے اس کے تعلقات خوش گوار نہ رہ سکے، دونوں میں جنگ آزمائی ہوئی جسے سنگھ مارا گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کیا اور وہ ٹبرہ کو

ماڑو اور گجرات گیا، پھر آگے بڑھ کر کشمیر کی سرحد تک پہنچا، ۱۱۱ھ میں حنیفہ صوبہ خراسان کا دالی بنا کر بھیج دیا گیا، اور یہاں کی حکومت کی باگ تیم بن زید بقیہ کے ہاتھ میں آئی، مشہور شاعر فردوق نے اسی کے نام اپنا مشہور قصیدہ لکھ کر بھیجا تھا۔ تیم کا سیاب حکمران ثابت نہ ہو سکا، اور جلد ہی اس نے وفات پائی، اور ملک میں عام ابتری پیدا ہو گئی، نو سندھ کی حکومت کی باگ عارضی طور پر دوبارہ حنیفہ کے ہاتھ میں دی گئی، وہ خراسان میں رہ کر یہاں کی دیکھ بھال کرتا رہا مگر حالت روز بروز ابتر ہوتی گئی، یہاں تک کہ دالی عراق کی طرف سے حکم بن عوانہ کلبی امیر سندھ بنا کر بھیجا گیا اور اس نے ایک قلعہ بند شہر کی بنا ڈال کر محفوظہ سے اس کو موسوم کیا اور اسی کو پایہ تخت بنا کر سندھ میں اسلامی حکومت کا پایہ تخت اور مسلمانوں کا مرکز قرار دیا، پھر اس نے امن و امان قائم کرنے کے لیے بھیج بھیجیں، اور ملک میں نئے سب سے امن و امان قائم کیا مفتوحات سے واپسی میں اس نے دوسرے شہر منصورہ کی بنا ڈالی۔ اور آخو میں بھی شہر اسلامی حکومت کا پایہ تخت بنا، ۱۲۱ھ یا ۱۲۲ھ میں حکم ایک لڑائی میں مارا گیا، اب عراق کی حکومت یوسف بن عمر ثقفی کے ہاتھ میں تھی، چنانچہ اسلامی حکومت سندھ کی باگ ڈور محمد بن قاسم کے بیٹے عمر دیکے ہاتھ میں دی گئی، جو یہاں اپنی شجاعت کے کارنامے انجام دے رہا تھا، عمر ثقفی کے دور میں بھلو کو فروغ حاصل ہوا، مگر وہ پامردی سے مقابلہ کرتا رہا، یہاں تک کہ دشمنوں کو شکست دی، اسی اثنا میں آل ہلب نے مروان بن یزید بن ہلب کی سرکردگی میں پھر سر اٹھایا، مروان قتل کیا گیا، اور یہ فتنہ بھی رفع ہوا، اس اثنا میں سندھ خلافت پر ہشام کی جگہ ولید آیا۔ اس نے ہشام کے داعیوں کو معزول کیا، اور ۱۴۵ھ میں عمر دین محمد ثقفی بھی معزول کیا گیا اور سندھ کی ولایت کی باگ یزید بن عرار کے ہاتھ میں آ گئی، یہ سندھ میں اموی سلطنت کا آخری دالی تھا اس دور میں دار الخلافہ حوادث و انقلابات کا شکار رہا۔ یہاں تک کہ خلافت کا خاتمہ ہوا

اور ۱۳۲ھ سے عباسیوں کے دور حکومت کا چہم لہرانے لگا عباسیوں کے دعاۃ اور اموی سلطنت کے مخالفین دور دور کے صوبوں میں پہنچ چکے تھے چنانچہ سندھ میں اموی سلطنت کا چراغ پہلے گل ہوا، منصور بن جمہور کلبی نے جو دار الخلافہ سے فتنہ برپا کرتا ہوا سندھ تک آ پہنچا تھا، ۱۳۱ھ میں ابن اسرار سے مقابلہ کر کے اس کو قتل کیا، اور اپنی آزاد حکومت قائم کر لی۔

منصور بن جمہور کلبی سے سندھ کی اسلامی حکومت کا دوسرا دور شروع ہوتا ہی، منصور نے اپنے بھائی منظور کو مغربی سندھ کے علاقہ قندابل اور دیبل وغیرہ کا حاکم بنایا اور خود حکومت سندھ کے انصرام میں مصروف ہو گیا، اس زمانہ میں خلافت عباسیہ کی طرف سے ابوسلم خراسانی مشرقی ممالک کا انچامیج تھا، اس نے سندھ کی ولایت کے لیے ابوسلم عبدالرحمن بن مسلم مجلس عبدی کو مامور کیا، وہ فوج لے کر دیبل پہنچا، یہاں منظور کلبی نے مقابلہ کیا، اور مارا گیا، یہ سن کر منصور خود آگے بڑھا، منصورہ کے قریب دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا، مجلس عبدی کو شکست ہوئی وہ گرفتار ہو کر ۱۳۳ھ میں قتل کیا گیا، ابوسلم خراسانی نے یہ رعدا د سن کر موسیٰ بن کعب تمیمی کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ سندھ پر حملہ آوری کے لیے روانہ کیا، اس نے منصور کو شکست دی، وہ فرار ہوا، اور صحرا میں پیاس کی شدت سے جان دی، اس طرح ۱۳۴ھ میں سندھ کی حکومت خلافت عباسیہ کے زیر اقتدار آئی۔

موسیٰ پہلا عباسی امیر سندھ تھا، کچھ دنوں یہاں مقیم رہا اور فتوحات انجام دیے پھر اپنے بیٹے عینیہ کو اپنا قائم مقام بنا کر عراق واپس گیا، عینیہ کا سیاب حکمران ثابت نہیں ہوا، ملک کے مقیم عرب باشندوں میں قبائلی جنگ شروع ہو گئی، قحطانی وزیر اوی قبیلے اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، اس نے سب کو قتل کر ایا، پھر اس کے خلاف بعض سازشیں بھی ہوئیں، بالآخر خلیفہ منصور نے ۱۴۲ھ میں عمر بن حفص حنکلی کو سندھ

لے ابن اثیر ج ۵ ص ۲۱۰، یعقوبی ج ۲ ص ۴۰۰، ذرہ تہذیب کو طوطی ج ۲ ص ۱۰۰، ابن اثیر ج ۵ ص ۱۰۰،

یعقوبی ج ۲ ص ۲۶۹، ذرہ تہذیب کو طوطی ج ۲ ص ۴۰۰، منصور ج ۲ ص ۴۰۰، ذرہ تہذیب کو طوطی ج ۲ ص ۴۰۰،

کا والی بنا کر بھیجا، عینہ لجاوت پر آمادہ ہوا، عمر بن حفص نے کامیاب پیش قدمی کی اور امان دے کر منصورہ پر قبضہ کیا، اور عینہ کو گرفتار کر کے دارا خلافت بھیج دیا۔ لیکن وہ وہاں پہنچنے سے پہلے ہی راہ میں قتل کر دیا گیا۔

عمر بن حفص کا دور حکومت کئی خلیفوں سے اہم ہو، اسی کے عہد حکومت میں شیبی اور خارجی دونوں فرقوں کے مبلغین سندھ میں وارد ہوئے، چنانچہ پہلے اہل شیبی خارجی فرقہ کا مبلغ حسان بن مجاہد ہمدانی سندھ میں داخل ہوا مگر عمر بن حفص سادات کا طرفدار تھا، خارجیوں کو اس کی حمایت حاصل نہ ہو سکی، اس لیے یہ مبلغین موصل واپس چلے گئے، دوسری طرف حضرت عبداللہ بن محمد معروف بہ عبداللہ الاشتر بن محمد بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن دارود ہوئے، عمر بن حفص نے اپنے فطری رجحانات سے ان سے چشم پوشی کی اس طرح وہ خود سندھ میں شیعیت کی تحریک کے فروغ پانے میں معاون بنا، حضرت عبداللہ بن محمد معروف بہ عبداللہ الاشتر بن محمد بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن دارود بنیرائی کی، اور رازداری کے ساتھ ان کو ایک راجہ کے حدود و حکومت میں ٹھہرا دیا اور یہ اپنے مشن کی تبلیغ میں مصروف رہے، اور شیعیت کی اشاعت ہوتی رہی، اتفاق سے ۱۱۱ھ میں خلیفہ المنصور کو حضرت عبداللہ الاشتر کے حالات معلوم ہو گئے، اس نے ان کی گرفتاری کا حکم بھیجا اس حکم کی تعمیل میں ایک دوسرے فدائی کو الاشتر کا نام لے کر یہاں سے دارا خلافت بھیجا جو وہاں قتل کیا گیا، المنصور کو اس واقعہ کی بھی آگاہی ہو گئی۔ مگر صورت حال ایسی تھی کہ وہ عمر بن حفص کے خلاف کسی جرم کا کوئی ثبوت نہ رکھتا تھا، اس کے ساتھ وہ اس کے تدبیر و دانائی کا قائل تھا۔ اس لیے اس نے اس کو سندھ کی ولایت سے ہٹا کر افریقیہ حبشے بڑے صوبہ کی ولایت پر مامور کر دیا، اور سندھ کی ولایت کا پرہیز ہشام بن عمرو ثقفی کو دیا جس نے ۱۱۱ھ میں یہاں آکر زمام حکومت سنبھال لی، المنصور نے ہشام کو بھی عبداللہ الاشتر کی گرفتاری کا حکم بھیجا، مگر درپردہ یہ بھی سادات کا ہونا تھا، اس نے ان کی گرفتاری سے اغراض کیا، مگر اس کے بھائی سفیع بن عمرو ثقفی نے اچانک

ان کے دستہ کو دیکھ لیا اور حملہ آور ہو کر قتل کر ڈالا، ہشام نے ان کے اہل و عیال اور محمد بن عبداللہ المعروف بہ ابن اشتر کو المصور کے پاس بھیج دیا جس نے اس لڑکے کو مدینہ منورہ کے عامل کے سپرد کر دیا، اگرچہ حضرت عبداللہ الاشتر نے سندھ ہی میں جام شہادت نوش کیا مگر شیعیت کے اثرات فنا نہ ہو سکے اور آگے چل کر شیعوں کی مستحکم حکومت سندھ میں قائم ہوئی، اس کے بعد ہشام ثعلبی نے توسیع مملکت کی فکر کی اور ہجروچ، مقان اور گندھار کو زیر اقتدار لایا، پھر وہ ۱۵۰ھ میں زخصت لے کر وطن گیا، اور وہی اس نے وفات پائی، سندھ کی ولایت پر عبداللہ بن خلیل تمیمی مامور کیا گیا، اس نے ۱۵۹ھ میں وفات پائی تو روح بن حاتم مقرر کیا گیا اس زمانہ میں ہندوستان کے خلافت سبکی مہم بھی جاری رہی، چنانچہ عربوں کے جنگی بیڑے ساحل گجرات سے آکر ٹکرائے، خلیفہ ہمدی کا بھیجا ہوا ایک عربی بیڑا گجرات کے ساحل پر عرب تاجروں کے کسی زراع کے سبب سے آیا تھا اس بیڑے میں حضرت ربیع بن صلیح سعدی تابعی بھی تھے اور جزائر ہند میں سے کوئی جزیرہ ان کا ابدی خواب محاہ بنا۔

ادھر سندھ کی ولایت میں جلد از جلد تغیر و تبدل ہوتا رہا، چنانچہ ۱۵۹ھ میں روح بن حاتم جو دالی ہو کر آیا تھا۔ اسی سال وہیں بلا لیا گیا اس کی جگہ بطام بن عمر کو دی گئی، مگر ۱۶۰ھ یا ۱۶۱ھ میں وہ بھی طلب کر لیا گیا، اور روح بن حاتم کو دوبارہ بھیجا گیا، مگر چند ہی مہینوں میں اس کی ناکامی پھر آشکارا ہوئی تو نصر بن محمد بن اشعث خزاعی دالی سندھ ہو کر آیا۔ مگر وہ بھی اسی سال وہیں بلا لیا گیا، اور سندھ کی زمام سلطنت ایک ہاشمی محمد بن سلیمان بن علی کے ہاتھ میں دے دی گئی، جس نے عبدالملک بن شہاب مسمیٰ کو اپنا نائب بنا کر بھیجا، جو اس سے پہلے بھی سبکی حملہ میں آچکا تھا مگر اس کی نیابت بھی قائم نہ رہ سکی، اور نصر دوبارہ مقرر ہو کر آیا، پھر زہر بن عباس

۱۵۰ھ اشیرج ۵۵ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹ ۱۱۰ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

اس عہدہ پر بھیجا گیا، اس کے بعد یحییٰ بن عمر ثعلبی کے ہاتھوں میں اس کی ولایت کی باگ لائی، اس دور میں یہاں غنی و حجازی نزع شباب پر پہنچ گئی تو نصر بن محمد بن اشعث تیسری مرتبہ یہاں عدلی ہو کر آیا، اور ۱۶۴ھ سے ۱۶۵ھ تک کامیاب حکمرانی کر کے وفات پائی۔

اس کے بعد خلیفہ ہمدانی نے اپنے غلام لیث بن طریف کو اس عہدہ پر مامور کر کے بھیجا مگر سندھ میں داخلی جدائی کا دور دورہ ہو چکا تھا۔ اس نے اس کو فرو کیا تو جاٹوں نے منظم بغاوت کی، خلیفہ ہمدانی نے لشکر بھیج کر لیث کی مدد کی، ۱۶۵ھ میں یہ بغاوت فرو پھٹی اس کے بعد ہارون رشید کی خلافت کا دور آیا۔ اس نے ۱۶۵ھ میں سالم یونسی کو والی بنا کر بھیجا اس نے چار سال حکمرانی کی، اس کے بعد ۱۶۷ھ میں اسحاق بن سلیمان ہاشمی آیا، وہ اسی سال وفات پا گیا تو اس کا لڑکا یوسف بن اسحق اس کا قائم مقام بنا،

اس کے بعد خلیفہ ہارون رشید نے طیفور بن عبداللہ بن منصور کو والی بنا کر بھیج دیا، اور ملک میں قبائلی لڑائی پھر شروع ہو گئی تو جابر بن اشعث طائی آیا، اس کی ناکامی پر سعید بن سلیم بن قتیہ مقرر کیا گیا، اس نے اپنے بھائی کشیر بن مسلم کو اپنا نائب بنا کر بھیج دیا، تو مزید جدائی پیدا ہوئی اس لیے عیسیٰ بن جعفر بن منصور عباسی کو اس ولایت کی مہم سپرد ہوئی۔ اس نے محمد بن عدلی ثعلبی کو اپنا قائم مقام بنایا، اس نے سندھ میں ناکامی کے بعد ملتان کا رخ کیا، وہاں بھی ناکام رہا تو عبدالرحمن بن یحییٰ کا والی بنا کر بھیجا گیا، پھر ایوب بن جعفر بن سلیمان آیا۔ ان پے ورپے ناکامیوں کے بعد ہارون رشید کی نگاہ انتخاب آل مہلب پر اٹھی اب اس نے ۱۶۸ھ میں داؤد بن یزید بن یزید بن حاتم مہلبی کو سندھ کی عثمان حکومت دی،

داؤد مہلبی نے پہلے مغیرہ کو اپنا نائب بنا کر بھیجا، سندھ میں ان دنوں عربوں کی قبائلی خانہ جنگی برپا تھی، مغیرہ نزاریوں کو مطیع کرنے میں ناکام رہا اور واقعات کی اطلاع داؤد کے پاس بھیجی، تو وہ خود سندھ آیا اور اپنی سخت گیریوں سے سندھ

سے نزاریوں کی طاقت کا خاتمہ کیا، اور تقریباً ۲۰ سال تک امن و امان سے حکومت کرتا رہا، بشیہ میں اس کی وفات کے بعد مامون نے اس کے بیٹے بشر کو یہاں کی سندھولایت بھیجی، اور دس لاکھ درہم (۲ لاکھ روپیہ) سالانہ خراج مقرر کیا بشر چند سال حکمرانی کرتا رہا، مگر پھر خراج کا بھیجا بند کر دیا، اور اطاعت سے انحراف کیا، تو مامون نے پہلے ۲۱۱ھ میں حاجب بن صلح کو بھیجا بشر نے اس کو شکست دی تو ۲۱۲ھ میں عثمان بن عباد مہلبی اور اس کے بھائی محمد بن عباد کو سندھ کے معاملات درست کرنے کے لیے بھیجا، انھوں نے آکر ۲۱۳ھ میں سندھ کو اپنے اقتدار میں لے لیا، پھر یہاں کے معاملات کو یکسو کر کے وہ بشر کو ساتھ لے کر ۲۱۴ھ میں بغداد واپس آگیا، اور مامون کے حکم کے مطابق سندھ کی حکومت کی عثمان ہارون رشید کے مشہور وزیر خالد برکی کے بڑے بیٹے بن یحییٰ برکی کے سپرد کر دی، اور وہ حسن انتظام سے خدمت انجام دیتا رہا، ۲۲۱ھ میں اس نے وفات پائی، تو اس کے بیٹے عمران کو یہاں کی حکومت تفویض ہوئی، اس نے مغربی علاقوں کے جاٹوں کی قوت توڑ دی، اسی طرح مید قوم کی طاقت کا خاتمہ کیا۔ نیز چند دوسری بغاوتوں کو سر کیا، اور بعض نئے شہروں پر قابض ہوا، سندھ کے مشہور شہر البیضا کی تعمیر اس کے ہاتھوں انجام پائی پھر سندھ میں مہلبی و زاری قتلہ اٹھا تو عمران یانیوں کی طرف مائل ہو گیا، عمر بن عبد العزیز مہلبی نے جو رفتہ رفتہ حجازوں کا سردار بن گیا تھا، اور قریشیوں کو خصوصاً اپنے گرد اکٹھا کر لیا تھا عمران کو ۲۲۲ھ میں قتل کر دیا، اس کے بعد عقبہ بن اسحق ضبی سندھ کی ولایت پر مقرر کیا گیا۔

سندھ اس زمانہ میں مین کے دالی کی نگرانی میں سمجھا جاتا تھا، خلیفہ متوکل نے یہاں کے ترکی دانی ایتاخ کو گرفتار کرایا۔ تو عقبہ کو اپنا مستقبل تاریک نظر آیا، وہ سندھ میں ایتاخ ہی کا فرستادہ تھا، وہ بلا طلب دربار خلافت میں حاضر ہو گیا، خلیفہ نے ۲۲۳ھ میں ہارون بن خالد مروزی کو سندھ کا والی بنایا۔

اس اثنا میں سندھ میں حجازی طاقت ورجو چکے تھے ان کے سردار عمر بن عبد العزیز

ماہر ان فن و عیّان | سندھ میں گورنروں کی حکومت کا زمانہ سوا سو برس سے زیادہ رہا اس زمانہ میں ہندوستان سے مرکزی حکومت بغداد کے گونا گون

[illegible]

تعلقات استوار ہوئے، خصوصاً یہاں کے اطباء اور وید ہندو میں بلائے گئے اور ممتاز عہدوں پر سرفراز کئے گئے، خلیفہ ہارون رشید نے اپنی علالت کے زمانہ میں یہیں کے اطباء سے اپنا خاص طور پر علاج کرایا اور ہندستان کے مختلف علوم و فنون سنسکرت سے عربی و فارسی زبان میں نقل کئے۔

غرب مورخین نے ابن دہن ہندی کے نام سے ہندستان کے ایک ماہر طبیب کا ذکر کیا ہے۔ وہ ہندو کے بیمارستان برہمہ کا افسر تھا اس نے عربی زبان کی بھی تحصیل کی، طب کی کئی کتابوں کا سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کیا، ابن ندیم نے اپنی فہرست میں ان کا تذکرہ کیا ہے،

ایک دوسرے ماہر فن صانع بن بہلہ ہندی کا ذکر امتیاز سے آیا ہے، ابن ابی صیبعہ نے اپنی طبقات الاطباء میں اور قفطی نے اخبار الکمار میں اس کا تذکرہ کیا ہے اس کی مہارت فن کا ایک عجیب واقعہ بیان کیا جاتا ہے، ہارون رشید کا چچا ابراہیم بن صامع بیمار تھا، اطباء اس کے علاج سے مایوس ہوئے، آخری ساعتیں آگئیں اس موقع پر ابن بہلہ نے اس کا معائنہ کیا اور یقین کے ساتھ اس کے صحت یاب ہونے کی پیشین گوئی کی، ہارون رشید نے کہا کہ وہ غیب کے علم کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا غیب کا علم تو وہ ہے جو بلادلیل یقین کے ساتھ کہا جائے میں ان کے صحت یاب ہونے کے دلائل رکھتا ہوں، ہارون رشید مطمئن ہو گیا، کچھ دیر کے بعد قاصد ابراہیم کے گھر سے اس کی وفات کی خبر لے کر آیا، ہارون رشید سخت برہم ہوا، چچا کے گھر پر پہنچا اس کو غسل دے کر کفنا یا جا چکا تھا، ابن بہلہ خاموش رہا پھر جرات کر کے اس نے کہا، میں اب بھی کہتا ہوں اس کی موت نہیں آئی ہے۔ مجھے صرف اندر جانے کی اجازت دی جائے۔ لاش کے پاس پہنچ کر دہلیز ہاتھ کے اگھوٹے میں اس نے سوتی چھوئی۔ اس میں حرکت پیدا ہوئی اور ہارون رشید کو ہلاک دکھایا، پھر غسل دلایا کہ کفن اور حنوط میں اپنے کو دیکھ کر اس کے قلب کی حرکت بند نہ ہو جائے، پھر فوری علاج کیا، اور وہ صحت یاب ہو کر ستر سے اٹھ گیا

ابراہیم اس کے بعد مدتوں زندہ رہا، عباسہ بنت مہدی سے اس کی شادی ہوئی اور مصر و طبلین کی ولایت پر مامور ہوا، اور وہیں وفات پائی، ہارون رشید خصوصاً اس واقعہ کے بعد ہندوستانی اطباء اور ویدوں کی حذات و مہارت فن کا غیر معمولی طور پر اعتراف کرنے لگا۔

اسی طرح منکہ ہندی کے نام سے ایک مشہور ماہر فن ہندوستانی طبیب تھا، خلیفہ ہارون رشید نے اس کی مہارت فن کی شہرت سُن کر اس کو اعزاز و اکرام سے بنداؤ میں خود اپنے علاج کے لیے بلوایا اور مایوس ہونے کے بعد مجبوریاً حاصل ہوئی، منکہ ہندوستان کے ممتاز ذی علم فلاسفہ میں سے تھا۔ عربی و فارسی زبانوں پر بھی عبور حاصل کیا، اور بکثرت کتابیں سنسکرت سے عربی و فارسی زبانوں میں منتقل کیں، ابن ابی حلیبہ اور ابن ندیم وغیرہ نے اس کا تذکرہ کیا ہے، اور اس کی تصنیفات اور ترجموں کی فہرست نقل کی ہے،

اس عہد میں سندھ کے ممتاز اعیان و علما میں منصور بن حاتم نحوی کا ذکر آیا ہے، وہ آل خالد بن اسید کے موالی میں سے تھا اور ہندوستان میں مقیم تھا بلکہ انہوں نے اپنی فتوح البلدان میں ہندوستان کے متعلق معلومات اس کی روایت سے نقل کئے ہیں۔

شیخ ابو علی سندھی اس دور کے ممتاز شائخ میں سے تھے، مشہور شیخ طریقت ابو یزید طیفور بن عینی بطامی متوفی ۲۶۱ھ کے شیوخ میں سے تھے، حضرت بطامی فرماتے ہیں: ”مجھے توحید و حقائق کی تعلیم ان ہی نے دی“ شیخ ابو نصر عبد اللہ بن علی سراج طوسی نے بھی ان کا تذکرہ اپنی مشہور تصنیف کتاب اللع میں کیا ہے۔
فرما نروایان ہمارے | ہمارے اسود قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنو ہند

میں سے تھا اس کی اولاد میں سے منذر بن زبیر، سندھ کے والی حکم بن عوف کے ساتھ سندھ آیا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اس کا پوتا تھا جس نے قبائلی نزاع

میں قریش کی سرداری اختیار کی اور ۲۳ھ میں خلیفہ المتوکل سے سندھ کی سند
ولایت حاصل کی، سندھ میں اس کا آبائی وطن شہر منصورہ کے قریب مقام بانیہ
تھا، وہ یہیں سے سندھ پر حکمرانی کرتا رہا، اس کے بعد اس کا بیٹا عبداللہ بن عمر
ہباری (۲۴ھ) اس کا جانشین ہوا

سندھ کا قدیم پایہ تخت برہمن آباد (بہنوا) تھا، پھر بیاسی اور فوجی ضرورتوں
سے جیسا کہ اوپر گزرا چند نئے شہر محفوظ، بیہنا اور منصورہ آباد کئے گئے تھے، ۹۲ھ
میں بونکندہ کے موالی میں سے ایک سردار صمد نے بغاوت کر کے منصورہ پر قبضہ کر لیا۔
عبداللہ ہباری نے اس کو شکست دی اور منصورہ واپس لیا، اور غالباً اسی زمانہ
میں عبداللہ نے بانیہ کے بجائے منصورہ کو اپنا مستقر بنایا، اور اس وقت سے
مستقل طور پر یہی شہر سندھ میں اسلامی سلطنت کا پایہ تخت رہا۔ یہ وہی شہر ہی
جو آج کل ہکر کے نام سے مشہور ہے۔

عبداللہ کے بعد اس کا بیٹا ابوالمنذر عمر (۹۵ھ) تخت نشین ہوا، اس
نے اپنی فتوحات سے حکومت کا دائرہ کچھ وسیع کیا، اس کے بعد اسی طرح یکے
بعد دیگرے اس خاندان کے حکمران ہوتے گئے یہاں تک کہ ۱۱۱ھ کے بعد
سومری قرامطہ نے ان کا خاتمہ کیا۔

ہباریوں کا عہد حکومت | ہباریوں نے تقریباً ڈھائی سو برس حکمرانی کی،
اس سلطنت کے شہروں میں دیبل، زند، کدارماطل، بانیہ، سدوسان،
الور، سوبارہ اور جمپور وغیرہ تھے، یہاں کی زبان سندھی عربی ہو چکی تھی
عوام سندھی اور خواص عربی و سندھی دونوں جانتے تھے،

تجارت کو فروغ حاصل تھا، بحری و بری دونوں رستوں سے تجارت کا
وسیع سلسلہ قائم تھا، لین دین کے لیے سونے کا سکہ جاری تھا، لباس عوامی و

ہندوستانی طرز کا ملا جلا تھا۔

خلافت بغداد سے تعلق | ہزاریوں کے دور حکومت میں سندھ میں خلیفہ بغداد کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، خلفائے عباسیہ اس کو اپنی ولایت میں تصور کرتے تھے، چنانچہ ۱۱۷ھ میں خلیفہ معتز نے یعقوب صفاری کی سند ولایت میں سندھ کے علاقہ کو بھی داخل کیا ہی جس کے معنی یہ تھے، کہ اب سندھ کا تعلق حاکمین میں سے علویہ ہو کر حاکم کرمان و بستان سے قائم کیا گیا، مگر یہ محض رسمی تعلق تھا، عرب و ہند کے تعلقات میں اضافہ | اب اس ہمسہ اس زمانہ میں سندھ و عرب کے تعلقات میں اضافہ ہوا، بہ کثرت عرب سیاح ہندستان آئے۔ اور یہاں کے معلومات کو اپنی تصنیفات میں قلم بند کیا اور آج تہا وہی ماخذ میں جن سے اس عہد کے حالات معلوم کئے جاسکتے ہیں۔

قصائد | سندھ کے عہدہ تفصیلات کے لیے ۲۸۳ھ میں شیخ محمد بن

ابو اشوارب کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس منصب کے لیے وہ خلیفہ بغداد کی طرف سے منتخب کئے گئے تھے، مگر خد مہینوں سے زیادہ اس خدمت کو انجام نہ دے سکے اور سندھ ہی میں وفات پائی۔ اس کے بعد یہ منصب بھی ان کے خاندان میں موثر ہو گیا، اور آل ابی اشوارب ہی کے ذوی علم افراد اس منصب پر مامور ہوتے رہے۔

منصورہ کے قضاۃ میں شیخ ابو احباس احمد بن محمد صانع منصورہ سندھی کی حلی القدر شخصیت بھی گذری ہی، یہ مذہب داؤد ظاہری کے متبع تھے، حافظ ابو عبد اللہ حاکم صاحب المستدرک کے شیوخ میں سے تھے، حاکم نے اپنی المعجم میں

لے مروج الذہب ج ۱ ص ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱

ان کا تذکرہ کیا ہے، مقدسی ان سے منصورہ میں ملا تھا، وہ اپنی تصنیف جن تقائیم میں لکھتا ہے۔

” میں قاضی ابوالعباس منصور سے ملا، وہ داؤدی اور اپنے

مذہب میں امام ہیں، درس و تدریس کا شغل ہو اور صاحب

تقائیم ہیں۔ کئی اچھے کتابیں انھوں نے تصنیف کی ہیں “

ابن ندیم نے ان کی تصنیفات کی ستائش کر کے ان کی تین کتابوں، کتاب البصاح

کتاب الہادی و کتاب النیر کا تذکرہ کیا ہے، صحافی کی کتاب الانساب میں بھی ان کا ذکر آیا ہے۔

شیخ موسیٰ بن یعقوب ثقفی سندھی اردور کے قاضی تھے، پھر سندھ کے

قاضی القضاۃ ہوئے اتمش کے زمانہ تک ان کا خاندان اردور میں عہدہ قضا پر مامور رہا، کمال الدین اسماعیل بن علی محمد محمد ثقفی ^{۱۱۳۶ھ} میں اردور کی قضا پر مامور تھے، مشہور تاریخ بیچ نامہ انہی کے بزرگوں نے لکھی تھی، جس کو ابن علی کوئی نے فارسی میں ترجمہ کیا۔

سندھ کے چند دوسرے حکمران خاندان | سلطنت ہباریہ منصورہ نے گویا سندھ اور ان سے سلطنت ہباریہ کے تعلقاً کی مرکزی حکومت کی حیثیت اختیار کر لی تھی

اس کے ساتھ، سندھ کے مختلف علاقوں میں جا بجا دوسرے مسلمان اور نامسلمان حکمران بھی اپنی حکومت سنبھالے تھے ان کا ذکر ابن حوقل نے اپنے سفر نامہ میں کیا ہے، یہ حکمران گویا سلطنت ہباریہ کے باج گزار تھے، ان میں سے بیشتر سے اس کے تعلقات خوش گوار تھے، اور غیر مسلم حکمران اسلام کے متعلق بھی استغفار کرتے رہتے، اور دعاۃ ان کے پاس جاتے اور وہ اسلام کی تعلیم ان کے سامنے پیش کرتے، پیٹلہ میں ایک غیر مسلم راجہ نے جس کا نام عرب مورخین نے ”مہراک بن رامک“ لکھا ہے، سندھی

۱۵ ذی ہجہ الخواطر ج ۱ ص ۶۵ بحوالہ مقدسی وابن ندیم و صحافی، ۱۵ بیچ نامہ ص ۶۰، ۶۱، ۶۲ در تاریخ

زبان میں اسلام کی تعلیمات لکھ کر طلب کیں، وہ اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہوا
پھر سندھی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر لکھوا کر پڑھتا رہا، اور دل سے اسلام
لے آیا۔ اس نے سلطنت کے زوال کے خطرہ سے اگرچہ اپنے اسلام کا اعلان نہیں
کیا، مگر عبادت کے لیے ایک علیحدہ عمارت بنوائی اور اس میں عبادت و ریاضت میں
مشغول رہنے لگا۔

خاندان سومرہ | سومرہ سندھ کی مخلوط نسل قبیلہ سے تھے، جنھوں نے چوتھی
صدی کے آخر اور پانچویں صدی کے اوائل میں عروج حاصل کیا، اور سندھ کے بعض علاقوں
پر ایک زمانہ دراز تک حکمرانی کرتے رہے، یہ ابتداً سلاطین ہباریہ کے ماتحت تھے
آگے چل کر شیعی عقیدے قبول کئے، پھر ہباریہ سلطنت کو ان کے ہاتھوں زوال آیا
لیکن مندرجہ زیادہ دنوں تک ان کے قبضہ میں نہ رہ سکا، ۱۶۷ھ میں محمود غزنوی
نے ان کے ہاتھوں سے اس کو چھین لیا۔

بایں ہمہ ان کی حکمرانی کا زمانہ پانچ سو پانچ برس تک جاری رہا، دفعۃً اگرچہ
ج ۳ ص ۳۴، مگر ان بھی ان کے زیر اقتدار آگیا تھا، شہاب الدین غوری نے
اس کو ان سے چھینا

بنو سامرہ | عمان کی یہ حکومت سندھ کی مذکورہ بالا حکومت کے حدود
ہی سے کٹ کر قائم ہوئی تھی، اس کے حدود کی وسعت پچھیم طرف مکران اور کھن
میں منصورہ کے حدود تک تھی، جس میں ایک لاکھ میں نچاؤن آباد تھے، یہاں
تیسری صدی ہجری کے آخر میں (۳۹۹ھ) بنو سامرہ نے اقتدار حاصل کیا، وہ
مامون کے زمانہ سے معتصم (۳۲۷ھ) کے دور تک سندھ کے شہر سندان
کے حکمران تھے، اور وہی عمان پر قابض ہوئے، ۳۹۲ھ میں یہاں کا حکمران

۱۔ محاسب الهند بزرگ بن شہریار ص ۳ ۲۔ مروج الذهب ج ۱ ص ۳۷۸، ۳۸۱، ۳۸۲
ص ۳۷۹، ۳۸۱، ۳۸۲، بلاذری ص ۴۵، ۴۶، ابن اثیر ج ۱ ص ۲۴۳، ابن خلدون
ص ۲، ۳، طبقات مصری ص ۱۱۶ ۳۔ مسودہ ج ۱ ص ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱

ابو اللباب منبہ بن اسد قریشی تھا اس کی نسبت سے ان کو بنو منبہ بھی کہا جاتا ہے، ۳۸۰ء میں اسماعیلیوں نے اس سلطنت کا خاتمہ کیا،

اسماعیلی قرامطہ | سندھ میں مصر کے فاطمی اسماعیلیوں کا پہلا داعی ۳۸۵ء میں آیا، اور مخفی طور پر کام انجام دے کر جب یہاں زمین تیار ہو گئی، تو فاطمی خلیفہ عبد العزیز باللہ نے ۳۹۹ء میں حلیم بن شیبان کی سرکردگی میں فوج بھیجی، جس نے اچانک حمایر کے ۶۶۶ء میں بنو سامہ کی حکومت ختم کر کے اپنی حکومت قائم کر لی،

اس اسماعیلی سلطنت کا رشتہ مصر کے فاطمی خاندان سے قائم ہو گیا، ۳۹۹ء میں شیخ حمید ۳۹۹ء میں شیخ نصر، پھر اس کا لڑکا ابو الفتوح داؤد تخت نشین ہوا، داؤد ۳۹۹ء میں محمود کے خلاف بیچے رائے کی مدد میں صف آرا ہوا، اس لیے محمود دوسرے سال ۳۹۹ء میں اس کی گوشمالی کے لیے آیا، اس نے اس کی طاعت قبول کر لی مگر چند ہی سال بعد جب راجہ لاہور کی سرکردگی میں ۳۹۹ء میں محمود کا مقابلہ کیا گیا، تو ابو الفتوح داؤد نے پھر فوجی کمک کے ساتھ اس لڑائی میں محمود کے خلاف شرکت کی اس لیے محمود نے ۳۹۹ء میں ملتان پر حملہ کیا، داؤد کو بچ کر غزنی لے گیا، اس کے بعد اسماعیلیوں نے منصورہ پر قبضہ کر لیا، جس کا خاتمہ محمود غزنوی نے ۴۱۹ء میں کیا، اور سندھ و ملتان دونوں کی حکومتیں غزنوی سلطنت کا حصہ بن گئیں، لیکن آگے چل کر غزنوی سلطنت میں کمزوری آنے کے بعد قرامطہ نے سندھ میں پھر سراٹھایا، بالآخر شہاب الدین غوری نے ان کا خاتمہ کیا۔

۳۔ نظام حکومت اور تمدن و تہذیب (۴)۔

ہندستان میں سندھ و ملتان کی ان عربی حکومتوں کے مستقل اثرات یہاں قائم ہوئے، ان کا طرز عمل خیبر کے دروں سے آنے والے مسلمانوں سے مختلف تھا، ————— ان کا مستقل نظام

حکومت تھا، فوجی چھاؤنیاں قائم تھیں۔ سرکاری دفاتر، شفاخانہ، عدالت
 فقہا، رسدخانہ اور مصطلب وغیرہ کے جداگانہ شعبے تھے، چراگاہوں کے لیے
 وسیع میدان چھوڑے جاتے تھے۔ گھوڑوں کی نسل کی افزائش کی جاتی تھی، ہکاری
 محال شریعت کے حکم کے مطابق وصول ہوتے تھے، مسلمانوں سے صدقہ و زکوٰۃ
 اور نامسلمانوں سے جزیہ کے سوا کوئی رقم نہ لی جاتی تھی، جزیہ کی رقم جان و
 مال کی حفاظت کے معاوضہ میں لی جاتی تھی، اگر انھیں کسی شہر سے ہٹا پڑتا تو وہ
 جزیہ کی وصول شدہ رقم اس سال کی واپس کر دیتے تھے، جزیہ کی یہ رقم موجود
 حساب سے امیروں سے دس روپیہ سالانہ، متوسط طبقہ سے پانچ روپیہ اور
 غریبوں سے ڈھائی روپیہ سالانہ وصول کی جاتی تھی اور اس سے بوڑھے
 بچے، عورتیں، اور نہ کما سکنے والے مزدورین مستثنیٰ تھے۔ مسلمانوں سے
 ڈھائی روپیہ سیکڑہ ان کی آمدنی پر زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی، اور زمین
 کی پیداوار میں دسواں حصہ مسلمانوں سے اور نامسلمانوں سے خراج کی
 وہ رقم جو پہلے کی حکومتوں کو وہ دیتے آئے تھے، موصول ہوتی تھی
 سندھ کی مجموعی مال گزاری ایک کروڑ پندرہ لاکھ درم یعنی ساڑھے چالیس
 لاکھ روپے تھی، سندھ کا جو رقبہ تھا اس میں موجودہ سندھ و بلتال
 اور پنجاب کے بعض اضلاع شامل تھے، مسلمانوں کے مقدموں کے فیصلے
 محکمہ تقاضے شریعت کے اصول کے مطابق ہوتے تھے، ہندوؤں کو اپنے شاستر کے مطابق
 فیصلے کرنے اور قوانین وضع کرنے کا حق حاصل تھا، انھیں مکمل شہری آزادی
 حاصل تھی، وہ اپنے عقائد و عبادت کا اختیار رکھتے تھے، ان کے مندروں کا
 احترام اسی طرح کیا گیا، جیسے یہود و نصاریٰ کے معابد کا، ملتان کے مندر کے
 وہ محافظ و منتظم تھے۔

البتہ اسماعیلی قرمطی کی روش ان عربوں سے جداگانہ تھی، ان کے

بانیِ جہلم بن شیبان نے ملتان کے قدیم مندر کو ڈھا کر جامع مسجد بنالیا، اور محمد بن قاسم لکھی جامع مسجد کو بند کر دیا، لیکن رفتہ رفتہ اس پاس کے ہندو راجاؤ سے ان کا ربط و ضبط بھی قائم ہو گیا، جو اتنا آگے بڑھا، کہ جب محمود غزنوی نے پنجاب پر حملہ کیا تو راجہ جے پال کی مدد کے لیے جو فوجیں آئیں ان میں جہلم کے باشندے داؤد کی فوجیں بھی تھیں،

اس دور میں نامور علماء و محدثین بھی پیدا ہوئے، صنعت، و حرفت، تجارت، زرعت، میں ہندو مسلمان برابر کے شریک تھے، مقدسی وادریسی کے بقول وہ نہایت شایستہ شہری تھے، ہندو مسلمانوں کے میل جول سے اسی زمانہ میں ”ہندی اسلامی تمدن“ کی آمیزش سے ایک نیا تمدن اور ”سندھی عربی“ کے ملنے سے ایک نئی زبان کی داغ بیل پڑی جو آگے چل کر ہندوستانی تمدن اور ہندوستانی زبان سے موسوم ہوئی، مصطفیٰ رحمتؐ نے لکھا، کہ ملتان کا امیر ہاتھی پر سوار ہو کر جمہ کی نماز کے لیے جامع مسجد جاتا ہے۔ یہ ہندو راجاؤں کے پریشان شکوہ جلوس کی ایک نقل تھی، پھر کہتا، کہ ملتان کے لوگ پا جامہ پہنتے ہیں، اور اکثر لوگ فارسی اور سندھی بھی بولتے ہیں، اس طرح ہندو مسلمانوں میں زبان اور لباس کی یکسانی پیدا ہونے لگی تھی، ابن حوقل (۳۶۷ھ) یہاں کے طرز زبان اور لباس کے متعلق لکھتا ہے۔

”یہاں مسلمانوں اور ہندوؤں کا لباس ایک ہی طرح کا ہے، اور بالوں کے چھوڑنے کا بھی وہی ایک طریقہ ہے، اور اسی طرح ملتان والوں کی وضع ہے..... عربی و سندھی بولی جاتی ہے..... کرتوں

کا لباس نمایاں ہو مگر تاج و تہیں اور چادر استعمال کرتے ہیں“

بشاری ۷۷۷ھ میں آیا تھا، اس نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے یہاں کے اخلاق و حاشیات کا اندازہ ہوتا ہے، لکھتا ہے:-

”..... کئی کئی منزل کے مکانات ہیں۔ یہاں بدکاری اور شراب اڑکا

نہیں..... سرسبزی اور دولت ہو۔ بیوپار کی حالت بھی اچھی ہو
 مختلف دستہ نمایان ہو، حکومت منصفانہ ہو، بازار میں کوئی عورت
 بناؤ سنگھار کئے ہوئے نہیں ملے گی اور نہ کوئی اس سے علانیہ ہتہ
 میں بات کرتا ہو، زندگی عیش و مسرت اور خوش دلی اور عروت کی ہو
 جسم میں سندرستی ہو، لیکن شہر گندہ ہو، مکانات تنگ ہیں،
 ہوا خشک اور گرم ہو، رنگ گندم گوں اور سیاہ ہو۔

اہل علم و اعیان | سندھ اور ملتان کی ان حکومتوں کے دور میں ممتاز اہل علم
 پیدا ہوئے، جنہوں نے مختلف علوم حدیث، تفسیر، فقہ، نحو ادب اور شعر و شاعری
 میں تبحر حاصل کیا اور ہندستان کے اس بالائی حصہ میں علم کی روشنی پھیلانی، یہ
 دور عالم اسلام میں علم حدیث کی اشاعت و فروغ کا تھا اس لیے ہندستان میں
 بھی ممتاز محدثین پیدا ہوئے اور اپنے علم کے سرچشموں سے ہندستان کو سیراب
 کیا اور ہندستان کے مختلف علمی مرکزوں کی روایتیں ہندستان میں لائے اور
 ہندستان سے روایتوں کو عالم اسلام میں لے گئے۔

چنانچہ اس دور کے محدثین میں سے شیخ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن عبد شہر
 دیلمی سندھی کا تذکرہ صحابی نے کتاب الانساب میں اور یاقوت حموی نے معجم البلدان
 میں کیا ہے۔ ان کے شیوخ حدیث میں موسیٰ بن ہارون اور محمد بن علی صانع وغیرہ تھے
 شیخ علی بن موسیٰ دیلمی ممتاز محدثین میں سے تھے۔ ان کے ارشد تلامذہ
 میں شیخ خلف بن محمد موزینی دیلمی تھے شیخ خلف بن محمد موصوف نے
 بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہاں اپنے شیخ کی
 روایتیں بیان کرتے تھے، شیخ ابواسمٰء بن محمد بن عمر ان ابن جندی ان کے تلامذہ

۱۰ ابن حوقل ص ۲۲۲، ابن النقیس مقدسی ص ۴۰۰ عرب و ہند کے تعلقات۔

پانچواں باب، تاریخ ہند بخشی ۱۱، تیسرا باب

میں تھے، سماعی نے کتاب الانساب میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

شیخ ابو القاسم شعیب بن محمد معروف بہ ابن ابی قلعان دیلمی جو قحی صدی کے محدثین میں سے تھے، مصر میں وارد ہوئے، وہاں کے محدثین نے ان کی روایتیں اس شیخ ابوسعید بن یونس ان کے تلامذہ میں سے تھے، سماعی نے تذکرہ کیا ہے۔

اس زمانے میں ہندستان میں علم حدیث کا ایسا چرچا پھیلنا کہ سربانگ ہندی کے افسانہ نے شہرت حاصل کی، عرب مودعین نے سربانگ کو فتوح کا حکمران لکھا ہے شیخ سربانگ کا دعویٰ تھا کہ وہ عمریات میں موجود تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ و حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کو ان کے پاس اسلام کی دعوت لے کر بھیجا اور انھوں نے اسلام قبول کیا۔ اس روایت کی عالم اسلامی میں شہرت ہوئی اور فن رجال کی کتابوں میں ان کا ذکر آیا، چنانچہ علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں حافظ نے اصحاب میں ان کا تذکرہ کیا ہے، شیخ اسحق بن ابراہیم طوسی ہندستان آئے، اور سربانگ ہندی سے مل کر صورت حال کی تحقیق کی سربانگ نے ان سے اپنی عمر ۷۵ سال بیان کی، حضرت حذیفہ واسامہ کے پاس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوت نامہ پر اسلام قبول کرنے کا تذکرہ کیا، اسی طرح شیخ ابو حاتم ہلوی نے سلسلہ روایت ابوسعید مظفر بن اسد حنفی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ سربانگ نے ان سے بیان کیا، کہ وہ دوسرے مرتبہ مدینہ منورہ میں، علامہ ذہبی نے تجرید میں ان پر جرح کی ہے، سربانگ نے ۳۳۰ھ میں وفات پائی۔

شیخ ابو جعفر محمد بن ابراہیم دیلمی مکہ معظمہ میں سکونت پذیر تھے، یا قوت حموی اور سماعی نے ان کا تذکرہ کیا ہے، انھوں نے ابن عیینہ کی کتاب التفسیر شیخ عبد اللہ سعید بن عبد الرحمن نخعزومی سے روایت کی، اسی طرح ابن مبارک کی مشہور کتاب البر والصلو عبد اللہ حسین بن حسن مروزی سے روایت کی ہے، ان کے تلامذہ میں عبد الحمید بن صبیح ابو الحسن احمد بن ابراہیم بن فرانس کمی اور ابو بکر محمد بن ابراہیم بن علی بن مقرئ وغیرہ

ابو محمد عبد اللہ بن جعفر منصوری کو علوم قرآن میں مہارت حاصل تھی۔ مقری کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے حسن بن حکوم وغیرہ سے حدیثیں سنیں، حاکم نے ان کی روایتیں مستدرک میں لی ہیں۔

زہاد اس عہد کے مشائخ طریقت میں جن کی دستاروں میں علم حدیث و دیگر علوم دین میں مہارت کا بھی طفرائے امتیاز موجود تھا، شیخ ابو العباس احمد بن عبد اللہ دیلمی کا اسم گرامی سرفہرست آ سکتا ہے۔ انھوں نے نشوونما ابتدائی تعلیم کے بعد عالم اسلام کے علمی مرکزوں کا سفر کیا، اور وہاں کے ممتاز اساتذہ و شیوخ وقت سے حدیث کی روایتیں لیں، چنانچہ ان کے شیوخ حدیث میں کاظمی ابو خلیفہ بصرہ، جعفر بن محمد فریابی بغداد، مفضل بن محمد جدی و محمد بن ابراہیم دیلمی مقیم مکہ، علی بن عبد الرحمن و محمد بن زیان مقیم مصر، ابوالحسن احمد بن عمیر دمشق، ابو عبد الرحمن مکحول بیروت ابو عروہ حسین بن ابو معشر بخران، احمد بن زہیر، تستر، کرم عبد ان بن احمد حافظ عسکر اور ابو بکر محمد بن اسحق بن خزیمہ نیا بورد وغیرہ تھے، اور تلامذہ کی صف میں امام حافظ ابو عبد اللہ حاکم صاحب المستدرک کا جلیل القدر اسم گرامی بھی ہے، نیشاپور میں قیام اختیار کیا، یہیں خاتما میں مقیم رہ کر رشد و ہدایت اور علم و فن کی خدمت انجام دیتے رہے، لباس صوفی اختیار کر لیا تھا، کبھی ننگے پاؤں بھی چلا کرتے تھے، نیشاپور میں ۳۳۲ھ میں وفات پائی، اور مقبرہ اکبرہ میں دفن کئے گئے سمعانی نے اپنی کتاب لابالاس میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

اسی طرح اس عہد کے زہاد و صاحبین میں شیخ ابو العباس محمد بن محمد عبد اللہ ذراق دیلمی کا اسم گرامی ہے، ان کے شیوخ حدیث میں ابو خلیفہ مفضل بن حباب جمعی، جعفر بن محمد فریابی، عبدان بن احمد عسکری، محمد بن عثمان بن ابی سدید بصری، وغیرہ ہیں۔ اور تلامذہ میں شیخ حافظ ابو عبد اللہ حاکم، صاحب المستدرک کا اسم گرامی ہے اس عہد میں زہاد و مدد سے متصف تھے اور "زہاد" کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، جو اس زمانہ میں صوفیہ کے لیے استعمال ہوتا تھا، ۳۵۴ھ میں وصال فرمایا، شیخ

ابو عمرو بن نجید نے نماز جازہ پڑھائی۔

شعراء | ہارون بن عبد اللہ ہمدانی بنوازو کے مولیٰ میں سے تھے، شعر و شاعری کا ذوق تھا، ابو دلف نے اپنے سفر نامہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

ابو فضل سندھی ایک ممتاز ہندوستانی شاعر ہے۔ عربی زبان میں ہندستان کی تعریف میں غالباً سب سے پہلی نظم اسی کے قلم سے نکلی جس میں اس نے ہندوستان کی خوبیاں بیان کی ہیں اور اس کی پید اور اول کی ستائش کی ہے، کتا ہے :
”میرے دوستوں نے انکار کیا اور یہ بہترین جہ ہندستان کی اور ہندستان کے تیر“
کی سرکہ میں تعریف کی جا رہی تھی :

”میری جان کی قسم یہ وہ سرزمین ہے کہ جب اس میں پانی بہتا ہے تو دھوہ
ایسے موتی اور دیاوت اس سے اُگتے ہیں اُن کے لیے جو آرائش سے خالی ہیں
”اس کی خاص چیزوں میں مشک، کافور، عنبر، عود اور قسم قسم کی خوشبو
ان کے پلے جو بیٹے ہوں،

”اور قسم قسم کے عطریات اور جڑے پھل اور سنبل اور دھاتی دانت اور
سنگوں کی لکڑی اور خوشبودار لکڑی اور مندل :“

”اور اس میں تو تیا سب سے بڑے پہاڑ کی طرح ہے۔ اور یہاں شیر
بیر اور بچھے اور باقی اور دھاتی کے بچے ہوتے ہیں :
”اور یہاں پرندوں میں کھنگ اور طوطے اور مور اور کبوتر ہیں اور مرغوں
میں یہاں ناریل اور آجوس اور سیاہ مرغ کے درخت ہیں :
”اور ہتھیاروں میں تلواریں ہیں، جن کو کبھی صیقل کی حاجت نہیں، اور ایسے نیزے
ہیں کہ جب وہ زمین تو فوج کی فوج ان سے ہل جائے :“

”تو کیا یہ تو فوج کے سوا کوئی اور بھی ہندوستان کی ان خوبیوں کا انکار کر سکتا ہے :“

۱۔ نذیر (۱) ص ۶۴، (۲) ص ۶۵، (۳) ص ۶۶، (۴) ص ۶۷، (۵) ص ۶۸، (۶) ص ۶۹، (۷) ص ۷۰، (۸) ص ۷۱، (۹) ص ۷۲، (۱۰) ص ۷۳، (۱۱) ص ۷۴، (۱۲) ص ۷۵، (۱۳) ص ۷۶، (۱۴) ص ۷۷، (۱۵) ص ۷۸، (۱۶) ص ۷۹، (۱۷) ص ۸۰، (۱۸) ص ۸۱، (۱۹) ص ۸۲، (۲۰) ص ۸۳، (۲۱) ص ۸۴، (۲۲) ص ۸۵، (۲۳) ص ۸۶، (۲۴) ص ۸۷، (۲۵) ص ۸۸، (۲۶) ص ۸۹، (۲۷) ص ۹۰، (۲۸) ص ۹۱، (۲۹) ص ۹۲، (۳۰) ص ۹۳، (۳۱) ص ۹۴، (۳۲) ص ۹۵، (۳۳) ص ۹۶، (۳۴) ص ۹۷، (۳۵) ص ۹۸، (۳۶) ص ۹۹، (۳۷) ص ۱۰۰، (۳۸) ص ۱۰۱، (۳۹) ص ۱۰۲، (۴۰) ص ۱۰۳، (۴۱) ص ۱۰۴، (۴۲) ص ۱۰۵، (۴۳) ص ۱۰۶، (۴۴) ص ۱۰۷، (۴۵) ص ۱۰۸، (۴۶) ص ۱۰۹، (۴۷) ص ۱۱۰، (۴۸) ص ۱۱۱، (۴۹) ص ۱۱۲، (۵۰) ص ۱۱۳، (۵۱) ص ۱۱۴، (۵۲) ص ۱۱۵، (۵۳) ص ۱۱۶، (۵۴) ص ۱۱۷، (۵۵) ص ۱۱۸، (۵۶) ص ۱۱۹، (۵۷) ص ۱۲۰، (۵۸) ص ۱۲۱، (۵۹) ص ۱۲۲، (۶۰) ص ۱۲۳، (۶۱) ص ۱۲۴، (۶۲) ص ۱۲۵، (۶۳) ص ۱۲۶، (۶۴) ص ۱۲۷، (۶۵) ص ۱۲۸، (۶۶) ص ۱۲۹، (۶۷) ص ۱۳۰، (۶۸) ص ۱۳۱، (۶۹) ص ۱۳۲، (۷۰) ص ۱۳۳، (۷۱) ص ۱۳۴، (۷۲) ص ۱۳۵، (۷۳) ص ۱۳۶، (۷۴) ص ۱۳۷، (۷۵) ص ۱۳۸، (۷۶) ص ۱۳۹، (۷۷) ص ۱۴۰، (۷۸) ص ۱۴۱، (۷۹) ص ۱۴۲، (۸۰) ص ۱۴۳، (۸۱) ص ۱۴۴، (۸۲) ص ۱۴۵، (۸۳) ص ۱۴۶، (۸۴) ص ۱۴۷، (۸۵) ص ۱۴۸، (۸۶) ص ۱۴۹، (۸۷) ص ۱۵۰، (۸۸) ص ۱۵۱، (۸۹) ص ۱۵۲، (۹۰) ص ۱۵۳، (۹۱) ص ۱۵۴، (۹۲) ص ۱۵۵، (۹۳) ص ۱۵۶، (۹۴) ص ۱۵۷، (۹۵) ص ۱۵۸، (۹۶) ص ۱۵۹، (۹۷) ص ۱۶۰، (۹۸) ص ۱۶۱، (۹۹) ص ۱۶۲، (۱۰۰) ص ۱۶۳، (۱۰۱) ص ۱۶۴، (۱۰۲) ص ۱۶۵، (۱۰۳) ص ۱۶۶، (۱۰۴) ص ۱۶۷، (۱۰۵) ص ۱۶۸، (۱۰۶) ص ۱۶۹، (۱۰۷) ص ۱۷۰، (۱۰۸) ص ۱۷۱، (۱۰۹) ص ۱۷۲، (۱۱۰) ص ۱۷۳، (۱۱۱) ص ۱۷۴، (۱۱۲) ص ۱۷۵، (۱۱۳) ص ۱۷۶، (۱۱۴) ص ۱۷۷، (۱۱۵) ص ۱۷۸، (۱۱۶) ص ۱۷۹، (۱۱۷) ص ۱۸۰، (۱۱۸) ص ۱۸۱، (۱۱۹) ص ۱۸۲، (۱۲۰) ص ۱۸۳، (۱۲۱) ص ۱۸۴، (۱۲۲) ص ۱۸۵، (۱۲۳) ص ۱۸۶، (۱۲۴) ص ۱۸۷، (۱۲۵) ص ۱۸۸، (۱۲۶) ص ۱۸۹، (۱۲۷) ص ۱۹۰، (۱۲۸) ص ۱۹۱، (۱۲۹) ص ۱۹۲، (۱۳۰) ص ۱۹۳، (۱۳۱) ص ۱۹۴، (۱۳۲) ص ۱۹۵، (۱۳۳) ص ۱۹۶، (۱۳۴) ص ۱۹۷، (۱۳۵) ص ۱۹۸، (۱۳۶) ص ۱۹۹، (۱۳۷) ص ۲۰۰، (۱۳۸) ص ۲۰۱، (۱۳۹) ص ۲۰۲، (۱۴۰) ص ۲۰۳، (۱۴۱) ص ۲۰۴، (۱۴۲) ص ۲۰۵، (۱۴۳) ص ۲۰۶، (۱۴۴) ص ۲۰۷، (۱۴۵) ص ۲۰۸، (۱۴۶) ص ۲۰۹، (۱۴۷) ص ۲۱۰، (۱۴۸) ص ۲۱۱، (۱۴۹) ص ۲۱۲، (۱۵۰) ص ۲۱۳، (۱۵۱) ص ۲۱۴، (۱۵۲) ص ۲۱۵، (۱۵۳) ص ۲۱۶، (۱۵۴) ص ۲۱۷، (۱۵۵) ص ۲۱۸، (۱۵۶) ص ۲۱۹، (۱۵۷) ص ۲۲۰، (۱۵۸) ص ۲۲۱، (۱۵۹) ص ۲۲۲، (۱۶۰) ص ۲۲۳، (۱۶۱) ص ۲۲۴، (۱۶۲) ص ۲۲۵، (۱۶۳) ص ۲۲۶، (۱۶۴) ص ۲۲۷، (۱۶۵) ص ۲۲۸، (۱۶۶) ص ۲۲۹، (۱۶۷) ص ۲۳۰، (۱۶۸) ص ۲۳۱، (۱۶۹) ص ۲۳۲، (۱۷۰) ص ۲۳۳، (۱۷۱) ص ۲۳۴، (۱۷۲) ص ۲۳۵، (۱۷۳) ص ۲۳۶، (۱۷۴) ص ۲۳۷، (۱۷۵) ص ۲۳۸، (۱۷۶) ص ۲۳۹، (۱۷۷) ص ۲۴۰، (۱۷۸) ص ۲۴۱، (۱۷۹) ص ۲۴۲، (۱۸۰) ص ۲۴۳، (۱۸۱) ص ۲۴۴، (۱۸۲) ص ۲۴۵، (۱۸۳) ص ۲۴۶، (۱۸۴) ص ۲۴۷، (۱۸۵) ص ۲۴۸، (۱۸۶) ص ۲۴۹، (۱۸۷) ص ۲۵۰، (۱۸۸) ص ۲۵۱، (۱۸۹) ص ۲۵۲، (۱۹۰) ص ۲۵۳، (۱۹۱) ص ۲۵۴، (۱۹۲) ص ۲۵۵، (۱۹۳) ص ۲۵۶، (۱۹۴) ص ۲۵۷، (۱۹۵) ص ۲۵۸، (۱۹۶) ص ۲۵۹، (۱۹۷) ص ۲۶۰، (۱۹۸) ص ۲۶۱، (۱۹۹) ص ۲۶۲، (۲۰۰) ص ۲۶۳، (۲۰۱) ص ۲۶۴، (۲۰۲) ص ۲۶۵، (۲۰۳) ص ۲۶۶، (۲۰۴) ص ۲۶۷، (۲۰۵) ص ۲۶۸، (۲۰۶) ص ۲۶۹، (۲۰۷) ص ۲۷۰، (۲۰۸) ص ۲۷۱، (۲۰۹) ص ۲۷۲، (۲۱۰) ص ۲۷۳، (۲۱۱) ص ۲۷۴، (۲۱۲) ص ۲۷۵، (۲۱۳) ص ۲۷۶، (۲۱۴) ص ۲۷۷، (۲۱۵) ص ۲۷۸، (۲۱۶) ص ۲۷۹، (۲۱۷) ص ۲۸۰، (۲۱۸) ص ۲۸۱، (۲۱۹) ص ۲۸۲، (۲۲۰) ص ۲۸۳، (۲۲۱) ص ۲۸۴، (۲۲۲) ص ۲۸۵، (۲۲۳) ص ۲۸۶، (۲۲۴) ص ۲۸۷، (۲۲۵) ص ۲۸۸، (۲۲۶) ص ۲۸۹، (۲۲۷) ص ۲۹۰، (۲۲۸) ص ۲۹۱، (۲۲۹) ص ۲۹۲، (۲۳۰) ص ۲۹۳، (۲۳۱) ص ۲۹۴، (۲۳۲) ص ۲۹۵، (۲۳۳) ص ۲۹۶، (۲۳۴) ص ۲۹۷، (۲۳۵) ص ۲۹۸، (۲۳۶) ص ۲۹۹، (۲۳۷) ص ۳۰۰، (۲۳۸) ص ۳۰۱، (۲۳۹) ص ۳۰۲، (۲۴۰) ص ۳۰۳، (۲۴۱) ص ۳۰۴، (۲۴۲) ص ۳۰۵، (۲۴۳) ص ۳۰۶، (۲۴۴) ص ۳۰۷، (۲۴۵) ص ۳۰۸، (۲۴۶) ص ۳۰۹، (۲۴۷) ص ۳۱۰، (۲۴۸) ص ۳۱۱، (۲۴۹) ص ۳۱۲، (۲۵۰) ص ۳۱۳، (۲۵۱) ص ۳۱۴، (۲۵۲) ص ۳۱۵، (۲۵۳) ص ۳۱۶، (۲۵۴) ص ۳۱۷، (۲۵۵) ص ۳۱۸، (۲۵۶) ص ۳۱۹، (۲۵۷) ص ۳۲۰، (۲۵۸) ص ۳۲۱، (۲۵۹) ص ۳۲۲، (۲۶۰) ص ۳۲۳، (۲۶۱) ص ۳۲۴، (۲۶۲) ص ۳۲۵، (۲۶۳) ص ۳۲۶، (۲۶۴) ص ۳۲۷، (۲۶۵) ص ۳۲۸، (۲۶۶) ص ۳۲۹، (۲۶۷) ص ۳۳۰، (۲۶۸) ص ۳۳۱، (۲۶۹) ص ۳۳۲، (۲۷۰) ص ۳۳۳، (۲۷۱) ص ۳۳۴، (۲۷۲) ص ۳۳۵، (۲۷۳) ص ۳۳۶، (۲۷۴) ص ۳۳۷، (۲۷۵) ص ۳۳۸، (۲۷۶) ص ۳۳۹، (۲۷۷) ص ۳۴۰، (۲۷۸) ص ۳۴۱، (۲۷۹) ص ۳۴۲، (۲۸۰) ص ۳۴۳، (۲۸۱) ص ۳۴۴، (۲۸۲) ص ۳۴۵، (۲۸۳) ص ۳۴۶، (۲۸۴) ص ۳۴۷، (۲۸۵) ص ۳۴۸، (۲۸۶) ص ۳۴۹، (۲۸۷) ص ۳۵۰، (۲۸۸) ص ۳۵۱، (۲۸۹) ص ۳۵۲، (۲۹۰) ص ۳۵۳، (۲۹۱) ص ۳۵۴، (۲۹۲) ص ۳۵۵، (۲۹۳) ص ۳۵۶، (۲۹۴) ص ۳۵۷، (۲۹۵) ص ۳۵۸، (۲۹۶) ص ۳۵۹، (۲۹۷) ص ۳۶۰، (۲۹۸) ص ۳۶۱، (۲۹۹) ص ۳۶۲، (۳۰۰) ص ۳۶۳، (۳۰۱) ص ۳۶۴، (۳۰۲) ص ۳۶۵، (۳۰۳) ص ۳۶۶، (۳۰۴) ص ۳۶۷، (۳۰۵) ص ۳۶۸، (۳۰۶) ص ۳۶۹، (۳۰۷) ص ۳۷۰، (۳۰۸) ص ۳۷۱، (۳۰۹) ص ۳۷۲، (۳۱۰) ص ۳۷۳، (۳۱۱) ص ۳۷۴، (۳۱۲) ص ۳۷۵، (۳۱۳) ص ۳۷۶، (۳۱۴) ص ۳۷۷، (۳۱۵) ص ۳۷۸، (۳۱۶) ص ۳۷۹، (۳۱۷) ص ۳۸۰، (۳۱۸) ص ۳۸۱، (۳۱۹) ص ۳۸۲، (۳۲۰) ص ۳۸۳، (۳۲۱) ص ۳۸۴، (۳۲۲) ص ۳۸۵، (۳۲۳) ص ۳۸۶، (۳۲۴) ص ۳۸۷، (۳۲۵) ص ۳۸۸، (۳۲۶) ص ۳۸۹، (۳۲۷) ص ۳۹۰، (۳۲۸) ص ۳۹۱، (۳۲۹) ص ۳۹۲، (۳۳۰) ص ۳۹۳، (۳۳۱) ص ۳۹۴، (۳۳۲) ص ۳۹۵، (۳۳۳) ص ۳۹۶، (۳۳۴) ص ۳۹۷، (۳۳۵) ص ۳۹۸، (۳۳۶) ص ۳۹۹، (۳۳۷) ص ۴۰۰، (۳۳۸) ص ۴۰۱، (۳۳۹) ص ۴۰۲، (۳۴۰) ص ۴۰۳، (۳۴۱) ص ۴۰۴، (۳۴۲) ص ۴۰۵، (۳۴۳) ص ۴۰۶، (۳۴۴) ص ۴۰۷، (۳۴۵) ص ۴۰۸، (۳۴۶) ص ۴۰۹، (۳۴۷) ص ۴۱۰، (۳۴۸) ص ۴۱۱، (۳۴۹) ص ۴۱۲، (۳۵۰) ص ۴۱۳، (۳۵۱) ص ۴۱۴، (۳۵۲) ص ۴۱۵، (۳۵۳) ص ۴۱۶، (۳۵۴) ص ۴۱۷، (۳۵۵) ص ۴۱۸، (۳۵۶) ص ۴۱۹، (۳۵۷) ص ۴۲۰، (۳۵۸) ص ۴۲۱، (۳۵۹) ص ۴۲۲، (۳۶۰) ص ۴۲۳، (۳۶۱) ص ۴۲۴، (۳۶۲) ص ۴۲۵، (۳۶۳) ص ۴۲۶، (۳۶۴) ص ۴۲۷، (۳۶۵) ص ۴۲۸، (۳۶۶) ص ۴۲۹، (۳۶۷) ص ۴۳۰، (۳۶۸) ص ۴۳۱، (۳۶۹) ص ۴۳۲، (۳۷۰) ص ۴۳۳، (۳۷۱) ص ۴۳۴، (۳۷۲) ص ۴۳۵، (۳۷۳) ص ۴۳۶، (۳۷۴) ص ۴۳۷، (۳۷۵) ص ۴۳۸، (۳۷۶) ص ۴۳۹، (۳۷۷) ص ۴۴۰، (۳۷۸) ص ۴۴۱، (۳۷۹) ص ۴۴۲، (۳۸۰) ص ۴۴۳، (۳۸۱) ص ۴۴۴، (۳۸۲) ص ۴۴۵، (۳۸۳) ص ۴۴۶، (۳۸۴) ص ۴۴۷، (۳۸۵) ص ۴۴۸، (۳۸۶) ص ۴۴۹، (۳۸۷) ص ۴۵۰، (۳۸۸) ص ۴۵۱، (۳۸۹) ص ۴۵۲، (۳۹۰) ص ۴۵۳، (۳۹۱) ص ۴۵۴، (۳۹۲) ص ۴۵۵، (۳۹۳) ص ۴۵۶، (۳۹۴) ص ۴۵۷، (۳۹۵) ص ۴۵۸، (۳۹۶) ص ۴۵۹، (۳۹۷) ص ۴۶۰، (۳۹۸) ص ۴۶۱، (۳۹۹) ص ۴۶۲، (۴۰۰) ص ۴۶۳، (۴۰۱) ص ۴۶۴، (۴۰۲) ص ۴۶۵، (۴۰۳) ص ۴۶۶، (۴۰۴) ص ۴۶۷، (۴۰۵) ص ۴۶۸، (۴۰۶) ص ۴۶۹، (۴۰۷) ص ۴۷۰، (۴۰۸) ص ۴۷۱، (۴۰۹) ص ۴۷۲، (۴۱۰) ص ۴۷۳، (۴۱۱) ص ۴۷۴، (۴۱۲) ص ۴۷۵، (۴۱۳) ص ۴۷۶، (۴۱۴) ص ۴۷۷، (۴۱۵) ص ۴۷۸، (۴۱۶) ص ۴۷۹، (۴۱۷) ص ۴۸۰، (۴۱۸) ص ۴۸۱، (۴۱۹) ص ۴۸۲، (۴۲۰) ص ۴۸۳، (۴۲۱) ص ۴۸۴، (۴۲۲) ص ۴۸۵، (۴۲۳) ص ۴۸۶، (۴۲۴) ص ۴۸۷، (۴۲۵) ص ۴۸۸، (۴۲۶) ص ۴۸۹، (۴۲۷) ص ۴۹۰، (۴۲۸) ص ۴۹۱، (۴۲۹) ص ۴۹۲، (۴۳۰) ص ۴۹۳، (۴۳۱) ص ۴۹۴، (۴۳۲) ص ۴۹۵، (۴۳۳) ص ۴۹۶، (۴۳۴) ص ۴۹۷، (۴۳۵) ص ۴۹۸، (۴۳۶) ص ۴۹۹، (۴۳۷) ص ۵۰۰، (۴۳۸) ص ۵۰۱، (۴۳۹) ص ۵۰۲، (۴۴۰) ص ۵۰۳، (۴۴۱) ص ۵۰۴، (۴۴۲) ص ۵۰۵، (۴۴۳) ص ۵۰۶، (۴۴۴) ص ۵۰۷، (۴۴۵) ص ۵۰۸، (۴۴۶) ص ۵۰۹، (۴۴۷) ص ۵۱۰، (۴۴۸) ص ۵۱۱، (۴۴۹) ص ۵۱۲، (۴۵۰) ص ۵۱۳، (۴۵۱) ص ۵۱۴، (۴۵۲) ص ۵۱۵، (۴۵۳) ص ۵۱۶، (۴۵۴) ص ۵۱۷، (۴۵۵) ص ۵۱۸، (۴۵۶) ص ۵۱۹، (۴۵۷) ص ۵۲۰، (۴۵۸) ص ۵۲۱، (۴۵۹) ص ۵۲۲، (۴۶۰) ص ۵۲۳، (۴۶۱) ص ۵۲۴، (۴۶۲) ص ۵۲۵، (۴۶۳) ص ۵۲۶، (۴۶۴) ص ۵۲۷، (۴۶۵) ص ۵۲۸، (۴۶۶) ص ۵۲۹، (۴۶۷) ص ۵۳۰، (۴۶۸) ص ۵۳۱، (۴۶۹) ص ۵۳۲، (۴۷۰) ص ۵۳۳، (۴۷۱) ص ۵۳۴، (۴۷۲) ص ۵۳۵، (۴۷۳) ص ۵۳۶، (۴۷۴) ص ۵۳۷، (۴۷۵) ص ۵۳۸، (۴۷۶) ص ۵۳۹، (۴۷۷) ص ۵۴۰، (۴۷۸) ص ۵۴۱، (۴۷۹) ص ۵۴۲، (۴۸۰) ص ۵۴۳، (۴۸۱) ص ۵۴۴، (۴۸۲) ص ۵۴۵، (۴۸۳) ص ۵۴۶، (۴۸۴) ص ۵۴۷، (۴۸۵) ص ۵۴۸، (۴۸۶) ص ۵۴۹، (۴۸۷) ص ۵۵۰، (۴۸۸) ص ۵۵۱، (۴۸۹) ص ۵۵۲، (۴۹۰) ص ۵۵۳، (۴۹۱) ص ۵۵۴، (۴۹۲) ص ۵۵۵، (۴۹۳) ص ۵۵۶، (۴۹۴) ص ۵۵۷، (۴۹۵) ص ۵۵۸، (۴۹۶) ص ۵۵۹، (۴۹۷) ص ۵۶۰، (۴۹۸) ص ۵۶۱، (۴۹۹) ص ۵۶۲، (۵۰۰) ص ۵۶۳، (۵۰۱) ص ۵۶۴، (۵۰۲) ص ۵۶۵، (۵۰۳) ص ۵۶۶، (۵۰۴) ص ۵۶۷، (۵۰۵) ص ۵۶۸، (۵۰۶) ص ۵۶۹، (۵۰۷) ص ۵۷۰، (۵۰۸) ص ۵۷۱، (۵۰۹) ص ۵۷۲، (۵۱۰) ص ۵۷۳، (۵۱۱) ص ۵۷۴، (۵۱۲) ص ۵۷۵، (۵۱۳) ص ۵۷۶، (۵۱۴) ص ۵۷۷، (۵۱۵) ص ۵۷۸، (۵۱۶) ص ۵۷۹، (۵۱۷) ص ۵۸۰، (۵۱۸) ص ۵۸۱، (۵۱۹) ص ۵۸۲، (۵۲۰) ص ۵۸۳، (۵۲۱) ص ۵۸۴، (۵۲۲) ص ۵۸۵، (۵۲۳) ص ۵۸۶، (۵۲۴) ص ۵۸۷، (۵۲۵) ص ۵۸۸، (۵۲۶) ص ۵۸۹، (۵۲۷) ص ۵۹۰، (۵۲۸) ص ۵۹۱، (۵۲۹) ص ۵۹۲، (۵۳۰) ص ۵۹۳، (۵۳۱) ص ۵۹۴، (۵۳۲) ص ۵۹۵، (۵۳۳) ص ۵۹۶، (۵۳۴) ص ۵۹۷، (۵۳۵) ص ۵۹۸، (۵۳۶) ص ۵۹۹، (۵۳۷) ص ۶۰۰، (۵۳۸) ص ۶۰۱، (۵۳۹) ص ۶۰۲، (۵۴۰) ص ۶۰۳، (۵۴۱) ص ۶۰۴، (۵۴۲) ص ۶۰۵، (۵۴۳) ص ۶۰۶، (۵۴۴) ص ۶۰۷، (۵۴۵) ص ۶۰۸، (۵۴۶) ص ۶۰۹، (۵۴۷) ص ۶۱۰، (۵۴۸) ص ۶۱۱، (۵۴۹) ص ۶۱۲، (۵۵۰) ص ۶۱۳، (۵۵۱) ص ۶۱۴، (۵۵۲) ص ۶۱۵، (۵۵۳) ص ۶۱۶، (۵۵۴) ص ۶۱۷، (۵۵۵) ص ۶۱۸، (۵۵۶) ص ۶۱۹، (۵۵۷) ص ۶۲۰، (۵۵۸) ص ۶۲۱، (۵۵۹) ص ۶۲۲، (۵۶۰) ص ۶۲۳، (۵۶۱) ص ۶۲۴، (۵۶۲) ص ۶۲۵، (۵۶۳) ص ۶۲۶، (۵۶۴) ص ۶۲۷، (۵۶۵) ص ۶۲۸، (۵۶۶) ص ۶۲۹، (۵۶۷) ص ۶۳۰، (۵۶۸) ص ۶۳۱، (۵۶۹) ص ۶۳۲، (۵۷۰) ص ۶۳۳، (۵۷۱) ص ۶۳۴، (۵۷۲) ص ۶۳۵، (۵۷۳) ص ۶۳۶، (۵۷۴) ص ۶۳۷، (۵۷۵) ص ۶۳۸، (۵۷۶) ص ۶۳۹، (۵۷۷) ص ۶۴۰، (۵۷۸) ص ۶۴۱، (۵۷۹) ص ۶۴۲، (۵۸۰) ص ۶۴۳، (۵۸۱) ص ۶۴۴، (۵۸۲) ص ۶۴۵، (۵۸۳) ص ۶۴۶، (۵۸۴) ص ۶۴۷، (۵۸۵) ص ۶۴۸، (۵۸۶) ص ۶۴۹، (۵۸۷) ص ۶۵۰، (۵۸۸) ص ۶۵۱، (۵۸۹) ص ۶۵۲، (۵۹۰) ص ۶۵۳، (۵۹۱) ص ۶۵۴، (۵۹۲) ص ۶۵۵، (۵۹۳) ص ۶۵۶، (۵۹۴) ص ۶۵۷، (۵۹۵) ص ۶۵۸، (۵۹۶) ص ۶۵۹، (۵۹۷) ص ۶۶۰، (۵۹۸) ص ۶۶۱، (۵۹۹) ص ۶۶۲، (۶۰۰) ص ۶۶۳، (۶۰۱) ص ۶۶۴، (۶۰۲) ص ۶۶۵، (۶۰۳) ص ۶۶۶، (۶۰۴) ص ۶۶۷، (۶۰۵) ص ۶۶۸، (۶۰۶) ص ۶۶۹، (۶۰۷) ص ۶۷۰، (۶۰۸) ص ۶۷۱، (۶۰۹) ص ۶۷۲، (۶۱۰) ص ۶۷۳، (۶۱۱) ص ۶۷۴، (۶۱۲) ص ۶۷۵، (۶۱۳) ص ۶۷۶، (۶۱۴) ص ۶۷۷، (۶۱۵) ص ۶۷۸، (۶۱۶) ص ۶۷۹، (۶۱۷) ص ۶۸۰، (۶۱۸) ص ۶۸۱، (۶۱۹) ص ۶۸۲، (۶۲۰) ص ۶۸۳، (۶۲۱) ص ۶۸۴، (۶۲۲) ص ۶۸۵، (۶۲۳) ص ۶۸۶، (۶۲۴) ص ۶۸۷، (۶۲۵) ص ۶۸۸، (۶۲۶) ص ۶۸۹، (۶۲۷) ص ۶۹۰، (۶۲۸) ص ۶۹۱، (۶۲۹) ص ۶۹۲، (۶۳۰) ص ۶۹۳، (۶۳۱) ص ۶۹۴، (۶۳۲) ص ۶۹۵، (۶۳۳) ص ۶۹۶، (۶۳۴) ص ۶۹۷، (۶۳۵) ص ۶۹۸، (۶۳۶) ص ۶۹۹، (۶۳۷) ص ۷۰۰، (۶۳۸) ص ۷۰۱، (۶۳۹) ص ۷۰۲، (۶۴۰) ص ۷۰۳، (۶۴۱) ص ۷۰۴، (۶۴۲) ص ۷۰۵، (۶۴۳) ص ۷۰۶، (۶۴۴) ص ۷۰۷، (۶۴۵) ص ۷۰۸، (۶۴۶) ص ۷۰۹، (۶۴۷) ص ۷۱۰، (۶۴۸) ص ۷۱۱، (۶۴۹) ص ۷۱۲، (۶۵۰) ص ۷۱۳، (۶۵۱) ص ۷۱۴، (۶۵۲) ص ۷۱۵، (۶۵۳) ص ۷۱۶، (۶۵۴) ص ۷۱۷، (۶۵۵) ص ۷۱۸، (۶۵۶) ص ۷۱۹، (۶۵۷) ص ۷۲۰، (۶۵۸) ص ۷۲۱، (۶۵۹) ص ۷۲۲، (۶۶۰) ص ۷۲۳، (۶۶۱) ص ۷۲۴، (۶۶۲) ص ۷۲۵، (۶۶۳) ص ۷۲۶، (۶۶۴) ص ۷۲۷، (۶۶۵) ص ۷۲۸، (۶۶۶) ص ۷۲۹، (۶۶۷) ص ۷۳۰، (۶۶۸) ص ۷۳۱، (۶۶۹) ص ۷۳۲، (۶۷۰) ص ۷۳۳، (۶۷۱) ص ۷۳۴، (۶۷۲) ص ۷۳۵، (۶۷۳) ص ۷۳۶، (۶۷۴) ص ۷۳۷، (۶۷۵) ص ۷۳۸، (۶۷۶) ص ۷۳۹، (۶۷۷) ص ۷۴۰، (۶۷۸) ص ۷۴۱، (۶۷۹) ص ۷۴۲، (۶۸۰) ص ۷۴۳، (۶۸۱) ص ۷۴۴، (۶۸۲) ص ۷۴۵، (۶۸۳) ص ۷۴۶، (۶۸۴) ص ۷۴۷، (۶۸۵) ص ۷۴۸، (۶۸۶) ص ۷۴۹، (۶۸۷) ص ۷۵۰، (۶۸۸) ص ۷۵۱، (۶۸۹) ص ۷۵۲، (۶۹۰) ص ۷۵۳، (۶۹۱) ص ۷۵۴، (۶۹۲) ص ۷۵۵، (۶۹۳) ص ۷۵۶، (۶۹۴) ص ۷۵۷، (۶۹۵) ص ۷۵

غزنوی سلاطین ہند

۳۲۲ھ ————— ۵۸۲ھ

ہندستان اور درہ خیبر کے پار ملکوں کے درمیان ہمیشہ سے صلح و جنگ کے تعلقات قائم رہی۔ اسلام کے پھیلنے سے پہلے بھی جب کبھی کابل کے حکمران کو موقع ملا، اس نے پشاور تک قبضہ کر لیا، اور جب رائے ہمارو (لاہور) کو موقع ملا، کابل و قندھار تک قبضہ کر لیا، جب ساتویں صدی عیسوی میں اسلامی فتوحات کا دائرہ بڑھا، اور مختلف نئی قوموں اور نسلوں نے اسلام قبول کر لیا، اور مرکزی سلطنت بغداد میں کمزوری آگئی تو مادراہنہر میں بخارا دار السلطنت بنا، اور صفاریہ اور سامانیہ حکومتوں نے کابل و قندھار تک قدم بڑھائے، امیر الپ تگین ایک ترک افسر بخارا سے نکل کر غزنین چلا آیا، اور یہاں اپنی حکومت قائم کی۔ یہ شہر کابل سے پچتر میل جنوب میں کوہستان بابا کی شاخ گل کوہ پر واقع ہے۔

سبکتگین | سبکتگین (۳۶۶ھ - ۴۱۹ھ) جو الپ تگین کا داماد تھا، اس کی وفات کے بعد اس نے نئی سلطنت کا امیر بنا، پنجاب کے راجہ جے پال اور امیر سبکتگین میں مہی پرانی سرحدیں نزع تازہ ہوئی کہ پشاور سے جلال آباد تک کا علاقہ جو ملکاں کہا جاتا ہے، پنجاب و غزنین کی حکومتوں میں سے کس حکومت کے زیر اثر رہی۔

راجہ جے پال کا جارجانہ حملہ | آخو پنجاب کے راجہ جے پال نے اس نزع کا فیصلہ کرنے کے لیے سلطنت مغربی درہ ہندستان غزنین کی پٹی لڑائی

طوفانی شکرے کر ہاتھیوں پر سوار چلا اور وادی لغمان میں اتر گیا، ادھر سبکتگین اور اس کا نو عمر بیٹا محمود تازہ دم ترکوں کے ساتھ میدان میں آیا۔ دونوں دلدست دے رہے تھے، کہ اچانک برق و باران کا طوفان اُمٹ آیا اور راجہ جے پال کا منصوبہ ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا پڑ گیا۔ آخر کار صلح کی بات چیت شروع ہوئی، اور

راجہ جے پال دس لاکھ درم اور پچاس ہاتھی دینے پر آمادہ ہو گیا، یہ بھی وہ پہلی لڑائی جس نے ہند کی قسمت کا فیصلہ سیکڑوں برس تک کے لیے کر دیا تھا۔ راجہ جے پال کی وعدہ خلانی | اس کے بعد راجہ جے پال نے واپس آ کر اسکٹگین کا حملہ ہندوستان | رقم ادا کرنے کے بجائے ان سفیروں کو جو رقم ساتھ لے جانے کے لیے آئے تھے، گرفتار کر کے جلی خانہ میں بند کر دیا، سکٹگین یہ سمجھتے ہی کبلی کے مانند تیزی سے ہندوستان کی سمت چل کھڑا ہوا، ادھر راجہ جے پال نے دہلی، قنوج اور کالنجر کی فوجی مدد لی، اور مقابلہ کے لیے نکل پڑا، درہ خیبر اور پشاور کے درمیان لڑائی ہوئی، ہندی فوجوں نے شکست کھائی اور پشاور

تک ایک پار کے ملک پر غزنی سلطنت کا قبضہ ہو گیا۔ غزنی کو دہلی، کالنجر اور قنوج | اب غزنیوں کے نو مسلم ترکوں کے لیے ہندستان تک ترک تازی کا حق | کا راستہ کھل گیا تھا، اور دہلی، کالنجر اور قنوج تک انھیں اپنی ترک تازیوں کا حق تھا، کہ یہ ممالک دشمن کے ساتھ صف آرا ہو کر ان پر حملہ آور ہو چکے تھے۔

محمود محمود (۳۱۳ھ - ۳۲۱ھ) اپنے باپ سکٹگین کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا، اس کو نوزائیدہ سلطنت غزین کو دست و استحکام دینا تھا وہ اپنی ۳۲ سال کی حکمرانی میں اسی خدمت کو انجام دیتا رہا،

محمود کی ترک تازیوں | اس نے اپنے چاروں طرف کی سلطنتوں کو چاہے وہ مسلمانوں کی ہوں، یا نامسلمانوں کی ہلا ڈالا اور اپنی حکومت کے حدود آگے بڑھاتا گیا، اس نے غزنی کی ایک طرف کاشغر کی اسلامی ایلیانی حکومت کو، دوسری طرف خود اپنے آقا سا! نیوں کی سلطنت، تیسری طرف دلیلیوں اور طبرستان کی حکومت آل زیاد کو، مشرق کی سمت میں غوریوں کی سرزمین کو جن میں سے کچھ مسلمان ہو چکے تھے اور کچھ اپنے پرانے دین پر قائم تھے، پھر اسی مشرقی سمت میں ملتان اور سندھ کی عرب حکومتوں کو اور ادھر لاہور اور ہندوستان کے بعض دوسرے راجاؤں

کی سلطنتوں کے کھنڈر پر اپنی غزنی کی عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی یہ تھیں اس بدنام "بت شکن" کی ترک تازیاں جس نے بجز ہندستان کے ساری ہندوستانی سلطنتوں کا قلع قمع کیا تھا، اس سے اندازہ ہو گا کہ غزنی کے سلاطین کی یہ لڑائی ہندستان سے کسی مذہبی جذبہ کے ماتحت تھیں، یا محض جغرافیائی ماحول اور نئی حکومتوں کے شکست و تعمیر کے زیر اثر پیش آئیں۔

محمود کے حملے ہندستان پر محمود کو دوسری سمت کی مخالف حکومتوں سے

جب فرصت ملتی، ہندستان پر چڑھ آتا، وہ اپنے دور میں سب سے پہلے ۳۹۲ء میں ہندستان میں داخل ہوا، جنوبی ہند کے جاٹوں کی سرکوبی کی اور چند سرحدی ضلعوں پر قبضہ کیا، دوسرے سال پھر آیا۔ پشاور کے آگے خیمہ زن ہوا، زور کاران پڑا، راجہ جے پال نے شکست کھائی، اور گڑھ تارکر لیا گیا، محمود نے بڑھ کر دوسرے شہر دہلی پر قبضہ کر لیا، جے پال نے خراج دے کر رہائی حاصل کی، اور سلطنت اند پال کے سپرد کر کے چٹان میں بیٹھ کر جل مرا، ۳۹۳ء میں بجی رائے دہلی بھیرہ سے جنگ آزادی کی اس نے بھی فرار کی حالت میں خودکشی کر لی، اور بھیرہ اور اس کے مضافات سلطنت غزنویں میں ملا لیے گئے، اسی طرح جیسا کہ گزرا ملتان کے دہلی ابو الفتح نے بھی رائے کی مدد کی ناکام کوشش کی تھی، ۳۹۳ء میں محمود اس کو سزا دینے آیا، رائے اند پال ابو الفتح کی مدد کے لیے آیا مگر ناکام ہو کر فرار ہوا، ابو الفتح نے محمود کی اطاعت قبول کی، محمود نے اند پال کے بیٹے سکھ پال کو بھیرہ کا گورنر بنا دیا تھا، وہ اسلام لے آیا تھا، پھر وہ معروف ہو گیا، محمود ۳۹۳ء میں اس کی سرکوشی کے لیے آیا۔ اور جس دوام کی سزا دی۔

پھر ۳۹۳ء میں معرکہ آرائی ہوئی، اس مرتبہ اند پال کی مدد پر جین، گوالید کالنج، قنوج، دہلی اور اجمیر کے راجہ اور ملتان کے والی داؤد و فوجیں لے کر آئے حب الوطنی کا عام جذبہ پیدا ہوا، اور غورتوں نے اپنے زور پر بیچ بیچ کر چپنے لگات کر اور محنت مزدوری کر کے لڑائی میں مدد دینے کے لیے دوپہر بھیجا، مگر

ہندوستانی راجاؤں کی پچھلی خاتہ جنگیوں کا غبار دل سے دور نہیں ہوا تھا، وہ کسی ایک کی کمان میں فوجوں کو نہ دے سکے، محمود نے راج پوتوں کے اس ٹڈی دل فوج کا مقابلہ کیا، ہندوستانیوں کے قدم اکھڑ گئے، محمود کے خلاف یہ آخری مشترکہ قومی مظاہرہ تھا، جس میں نہ صرف ہندو بلکہ ہندوستان میں عربوں کی واحد حکومت کا حکمران بھی شریک تھا مگر ہندوستان کو شکست ہوئی اس کے بعد راجا یان ہند کیے بعد پورے مغلوب ہوتے گئے اور بیش بہا خزانے خصوصاً مندروں کے جواہرات فاتح کے ہاتھ آتے گئے۔

اس حملہ میں محمود نے نگرکوٹ (کاٹھواہ) کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد ۱۰۱۱ء میں وہ ابو الفتح داؤد کا خاتمہ کر کے ملتان آیا۔ اور اس کو گرفتار کر کے ساتھ لے گیا اس کے بعد اس نے ۱۰۱۲ء میں راجہ بھیم پال سے قلعہ سندو دنا لیا، ۱۰۱۳ء میں قلعہ پربھنہ کیا، پھر ۱۰۱۴ء میں کشمیر کا کام ہم پیش آئی، اس کے بعد ۱۰۱۵ء میں قلعہ اور متھرا پر قبضہ کیا، پھر ۱۰۱۶ء میں کشمیر پر دوبارہ حملہ آور ہوا، ۱۰۱۷ء میں وہ پورے پنجاب کو غزنین کا صوبہ بنانے کی نیت سے انتظامات کے ساتھ آیا اور پنجاب کا اسحاق غزنی سے کر لیا، انڈیا پال کے لڑکے ترکوں پال کا انتقال ہو چکا تھا راجہ بھیم اس کا جانشین تھا، وہ پنجاب کو چھوڑ کر رائے اجمیر کے پاس چلا گیا۔ جہاں ۱۰۲۶ء میں اس نے وفات پائی، محمود نے لاہور کا پہلا حاکم ایاز کو بنایا۔

اس کے بعد ۱۰۲۷ء میں گوالیار اور کاننجر کو قبضہ میں لیا، پھر ۱۰۲۸ء میں سوات کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ اور اس ہم میں گجرات کی فتح کی تکمیل ۱۰۲۹ء میں کی، پھر اسی سال ۱۰۳۰ء میں ملتان کے تزارقوں کی سرکوبی کی، اور ۱۰۳۱ء میں جاٹوں کی پھیڑ چھاڑ کا بدلہ لینے کے لیے آیا، اور کامیاب رہا، اس طرح محمود کے براہِ رست قبضہ میں پنجاب، سندھ اور ملتان کے صوبے آئے، اور کشمیر، قلعہ

کاننجر، گوالیار، اور گجرات اس کے باج گزار بنے،
مندروں پر حملہ آوری کا حقیقی سبب - محمود نے ہندوستان کے ان مہمانوں

بے شمار دولت حاصل کی، یہاں کے مندروں میں پشت ہا پشت کے چڑھائے ہوئے
 زرد جوہر کا انبار لگا تھا، اس نے اپنے ان حملوں میں مندروں کو خاص طور پر نشانہ
 بنایا، تاکہ صدیوں کی جمع کی ہوئی دولت اس کے ہاتھ آ سکے، سو ناتھ میں دوسو من ذری
 سونے کی زنجیر لگتی تھی، جس میں گھنٹیاں آویزاں تھیں جس حجرے میں بت تھا اس کی
 قدیوں کو روشن کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ روشنی کے لیے اس میں جو اہر دالاس حجرے
 ہوئے تھے، جن کی جگہ ہٹ سے ہمہ دم روشنی رہتی تھی، محمود کے یہ حملے "بت شکنی
 کے لیے نہیں، حصول زر کے لیے تھے اور اس مقصد میں وہ اپنی توقعات سے زیادہ کامیاب
صوبہ پنجاب کا نیا نظم | بہر حال محمود نے پنجاب کو سلطنت غزنویں کا ایک
 صوبہ قرار دیا، اس نے اس صوبہ کے مرکز سے دور دراز ہونے کی وجہ سے یہاں
 ایک نیا نظم قائم کیا۔ ایاز کے بعد فوجی اور انتظامی اختیارات علیحدہ علیحدہ حکام
 کے سپرد کئے، انتظامی امور ابو الحسن علی المعروف بہ قاضی شیرازی کے سپرد کئے
 اور سپہ سالاری کے عہدہ پر علی اری یارک کو مامور کیا، لیکن گورنر اور سپہ سالار
 دونوں کا ایک دوسرے سے سروکار نہ رکھا، یہ دونوں براہ رست غزنین کے
 ماتحت تھے، اور بچہ نوبی پر ابو الحکم نام کے ایک انسر کو مقرر کیا۔

محمود کو ہندوستان سے ایک رابطہ | اگرچہ محمود نے ہندوستان کو اپنا
 وطن نہیں سمجھا۔ اس کو غزنین پیارا تھا، اور اسی کو اس نے آباد کیا، تاہم ہندوستان
 سے اس کو ایک رابطہ پیدا ہو چکا تھا، ہندوستان کے جنگی ہاتھیوں پر اس کو ہیا
 ناز تھا، کردہ خلیفہ بغداد کو بھی اسی اعتماد پر دھکی دینے سے باز نہ آیا۔ اور افضل
 المصل کا عبرت آموز جواب پایا۔

محمود کی رواداری | اس نے اپنی ساری عمر میں کبھی کسی ایک ہندو کو بھی جبر
 سے مسلمان نہیں بنایا، اور نہ امن کی حالت میں کسی ایک مندر کو توڑنے اور بت شکنی
 کرنے کا کوئی واقعہ پیش آیا، اس نے ہندوستانی مقبوضات کے لیے اپنا سکہ ہندی
 زبان میں جاری کیا، اور اپنی فوج میں ہندوؤں کو معزز عہدوں پر بھی سرفراز کیا،

سو بند رائے اس کی فوج میں اعلیٰ کمان دار تھا، ہندوستانیوں کا ایک بڑا لشکر اس کے ماتحت تھا۔

سلطان محمد | سلطان محمد (۱۲۱۱ء) محمود کی وفات کے بعد تخت پر

بیٹھا، اس کے بھائی مسعود نے جب اس پر فوج کشی کی تو اس نے اسی ہندوستانی سپہ سالار سو بند رائے کو اس کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ مگر وہ اس جنگ میں کام آیا، تاہم معلوم ہوا کہ اس لشکر کو اتنی اہمیت حاصل تھی کہ وہ تاج و تخت کا فیصلہ کر سکتے تھے۔ سو بند رائے کے مارے جانے کے بعد سلطان محمد خود فوج لے کر گیا اور میدان جنگ میں گرفتار کر لیا گیا۔

سلطان مسعود | سلطان مسعود (۱۲۱۱ء - ۱۲۲۲ء) کو ہندوستان کے نظم و ضبط

میں محمود کے قائم کئے ہوئے دو علی نظام سے سابقہ پڑا، یہ دو علی نظام پنجاب میں نہ چل سکا، قاضی شیرازی اور علی اری یارک میں اختلاف پیدا ہوا، وزیر غزنی نے یارک کو شیریں گفتاری سے پایہ تخت بلوایا اور ۱۲۲۳ء میں بلخ میں اس کو قید کر دیا، پھر پنجاب کی سپہ سالاری پر احمد نیا لتگین بھیجا گیا۔ اس کے بعد سلطان مسعود نے ۱۲۲۲ء میں کشمیر کے قریب قلعہ سرستی پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر لیا۔

احمد نیا لتگین | مسعود کے واپس جاتے ہی لاہور میں انتظامی و فوجی حکام کی

جنگ پھر شروع ہو گئی مگر وزیر اعظم غزنی نے اس مرتبہ نیا لتگین کی حمایت کی اس نے قاضی شیرازی سے بے پردہ ہو کر ہندوستان پر فوجی حملہ کر دیا اور سرعت سے بڑھتا ہوا بنارس تک پہنچ گیا اور اس شہر کو بھی لوٹا۔ قاضی شیرازی نے غزنین اطلاع دی کہ نیا لتگین نے بے شمار دولت حاصل کی ہو، خود مختاری کی طرف مائل ہے، اپنے کو محمود کا بیٹا کہتا ہو، نیا لتگین نے واپس آ کر قاضی کو قلعہ میں قید کر دیا، گویا اس طرح دربار غزنین میں قاضی شیرازی کی بھیجی ہوئی خبر کی تصدیق ہو گئی۔

سپہ سالار ناتھ | سلطان مسعود نے ۱۲۲۶ء میں احمد نیا لتگین کی

سرکوبی کے لیے ایک ہندو سپہ سالار ناتھ کو بھیجا مگر وہ ناکام رہا، اس

کے بعد اس کی سرکوبی کے لیے ایک دوسری فوج بھیجی جا ہی، مگر مہم کی دشواریوں کو دیکھ کر کوئی آمادہ نہیں ہوا، اور آخر ایک دوسرا ہندو سپہ سالار تلک آگے بڑھا اس نے اس مہم کو انجام دینے کا بیڑا اٹھالیا۔

سالار تلک سالار تلک سو بند رائے کی جگہ غزنی کی ہندو فوج کا سپہ سالار تھا، اور اس کے عزیزان میں ہندو سرداروں کے دستور کے مطابق اس کے مکان پر نوبت سجتی تھی اور غزنین کے سپہ سالار کی طرح اس کو بھی علم، خمیہ اور جتر عطا ہوا تھا۔ تلک لاہور آیا تو نیا تلگین فرار ہو چکا تھا اس نے اس کی سرکویت پانچ لاکھ درہم مقرر کی، پھر جن جن کو اس کے سپاہیوں کو اس وقت تک مارا جب تک انھوں نے نیا تلگین کا ساتھ چھوڑنے کا وعدہ نہیں کر لیا، پھر جاٹوں نے بحر سندھ عبور کرتے ہوئے نیا تلگین کو بھی پکڑ لیا اور اس طرح اس کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ اس طرح گویا غزنوی سلطنت کے استحکام میں ہندوؤں اور جاٹوں نے رضا کارانہ حصہ نہیں لیا۔

ہندوستان کا خزانہ اس کے بعد سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان ہندوستان کو واپس لے کر آیا، اس کا مقصد ہندوستان سے واپس آ کر اپنے لڑکے کے بعد وود کو پنجاب کا گورنر بنانا کہ غزنین واپس گیا اور ایاز کو اس کا امالیق مقرر کیا، اسی زمانہ میں دوسری طرف سجوٹیوں کو عروج حاصل ہو رہا تھا، اور ان کا سیلاب بڑھتا ہوا غزنین تک آ رہا تھا۔ مسعود نے اس ابھرنے والی نئی طاقت کا مقابلہ کیا، اور ہندوستان میں مرد کے میدان میں اس کو فاش شکست ہوئی، مستقبل کا نقشہ اس کی نگاہ میں آیا، اس نے غزنین سے اپنے پایہ تخت کو پنجاب میں لے آنے کا فیصلہ کیا، تین سو اونٹوں پر زور و جواہر اور مال و دولت کا انبار لا کر چلا۔ ہندوستان کی دولت ہندوستان میں واپس آ رہی تھی، کہ اٹنا سے راہ میں اس کے ترک اور بیشتر ہندو سپاہیوں نے اس سے بے وفائی کی، خزانہ لوٹ لیا سلطان کو حراست میں لے لیا، اور اس کے نائبین بھائی سابق سلطان محمد کو قید سے نکال کر تحت نشین کر دیا، اور چند دنوں کے بعد مسعود قتل کر دیا گیا،

غزنی و ہندستان کے امراء سلطان مسعود کے قتل ہونے کے بعد اس کے
 کی پالیسی میں اختلاف بیٹے مودود نے غزنین میں تخت نشینی اختیار کی
 اور ۱۰۳۱ء تک حملہ کر کے محمد کا خاتمہ کیا، ہندستان کے امراء مودود اور محمد کشکاش
 میں محمد کے طرفدار تھے، اس طرح پایہ تخت غزنین اور ہندستان کے امراء غزنین
 کی پالیسی میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

سلطان مودود سلطان مودود (۱۰۳۱ء - ۱۰۳۴ء) اس کے باوجود
 ہندستان کے امراء غزنین سے مرعوب نہیں ہوا اس نے ابو نصر محمد بن احمد
 کو لاہور کا حاکم مقرر کیا اور خود ملتان سے لاہور آیا اور بانسی اور تھانیسرتک
 کا دورہ کر کے واپس گیا، اس اثنا میں مغرب میں سلجوقیوں کا زور بڑھتا گیا اور مودود
 کو ادھر متوجہ ہونا پڑا۔ یہ دیکھ کر اس کے بھائی مجدود نے مودود سے ناراض
 ہو کر امراء کی مدد سے پنجاب پر قبضہ کر لیا، مودود نے ۱۰۳۵ء میں پنجاب پر فوج
 کشی کی، مگر مجدود نے لاہور کو بچا لیا۔ لیکن اسی اثنا میں مجدود اپنے خیمہ میں مردہ
 پایا گیا، اس کا دست راست ایاز بھی مر گیا۔ اور مودود کے قبضہ میں پنجاب آ گیا
 ہندستان میں وطن اور دوسری طرف غزنویوں کی خانہ جنگی اور سلجوقیوں سے ان
 دھرم کو بچانے کا نیا جذبہ کی معرکہ آرائی سے ہندستان کے راجپوتوں نے
 پورا فائدہ اٹھایا، ان میں وطن اور دھرم کو بچانے کا نیا جذبہ پیدا ہوا، جو
 لوگ ترکوں کے خوف سے جنگلوں میں پناہ گزین تھے۔ خود اعتمادی کے ساتھ نکل
 پڑے، تقدیر نے یادری کی، راجہ دہلی کی سرکردگی میں ۱۰۳۵ء ہی میں بانسی اور
 تھانیسرت پر قبضہ کر لیا۔

نگرکوٹ کی بازیافت اور محمود نے ہندوؤں کے مقدس مقامات میں
 ہندستان میں جذبہ مسرت سے جن کو فتح کیا تھا۔ ان میں سے صرف نگرکوٹ
 پر اپنا قبضہ رکھا تھا۔ انھوں نے اس کو بھی داغدار کر لیا، جس سے ہندوستان میں
 مسرت کی عام لہر دوڑ گئی۔ جاتری جوت جوت تیرتھ کے لئے آنے لگے، اب

راجپوتوں کے دل بڑھے ہوئے تھے : وہی اور مصنافات کے علاقے تو غزنویوں کے ہاتھ سے نکل چکے تھے وہ لاہور کا فیصلہ کر لینے کے لیے آگے بڑھے ، یہ دیکھ کر غزنوی امراء میں بھی نئی حرارت آئی ، اختلافات کو بھلا دینے کا عزم کر کے اٹھے راجپوتوں کا شکر بغیر لڑے واپس چلا گیا ۔

مودود نے ۴۴۱ھ میں اپنے لڑکے ابوالقاسم محمود کو لاہور کا حاکم بنا کر بھیجا اور ابوطلی کو ہند کا سپہ سالار بنایا جس نے پشاور ، کشمیر اور ملتان کی فوجاؤں میں فساد کیں ، لیکن بانسی ، تھانیسر اور نگر کوٹ کے قلعے قبضہ میں نہ آ سکے ۔

سلطان عبدالرشید مودود کی وفات کے بعد علی بن ربیع ایک امیر نے اس کے تین چار برس کے بچے مسعود ثانی کو تخت پر بٹھادیا ، مگر دوسرے امراء نے مودود کے بھائی علی بن مسعود کی اطاعت کی ، اور علی بن ربیع ایک جماعت کے ساتھ ہندوستان چلا آیا ، اور پشاور سے سندھ تک کے علاقہ کو قبضہ میں لے لیا ، اس اثنا میں سلطان مودود کے چھوٹے بیٹے عبدالرشید (۴۴۱ھ - ۴۴۲ھ) نے غزنی کے تخت پر قبضہ کر لیا ، اس نے ربیع کو غزنی واپس بلایا اور اس کی جگہ نوشنگین کرخی کو ہندوستان اور سندھ کا والی بنا کر بھیجا ۔

نوشنگین حاکم پنجاب غزنوی حکمرانوں کی خانہ جنگی کے بعد نوشنگین گویا ہندوستان کا با منابطہ سرکاری حاکم تھا ، اس کے ساتھ مستحکم فوج بھی آئی تھی اس نے قلعہ نگر کوٹ پر دوبارہ قبضہ کر لیا ۔

سلطان فرخ زاد اس اثنا میں غزنی میں پھر انقلاب حکومت ہوا جس کے بعد فرخ زاد بن مسعود (۴۴۲ھ - ۴۴۹ھ) تخت نشین ہوا ، اس نے کسی کو ہندوستان کا والی بنا کر نوشنگین کو اپنی وزارت کے منصب کے لئے طلب کر لیا ۔

سلطان ابراہیم اس کے بعد سلطان ابراہیم بن مسعود (۴۴۹ھ - ۴۵۲ھ) تخت نشین ہوا ۔ اس نے چالیس برس حکمرانی کی ، لیکن اپنے پورے دور حکومت میں اس نے ہندوستان پر صرف دو مرتبہ چڑھائی کی ، آخری مرتبہ ۴۵۲ھ میں آیا اور

اجودھن (پاک پٹن) پر قبضہ کیا پھر قلعہ روہڑی پر دھاوا کیا، اسی طرح روپل اور نئی کال کو قبضہ میں لایا اور بڑھتا ہوا سہارن پور کے ضلع تک آیا اور کئی قلعوں پر قبضہ کر کے واپس گیا
سلطان مسعود بن ابراہیم | سلطان مسعود بن ابراہیم (۱۱۹۲ء - ۱۱۹۳ء)
 اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا، اس زمانہ میں ہندوستان کا والی طغتاہگین بنایا گیا
طغتاہگین حاکم پنجاب | گنگا کو عبور کر کے مختلف مقاموں کو قبضہ میں لایا، اور
 کثیر دولت کے ساتھ لاہور واپس گیا۔

سلطان ارسلان | مسعود بن ابراہیم کی وفات کے بعد سلطان ارسلان (۱۱۹۳ء - ۱۱۹۴ء) کا وعدہ آیا۔ اس زمانہ میں غزنویوں نے ہندوستان میں دہلی طاقیتیں بھر رہی تھیں۔ ایک نے سلجوقیوں کی جگہ لی اور دوسری نے غزنویوں کا خاتمہ کیا۔ ارسلان کے زمانہ میں سبخر سلجوقی نے غزنی پر قبضہ جمالیا، تو وہ ہندوستان چلا آیا، اور یہاں سے ہندوستانی لشکر فراہم کر کے غزنی پر چڑھائی کی اور اپنے باپ کے تخت کو واپس لے لیا، لیکن سبخر نے واپس آ کر پھر غزنی پر قبضہ جمالیا، ارسلان پہاڑوں میں چھپ رہا، جہاں سے پکڑ کر لایا گیا، اور قتل کیا گیا۔
محمد باہلمی والی پنجاب | اس زمانہ میں ہندوستان کی ولایت کی زمام محمد باہلمی کے ہاتھ میں تھی، وہ اپنی دانش مندی سے پنجاب کو بچائے رہا، اور باپ کے تخت غزنی کے انقلابات کے اثر سے یہ صوبہ محفوظ رہا۔

بہرام شاہ | اس کے بعد بہرام شاہ بن مسعود (۱۱۹۴ء - ۱۱۹۵ء)
 سلطان سبخر کی بخشش کے طور پر جو بہرام کاموں میں بھی تھا، غزنی کے تخت پر بیٹھا، محمد باہلمی نے غائب ارسلان کی ہمدردی میں ہندوستان میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مگر بہرام نے غفلت نہ برتی، فوراً کوچ کر کے ۱۱۹۵ء میں ہندوستان آیا، محمد باہلمی کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوا۔ مگر پھر خطا صاف کر کے ہندوستان کی حکومت اس کے سپرد کر کے واپس چلا گیا۔

قلعہ ناگور پر قبضہ | اس کے بعد محمد باہلمی نے قلعہ ناگور فتح کیا، اس کو مستحکم کر کے اپنا ماں بنایا، اور ایک عظیم نشان لشکر فراہم کر لیا اور مختلف راجاؤں سے موکر آرا دیا۔

محمد باہیم کی بغاوت اور زوال | اس اثنا میں اس کو اپنی طاقت پر پھر قائم ہو گیا اور غزنی کی کمزور سلطنت کے ماتحت رہنا جو خود قوی دشمنوں کے زمرہ میں تھی، پسند نہیں کیا سلطان بہرام اس کو سزا دینے کے لیے پھر آیا، ملتان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ محمد باہیم شکست کھا کر مارا گیا۔

حسین بن ابراہیم والی پنجاب | سلطان بہرام ہندستان میں حسین بن ابراہیم علوی کو حاکم بنا کر چلا گیا، جب غوریوں کا حملہ غزنی پر شروع ہوا تو بہرام مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر ہندستان چلا آیا، پھر موقع پا کر واپس گیا، اور غزنی پر قبضہ کیا۔

غزنی کی بربادی | لیکن پھر ۵۴۴ھ میں علاء الدین حاکم غور نے غزنی پر قبضہ کر لیا، اور شہر میں آگ لگا دی، اسی سے ”جہاں سوز“ کا لقب پایا، سلطان بہرام غزنی کی بربادی کا صدمہ برداشت نہ کر سکا اور اسی غم میں ہندستان واپس آکر ۵۴۲ھ میں اس دنیا سے چل با۔

خسرو شاہ | اس کے لڑکے خسرو شاہ ۵۴۲ھ میں ۵۴۴ھ میں غزنی ہی میں اپنا تخت بچانا چاہا مگر غوری آ موجود ہوئے، اس لیے وہ نامراد ہندستان واپس آیا۔ غزنوی سلاطین کا مامن ہندستان | اب غزنویوں کا مامن ہی ہندستان تھا، جو بہت سی قوموں کو اپنے سینہ سے لگا چکا تھا اور ان کا پایہ تخت غزنی کے بجائے لاہور تھا۔

ملک خسرو | خسرو شاہ نے ۵۴۴ھ میں لاہور میں وفات پائی ملک خسرو ۵۴۴ھ میں اس کا جانشین ہوا۔ اور اس نے جس برس ابن واماں سے اپنے مقبوضات ہند پر حکمرانی کی۔

راجہ جموں کی دعوت | اس اثنا میں سلطان شہاب الدین غوری کا انتخاب شہاب الدین غوری کو | اقبال طلوع ہوا، غزنوی سلطنت لاہور کی سرحد مشرق میں سیالکوٹ تک تھی اور یہیں راجہ جموں کی سرحد اس سے ملتی تھی، یہاں کے راجہ چک دیو نے سلطان شہاب الدین کو پنجاب خاتمہ کرنے کی دعوت دی، شہاب الدین

کے خطہ ہندوستان پر شروع ہو گئے، اور پشاور، ملتان اور سندھ کو اس نے فتح کر لیا، پھر ^{۱۱۸۱ھ} میں لاہور پر فوج کشی کی، خسر و ملک قلعہ بند ہو گیا اور تہا لبین کو وہیں جانا پڑا، ^{۱۱۸۱ھ} میں وہ پھر ہندوستان آیا، اور سیالکوٹ کے قلعہ کو فتح کر کے اس کو محکم کیا۔

آل بکتگین کا زوال | اس کے بعد ^{۱۱۹۶ھ} میں وہ پھر لاہور آیا اور خسر و ملک اور اس کے پورے خاندان کو گرفتار کر کے غزنی لے گیا۔ اور وہاں سے زابلستان کے قلعہ میں قید کر دیا جہاں اس نے ^{۱۱۹۶ھ} میں وفات پائی۔

غزنوی سلطنت کے خاتمہ میں | اس طرح ہندو مسلم دونوں حکمرانوں کی باہمی اصلاح و ہندو مسلم حکمرانوں کا اشتراک | اشتراک عمل سے ہندوستان میں آل بکتگین کی غزنوی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

غزنوی سلاطین کے دور میں | غزنوی سلاطین کی علم پروری شہرت عام رکھتی ہی، ہندوستان میں علوم و فنون کی ترقی | ہزاروں شعراء اس سلطنت کے دور میں دربار سے وابستہ رہے، اور فارسی و عربی ادب میں ان کے نقوش تازہ ہیں۔ غزنوی سلاطین میں بشیر خرم صاحب علم و فضل تھے، سلطان محمود کی فتح مندلیوں اور کشور کشائیوں کے ساتھ اس کے علم و فضل کا شہرہ بھی کچھ کم نہیں، کہا جاتا ہے کہ شاعری پر اس نے شاہانہ توجہ کی، ایک مستقل محکمہ قائم کیا، اس کے خزانہ کرم سے چار سو شاعر بہرہ یاب تھے فردوسی، اسد طوسی، مجد دی، غفاری، فرخی، حکیم سنائی، منوچہری، و اسغانی وغیرہ میں سے ہر ایک اعلیٰ سخن کا تاجدار تھا، دوسری طرف جلیل القدر عربی گو شعراء اس کے دامن فیض سے وابستہ تھے مگر ان کے کلام کا عام جوہر نگاہوں کے سامنے نہ آ سکا۔ بلکہ غزنوی عہد کی تاریخ سے ان کے نام و نشان بھی رفتہ رفتہ محو ہو گئے مگر عرب تذکرہ نگاروں نے تتمۃ البیئۃ، دبیۃ القصر اور تذرات الذہب وغیرہ میں ان کا تذکرہ محفوظ رکھا ہے، اگر محمود، صاحب تاج و تخت نہ ہوتا تو اس کا شمار با سنجوی صدی کے ممتاز اہل علم میں ہوتا۔

لے یہ کتابیں کچھ دن گزرتے چپ کر شایع ہوئی ہیں وہ غزنوی دربار کے چند عرب شعراء کے عنوان سے ایک مقالہ ائم سوادہ لکھا۔

ابن شیبہ کا بیان اکبر الہر الفیہ میں منقول ہے کہ :-

”سلطان محمود اعیان نقباء میں سے تھا، اور فصاحت و بلاغت میں بیجا نہ روزگار تھا، علم و فقہ و حدیث میں اس کی تصنیفات، خطبے، اور رسائل ہیں، وہ بہترین شعر بھی کہتا تھا، اس کی تصنیفات میں کتاب التفریع جو فقہ حنفی میں ہی مالک سنی میں عام شہرت رکھتی ہو۔
ابن عماد لکھتے ہیں :-

”اس کی مجلس علماء سے معمور تھی..... وہ علم حدیث کا شائق تھا۔ علماء اس کی موجودگی میں حدیث کا مصلح کر چکے، امداد بھی روایت لینے والوں میں سے ہوتا اور احادیث کے تعلق استفسار کرتا رہتا۔“

اسی طرح تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں اس کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہو اور لکھا ہو کہ وہ خفیت کے بعد شافعی مذہب کی طرف متقل ہو گیا تھا، امام اکبر میں نے بھی اپنی تصنیف خبث الخلق میں ذکر کیا ہے اور قاضی ابن خلکان نے بھی اس حیثیت سے اس کے موانع اپنی کتاب میں درج کئے ہیں۔

سلطان مسعود بھی علم و علماء کا قدردان تھا، مختلف مائے ناز کتابیں اس کے لیے تصنیف کی گئیں، قانون ریاضی میں سیرینی کی کتاب ”القانون المسعودی“ فقہ حنفی میں قاضی ابو محمد ناصحی کی کتاب المسعودی، اس عہد کی یادگار ہیں، شعراء کا بھی قدردان تھا، اور غیر معمولی بخششیں دیتا تھا۔

سلطان ابراہیم علم و فن سے دلچسپی رکھتا تھا، بہترین خطاط تھا، ہر سال ایک مصحف اپنے ہاتھ سے لکھ کر صدقات کے ساتھ مکہ معظمہ بھیجا کرتا تھا۔

ہرام شاہ جی علم و علماء کا قدردان تھا، کتابیں جمع کرنے کا شائق اور اپنے سامنے پڑھوا کر سننے کا عادی تھا، مختلف کتابیں اس کے لیے لکھی گئی ہیں، نظامی گنجوی

نے اپنی مخزن الاسرار اس کے لیے لکھی، کلیدہ دومنہ کا ترجمہ عربی سے فارسی میں اس کے لیے کیا گیا، اور ابوالمجد محمد و بن آدم سنائی نے کتاب اُحدیقیہ تصنیف کی۔

شعراء | غزنوی سلاطین کی علم پروری سے ہزاروں شعراء اس سلطنت کے دور میں دربار سے وابستہ رہے اور فارسی و عربی ادب میں ان کے نقوش تازہ ہیں پنجاب میں ان کے پچاس ساٹھ سال کی حکمرانی کے دور میں یہاں فارسی گو ہندستانی شعراء بھی پیدا ہو گئے، چنانچہ عونی نے اپنے تذکرہ میں ان کے لیے ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ ان میں ابو الفرج بن مسعود متوفی ۳۸۸ھ، روئنی، اور مسعود سعد بن سلمان اور روزبہ بن عبد اللہ لاہوری خاص طور پر لائق ذکر ہیں۔

روئنی کا فضل و کمال یہ ہے کہ عونی کے بقول اندری جیسا قصیدہ گو شاعر اس کا متبع تھا، روئنی کا انتخاب لاہور کے ایک۔ قندہ روئنی کی طرف تھا۔
سعد بن سلمان کو سلطان محمود نے ۳۸۸ھ میں ہندستان بھیجا اور متوفی ۴۱۸ھ کے عہدہ پر مامور کیا، اور وہ یہاں کے ممتاز امراء میں سے تھا۔

مسعود بن سعد بن سلمان اسی کا خلف الرشید تھا، وہ لاہور بھی میں پیدا ہوا اور یہیں نشوونما پائی، سلطان ابراہیم کے عہد میں امتیاز حاصل کیا، علوم میں دستگاہ حاصل کرنے کے بعد فن شعر کی طرف متوجہ ہوا، حکومت کی تماز خدمتوں پر مامور رہا۔ اور شعراء کی قدر دانی کرتا رہا، ۳۸۸ھ میں شاہی عتاب میں آیا، اور چند سال کے بعد جب حافی ملی تو ہندستان سے فرار ہو گیا۔ مسعود سعد سلمان کو یہ خاص امتیاز حاصل ہے کہ وہ ہندستان کا پہلا شاعر ہے جس نے عربی و فارسی کے ساتھ ہندی یا ہندستانی زبان میں بھی شاعری کی، اور اس زبان میں اپنا مستقل دیوان اپنی یادگار چھوڑا۔ جو عبد القادر بدایونی کے زمانے تک موجود تھا۔

ابو علاء عطار بن عقیق متوفی ۴۹۱ھ اس عہد کے ممتاز شعراء میں سے تھا، وہ بھی شاہی عتاب میں آیا تھا۔ وہ عربی و فارسی دونوں زبانوں میں صاحب دیوان ہے

عربی و فارسی تذکروں میں علماء اس کے حالات ملتے ہیں، نیز نقوف کا بھی ذوق تھا لکھنؤ کے محجب
میں ذکر کیا ہے۔

علماء و محدثین | اسی طرح اس عہد میں ہندستان میں ممتاز علماء اسلام اور شیعہ صوفیہ
قصائد کے فیض و برکات کا سرچشمہ جاری ہوا۔ چنانچہ شیخ ابوالفضل بن علی
غزنوی کو جو ممتاز اہل علم میں سے تھا، سلطان مسعود غزنوی نے ۵۲۶ھ میں ہندستان
بھیجا، لاہور میں قیام تھا یہاں دلیوان الاشارہ کا انسرا علی مقرر کیا گیا۔

ابو الریحان محمد بن احمد البیرونی جو علوم ہندسہ، ہیئت، نجوم، اور فلسفہ ہندو
میں ہستاد فن مانا گیا، اسی عہد میں گذرا ہی، بیرون، سندھ ہی کا ایک گاؤں تھا، جس
سے منسوب کیا گیا۔ وہ شیخ ابو علی سینا کے معاصرین میں سے تھا۔ اور ان دونوں میں
مراسم قائم تھے، وہ سالہا سال ہندستان میں قیام پذیر رہا، اس کی تصنیفات کتاب الفہرست
جو خاص ہندستان کے موضوع پر لکھی گئی۔ کتاب الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ وغیرہ
شہرت عام رکھتی ہیں۔

شیخ ابوالحسن علی بن عمر لاہوری متوفی ۵۲۹ھ اس عہد کے نامور محدث، اویس
شاعر تھے، شیخ عبد الباقی بن عبد الرحمن لاہوری ان کے تلامذہ میں سے اور سمانی صاحب
کتاب الانساب کے شیخ حدیث تھے۔

اسی طرح شیخ ابو جعفر عمر بن اسحاق دہلی لاہوری اس عہد کے ممتاز عالم و شاعر
تھے۔ عینی نے ان کا تذکرہ کیا ہے اور کلام کا نمونہ مدح کیا ہے۔
شیخ عمرو بن سعید لاہوری متوفی ۵۳۵ھ فقیہ محدث تھے، حافظ ابو یوسف
مدنی ان کے تلامذہ میں سے تھے۔

شیخ ابوالقاسم محمود بن محمد لاہوری اس عہد کے ممتاز محدثین میں سے تھے
فقہ میں بھی دستگاہ رکھتے تھے، ابوالنظر سمانی سے حدیث و فقہ کی تحصیل کی، حموی
نے مجمع المبلدان میں اور سمانی نے کتاب الانساب میں تذکرہ کیا ہے، ۵۳۵ھ کے قریب
وفات پائی۔

اسی طرح شیخ ابوسعید خضلی بن عبد اللہ ہندی۔ ابو نصر ہتہ اشرف فارسی وغیرہ اس عہد کے ممتاز علما میں سے تھے۔
مشائخ | اس عہد کے مشائخ میں حضرت نضر الدین حسین زنگانی لاہوری کا اسم گرامی سرفہرست آسکتا ہے وہ حضرت بھویری کے خواجہ تاش تھے، فقہ و دیگر علوم دین اور راہ سلوک میں شان امتیاز رکھتے تھے شیخ ابوفضل محمد بن حسن خلی سے سلوک کی منزلیں ملے تھیں پھر ہندستان تشریف لاکر لاہور میں اقامت گزری ہوئے، حسین بن حضرت بھویری لاہور تشریف لائے، اسی شب میں وصال فرمایا۔

حضرت ابو الحسن علی بن عثمان بھویری لاہوری کو بھی علوم دین اور تصوف میں شان امتیاز حاصل تھی شیخ ابوفضل محمد بن حسن خلی سے راہ سلوک ملے کی، پھر مختلف مالک اسلامی سیاحت کی، اور متاز اکابر عصر حضرت ابوالقاسم قشیری شیخ ابوسعید بن البراء خیر، ابوعلی فضل بن محمد فارمدی و دیگر محدثین و صاحبین سے کسب کمال فرمایا پھر ہندستان تشریف لائے۔ اور لاہور کو مستقر بنایا، گنج بخش و دانا بخش کے لقب سے مشہور ہیں، جس کے میں اصل بکن ہوئے، مزار مرید خلعت ہے۔ حضرت دانا گنج بخش صاحب تصنیفات ہیں یہ پہلے شیخ طریقت میں، جن کی تصنیفات سے ہندستان میں علم تصوف کی اشاعت ہوئی، مگر بعد از ان کی شہرہ آفاق تصنیف ہو، یہ فن تصوف کی بنیادی کتاب ہندستان میں کبھی کسی اور شاخ ہند سے اس کو اپنے سامنے رکھا، اور آج بھی قدر و منزلت اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، ان کی دوسری تصنیفات میں مختلف رسائل مہناج الدین، کتاب الفناء والبقاء، اسرار الخلق و الموات، کتاب البیان لابل العیان، بحر القلوب اور الرغایہ بحقیق اللہ ہیں۔

اسی طرح حضرت شریف احمد بن زین چشتی ملتان کا برصغیر میں سے تھے، سرفہرست ہند میں پیدا ہوئے، بعد از تشریف لے گئے، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے فیوض حاصل کئے۔ پھر قریہ چشت میں آکر شیخ مودود چشتی سے بیعت ہوئے، اور پھر ہندستان واپس تشریف لائے اور خلعت کو نفی ہو سچایا، ۷۰۰ھ میں وفات پائی، اور

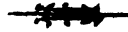
نواحی ملتان میں اسودہ خواب ہوئے ۔

شیخ جمال ہسند ثقہ الدین یوسف بن محمد دہلوی افاضل مددگار میں سے تھے
خسرو ملک کے زمانے میں : رجبہ امارت پر سرفراز ہوئے ، پھر تارک دنیا ہوئے اور لاہور
میں اصلاح خلق کی خدمت میں مصروف ہو گئے ، جوانی میں شعر و شاعری کا بھی مذاق
تھا ۔ لاہور ہی میں وفات پائی اور عونی کے بقول قبر زیارت گاہ خلافت ہو ، اور
لوگ برکت حاصل کرتے ہیں ۔

اسی طرح شیخ جمال الدین یوسف بن ابوبکر گردیزی اس عہد کے اکابر فقہاء میں
سے تھے ، عبارت و ریاضت کی طرف رجوع ہو گئے اور مرجع خلافت بنے ، ۸۳۵ھ
میں ملتان میں وفات پائی ۔

ممتاز اعیان غزنوی عہد کے ان ممتاز اعیان میں جن کا تعلق ہندوستان سے
دہستہ ہو گیا ، احمد بن نیا سنگین متوفی ۸۲۵ھ تھا جس کا ذکر اوپر تفصیل سے گزر چکا
اسی طرح ارباق صاحب بھی محمود کا غلام تھا ، اس کے زمانہ میں لاہور کا والی بنایا گیا ۔
اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد المقتول ۸۲۲ھ مامور کیا گیا تھا ، محمود کا مشہور
غلام ابوالنجم ایاز غزنوی کا تعلق بھی ہندوستان سے دہستہ ہو گیا تھا ۔ اس نے شیخ
افضل الدین محمد کاشانی سے علوم کی تکمیل کی تھی ۔ ایاز و محمود کے واقعات عام شہرت
رکھتے ہیں وہ سلطان مسعود کے زمانہ میں مجدود کے ساتھ ۸۲۷ھ میں ہندوستان
آیا ۔ وہ مجدود کا اتالیق تھا ، انور ملکات انجام دیا رہا ، اور لاہور ہی میں ۸۲۹ھ
میں وفات پائی ، نوشتگین صاحب کا ذکر اوپر گزرا جس کو سلطان عبدالرشید
نہر مندوستان میں مامور کیا تھا ۔ فنا سنگین مشہور غزنوی سپہ سالاروں میں سے تھا
اس کا ذکر بھی اوپر گزر چکا ۔ اسی طرح محمد باہیم صاحب متوفی ۸۳۵ھ کا ذکر بھی گزر
چکا ہو ، حضرت سالار مسعود غازی المقتول ۸۳۸ھ جن پر ایک مستقل معین اس کتاب
کے ایک حصہ میں چھاپا اس عہد کے ممتاز اعیان و سالار فوج میں سے تھے ۔

حضرت سید الارسعود غازی رحمۃ اللہ!



جناب حکیم محمد بہار الدین صاحب مدنی متعلق مسجد دہاٹ گنج ہمدانی
 کا حسب ذیل استفسار آیا تھا اس کے جواب میں ایک تحریر شائع کی گئی، سوال و جواب
 سے حضرت سید الارسعود غازی و معروف بہ غازی میاں کے حالات روشنی میں آتے ہیں
 وہ درج ذیل ہیں۔ موصوف دریا نت فرماتے ہیں۔

سید سید الارسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سالہا خواجہ
 متوفی ۱۲۳۷ھ کے صاحبزادے اور شمسہ میں بمقام اجیسر پیدا ہوئے تھے
 ہمدانات سالار شاہ ہوتے تقریباً ۹ ماہ بقید حیات رہے۔ اپنی تمام عمر میں ۳ بار ہمدانوں
 سے محارب ہوئے۔ یہی سلسلہ میں ہراج پینے اور تباہی ۱۲ ماہ جب سلطان
 (میسری جنگ) میں شہادت پائی، و مفتاح التوارخ جان نیل، ایہ نجمۃ روزگشہ
 (پس، مخلص)۔

مرآۃ السعدی سے بھی اسی بیان کی تائید ہوتی ہے، ممکن ہو مفتاح التوارخ
 کا مخدم مرآۃ السعدی ہو، مگر بعض دوسرے موصوفین نے بحوالہ ابو الفضل لکھا ہے، کہ
 اوغویٹ وید سلطانی محمود غزنوی است ۱۰ اور بحوالہ تاریخ فرشتہ تحریر کیا ہے، کہ

دعویہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲) خود انعام ص ۱۱۳، ۱۱۵، عرب ہند کے فتوحات ذکر محمود غزنوی، سلطان محمود غزنوی (پہلیسیر
 حبیب) تاریخ ہند (مجلد ۱) باب ۱۱۳، نزہۃ الخواطر (ص ۶۷) سلطان ابراہیم، ۷۷، شاہنشاہین، ۹۱، (اریق)
 (۱۰۰) (دردی) ۹۹ (ابو الفضل) ۸۳ (روزبہ) ۸۴ (سعد سلمان) ۱۰۱ (عطا) ۸۴ (سیونی) ۱۱۳،
 (سعود سلمان) ۹۰ (سلطان محمود) ۹۶ (سعود) ۹۹ (نوشہین) ۸۲ (زنجانی) ۹۶ (پجیری) (۱۱۳)
 ہرام شاہ (۱۰۶) (دہانگین) ۱۰۴ (عبداللہ) ۱۰۵ (دہانی) ۱۰۸ (توٹھی) ۱۰۹ (ابوہیم)
 ۱۰۹ (عبداللہ) ۱۱۰ (عزیزانی) ۱۱۱ (محمود) ۱۱۲ (ابو القاسم لا پور) ۱۱۳ (مخلص) ۱۱۳ (سعود سالار)
 ۱۱۴ (دہانہ اللہ) ۱۱۵ (دہندی) ۱۰۰ (دین) ۱۱۹ (ڈر دی)۔

” از اتا قرب سلطان محمود غزنوی پورہ کرد و رعمد او لاد سلطان غزنوی در شہ
 بدست کفار مقتول گردید“ تاریخ فرشتہ اور مرآۃ مسعودی و مناقب اتواریخ
 کے اقوال میں اختلاف ہو، تحقیق حق کا طالب ہوں،
 تحقیق طلب یہ ہو کہ یہ بزرگ کہاں کے رہنے والے تھے۔ سند پیدائش کیا ہو
 اور کس سلسلہ میں ہندستان آئے تھے ان کے صحابہ کی اصلیت و نوعیت کو بھی اٹو
 شہادت کیسے داتے ہوئی جزاکمہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء،
 جواب میں لکھا گیا۔

حضرت سالار مسعود غازی کے متعلق روایات میں جیسا کہ استفسار میں
 ذکر آیا ہو اختلافات زیادہ ہیں، یوں تو ان کے مفصل سوانح حیات پر روشنی محمود غزنوی
 اور اس کے عین بعد کے زمانہ کی تاریخوں کی روایتوں سے بھی پڑتی ہو لیکن تاریخوں
 میں ان کا براہ رست تذکرہ آٹھویں صدی کی لکھی ہوئی تاریخوں سے شروع ہوتا ہو،
 سفرنامہ بن بطوطہ (۷۴۹ھ) تاریخ فیروز شاہی برنی (۷۵۳ھ) شمس سراچ عقیف
 (۷۹۹ھ) میں ان کا اور ان کے مزار کا ذکر موجود ہو، پھر اکبری عہد کی تاریخوں میں سے
 طبقات اکبری تاریخ فرشتہ، اکبرنامہ اور منتخب التواریخ میں ذکر آیا ہو۔ یہاں تک کہ
 صاحب مرآۃ الاسرار شیخ عبدالرحمن چشتی کی مستقل کتاب مرآۃ مسعودی سامنے آتی ہو،
 جو جہانگیر کے زمانہ میں تصنیف پائی ہو، اور مصنف کا بیان ہو کہ مرآۃ مسعودی کا ماخذ علامہ
 غزنوی کی تاریخ ہو جو محمود غزنوی کے زمانہ میں ہندستان آئے تھے، اس لحاظ سے مرآۃ
 مسعودی کا پایہ فیروز شاہ سے اکبری دور تک کی تاریخوں سے بڑھ جاتا ہو اگرچہ مرآۃ
 مسعودی میں بعض روایتیں تاریخی روایات کے خلاف بھی ہیں، لیکن اس کی تصدیق یا تردید
 عقل و درایت اور دوسری تاریخی روایتوں سے کی جاسکتی ہو۔ اس طرہ سے کہ جناب محمد
 عباس خاں صاحب شروانی نے حیات مسعودی میں بڑی خوبی سے انجام دیا ہو۔

حضرت سالار مسعود غازی کا جو نسب نامہ مرآۃ مسعودی میں ہو۔ اس سے وہ نواب
 علوی قرار پاتے ہیں پرانی تاریخوں مثلاً تاریخ فیروز شاہی وغیرہ میں انھیں سید

سے لقب نہیں کیا گیا ہی، مولانا عبدالرحمن خشتی نے انھیں سید اشہد ار کے لقب سے یاد کیا ہے اور ظاہر اسی راہ سے سید کا لقب ان کے نام کا جزو بن گیا ہے ایک روایت ان کے قبائلی انسل پہنے کی متعلق بھی آئی ہے لیکن وہ صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اس لیے یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ نسل علوی تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسم گرامی ان کے شجرہ نسب میں باوجود پشت میں ہے، ان کے علوی ہونے کے باوجود ان کا محمود غزنوی کے رشتہ داروں میں سے ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں، اس زمانہ میں ایسی رشتہ داریاں ہوتی تھیں، ان کا ناہمالی تعلق محمود غزنوی کے خاندان سے ہے ان کی ماں بی بی ستر علی محمود کی بہن تھیں، خواہ شکی ہوں، یا کسی دوسرے قریبی رشتہ کی۔

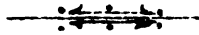
حضرت سالار مسعود غازی کے والد ماجد، سالار شاہ سیاحیہ میں قندھار اور پٹوہ کی راہ سے اجیر پہنچے اور سالار مسعود غازی کی پیدائش یہیں اجیر میں سیاحیہ میں ہوئی تاریخ فرشتہ میں سیاحیہ میں شہید کے جانے کا جو ذکر آیا ہے، اس کو کسی حال میں صحیح نہیں کہا جاسکتا تاریخ فرشتہ میں سنین کی غیر معمولی غلطیاں ہیں، اس لیے اس کے سنین وہی متبرک سمجھے جاتے ہیں، جن کی تصدیق دوسری تاریخوں سے ہوتی ہے یا جن کی تردید میں کوئی دوسری روایت براہ راست یا بالواسطہ موجود نہ ہو سیاحیہ میں غزنویوں کا آخری دور تھا، خسرو ملک حکمران تھا، اس کے لیے اپنے تخت کا سنبھالنا دشوار تھا، اس دور میں غزنی سے نہیں باہر کیا جاساں اس لیے حضرت سالار مسعود غازی کی وفات کو سیاحیہ میں، کہنا نہ صرف عام تاریخوں کی روایتوں کے خلاف ہے، بلکہ سلطنت کے داخلی حالات بھی اس کے مخالف ہیں، پھر شہابی راجاؤں کے کتبتوں کی شہادتیں اس کے خلاف بتاتے ہیں، اس لیے ان کا زمانہ سیاحیہ سے پہلے ہی کے انداز ہے اور انھوں نے اسی نوعی میں جام شہادت نوش کیا ہے۔

حضرت سالار مسعود غازی نے سارے ۴۰ سال کی عمر سے تعلیم شروع کی اور ۴۱ سال کی عمر میں انھوں نے غامی تعلیم حاصل کر لی۔ یہ تعلیمی زمانہ تقریباً اجیر ہی میں گزارا سالار شاہ، محمود غزنوی کے حکم سے سیاحیہ میں اجیر سے کابلیر کی مہم پر گئے اور مختلف مہینوں میں انجام دیا۔ اور جب یہی حکام ان کا مرکز قرار پایا تو بیوی بچہ کو

بھی اجیر سے ہیں بلایا، اس کے بعد جب محمود غزنوی، سومنات کی مشہور مہم میں ہندستان آیا تو سالار شاہ نے بھی اپنے نو عمر لڑکے کو ساتھ لے کر اس میں شرکت کی، اس کے بعد محمود اپنے بھانجے سالار مسعود کو اپنے ساتھ غزنی لے گیا اور سالار شاہ اپنی خدمت پر ہندستان میں مقیم رہے۔

حضرت سالار مسعود غازی کی تعلیم و تربیت دینی ماحول میں ہوئی تھی، اس زمانہ میں ہندستان کے مختلف خطوں میں پر امن اسلامی آبادیاں قائم ہو چکی تھیں۔ ہندستان میں صوفیہ کرام اور سنیوں کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کی خدمت انجام پا رہی تھی۔ دوسری طرف پائے تخت غزنی کے داخلی سیاست کی حالات سالار مسعود کے لیے سازگار نہ تھے، محمود غزنوی تو ان سے محبت کرتا تھا۔ مگر مسعود غزنوی اور وزیر احمد بن حسن ہندستان کو سالار شاہ سے شکر رنجی تھی اور اس کا قدرتی اثر حضرت سالار مسعود غازی پر بھی پڑا تھا، محمود کی زندگی بڑی سخت و پُر زور تھی اور جس کے آفتاب طلوع ہونے والا تھا، اور دربار کے امراء مسعودی جماعت میں غامی فدا میں تھے اس لیے سالار مسعود غازی نے پائے تخت میں قیام رکھنا مناسب نہ سمجھا، حالات کے لحاظ سے کوئی بڑی فتح اور معرکہ دلوں سے نہ مل سکتے تھے، دینی کی خدمت کا بند بھی دل میں موجود تھا، اس لیے یہ محمود سے اجازت لے کر تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ نیم تیلنی و نیم فوجی مہم پر ہندستان کے لیے غزنی سے روانہ ہو گئے، یہاں پہلے وہ اپنے والد سالار شاہ کی خدمت میں آئے۔ پھر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اپنے مشن پر چل پڑے۔ چنانچہ مختلف مقامات، شیوپور، ملتان، اوجھ، اجودھن، قنوج، میرٹھ، گدگیش، شنبلی، گنڈوا، رانی، دہلی، گڑھ، بدایوں، قنوج، گویا، کاتوا، ہوبہ، بلگرام، ملاواں، سترکھ، کڑا، مانگ پور، اور ڈالوا میں پہنچے ان مختلف مقاموں پر مختلف راجاؤں نے ان کا مقابلہ کیا اور یہ فتح یاب ہوتے گئے، اسلامی بستیوں جو کچھ پہلے سے قائم تھیں، ان کی خبر گیری کا، نئے آباد کاروں کو بلایا اور آگے بڑھتے گئے، سالار شاہ سترکھ میں آکر ان سے ملے اور یہیں انھوں نے وفات پائی، پھر یہ آگے بڑھ کر بہرائچ

پہنچے، اب اس دیار کے راجاؤں نے اُن سے آنکھیں فیصلہ کر لینے کا عزم کیا، وہ مختلف مقاموں سے چل کر یہاں آئے اور سر جوڑ کر ان کے مقابلہ کی تیاری کی، چنانچہ ان سے ان کی کل تین لڑائیاں ہوئیں، پہلی لڑائی میں سالار مسعود کو کامیابی ہوئی۔ دوسری لڑائی بھی انھوں نے جیتی، مگر ان کے رفقاء کی بڑی تعداد جنگ میں کام آگئی اور تیسری ۳۱ دینا رجب ۱۲۲۲ھ کی صبح کو شروع ہوئی، راجاؤں کی فوجیں بڑی تعداد میں تھیں اور انھیں کمک بھی ملتی جاتی تھی۔ دونوں فوجوں کا کوئی مقابلہ نہ تھا، چنانچہ حضرت سالار کے ہمراہی ایک ایک کر کے شہید ہوئے اور ۱۴ رجب ۱۲۲۲ھ کو انھوں نے بھی جام شہادت نوش کیا، امیر سعید ابراہیم جو کمپ کی حفاظت پر مامور تھے، لڑائی ختم ہونے کے بعد میدان جنگ میں آئے اور ان کی اور ان کے رفقاء کی لاشیں سپرد خاک کیں اور وہی مدفن گنج بک سزار اور مرجع خلافت ہو۔ رحمہمہ اللہ تعالیٰ راسلماہ



سلطان شہاب الدین غوری

غوری سلطنت کا بانی غزنوی سلطنت کے کھنڈر پر قائم ہوئی۔ اس سلطنت کا بانی عز الدین حسین اسی عربی و ایرانی مخلوط نسل کے قبیلہ سے تھا، جو آل شنب کہا جاتا ہے اور جس کا ذکر اوپر گزر چکا اس نے ۶۹۳ھ میں غور میں اپنی خود مختار حکومت کی بنیاد لی اور غزنوی سلطان نے اس کی خود مختاری تسلیم کر لی۔

ہندستان میں غوری سلطنت کا بانی اس کا پوتا سلطان شہاب الدین غوری تھا جو پہلے غزنی کی فتح کے بعد وہاں کا صوبہ دار پھر اپنے بھائی سلطنت غیاث الدین کی وفات کے بعد پوری سلطنت کا مالک بنا، وہ محمود غزنوی کا جانشین تھا اور اس کے حدود حکومت کو اپنے قبضہ میں لانے کا حوصلہ رکھتا تھا، چنانچہ ۷۱۱ھ سے ۷۲۰ھ کے اندر اس نے اپنے بے درپے حملوں اور اپنے قائم مقام فوجی گورنروں کے ذریعہ ایک طرف پشاور سے بنگال تک کے علاقہ کو زیر نگین کیا اور دوسری طرف ملتان سندھ میں اپنا سکہ جمایا۔

سلطان شہاب الدین غوری کو ہندستان کی اسلامی سلطنت کی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، وہ اصل وہی صاحب سیف و سلطنت تھو جو ہندستان میں مسلمانوں کی وسیع سلطنت کے قیام کا بانی بنا، یوں تو سندھ و ملتان اور پنجاب کی فتح کے بعد غزنویوں نے ہندستان کے ایک حصہ پر ۷۱۱ھ سے ۷۲۰ھ تک حکمرانی کی مگر یہ خود ہندستان کی کوئی سلطنت نہ تھی بلکہ ہندستان کا یہ شمالی مغربی حصہ حکومت غزنی کا ایک صوبہ بن گیا تھا۔ اس صوبہ کا پایہ تخت لاہور اور مرکزی حکومت کا دار السلطنت غزنی تھا۔

سلطان شہاب الدین محمد غوری ۷۲۰ھ میں غور میں پیدا ہوا، غور کا

حکمران اس کا بڑا بھائی سلطان غیاث الدین تھا، اور محمد غوری جس نے آگے چل کر سلطان شہاب الدین کا لقب اختیار کیا، اس کا سپہ سالار تھا، محمد غوری کی زندگی کا بڑا حصہ غوری سلطنت کی توسیع میں گزرا، اور اسی سلسلہ میں اس کی زندگی کا نمایاں کارنامہ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا قیام ہو۔

ہندوستان پر حملہ آوری کے مقاصد | سلطان شہاب الدین غوری نے ہندستان پر پہلے در پہلے حملے کیے، ہندوستان پر بس کے حملہ آور ہونے کی کئی مقاصد تھے اولاً وہ دیندار مسلمان تھا، اس زمانہ میں ملتان اور سندھ کے بعض حصوں میں لمبی قرامطہ نے اقتدار حاصل کر لیا تھا، اور ان کے ذریعہ سے بیدینی کی اشاعت ہو رہی تھی، سلطان نے ان کے اقتدار کو ختم کرنا چاہا، اور دوسرے غوری سلطنت کی بنیاد غزنوی سلطنت کے کھنڈروں پر قائم کی گئی تھی، وہ اپنے اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے پنجاب سے غزنوی حکومت کا خاتمہ کرنا چاہتا تھا، تیسرے ہندوستان میں مستحکم سلطنت کے قائم کرنے کا تخیل بھی اس کے پیش نظر تھا، ان ہی گونا گون مقاصد کے لیے اس نے ہندوستان پر مسلسل حملے کئے، اور یکے بعد دیگرے اپنے مقصد میں پوری کامیابی حاصل کر لیا۔

قرامطہ کی بیخ کنی | چنانچہ سب سے پہلے اس نے سندھ میں ملتان پر حملہ کیا، پھر سندھ کے شہر اوجھ کو فتح کیا، اور ان دونوں مقاموں سے اس نے قرامطہ کی حکومت کی بیخ کنی کر دی۔

غزنوی سلطنت کو مٹانا | اس کے بعد اس نے ہندوستان سے غزنوی سلطنت کے نشان کو مٹانے کے لیے پہلے در پہلے حملے کئے، اس غرض سے اس نے جنوں کے راجہ چکرو دیو سے دوستی کرنی تھی، اور اسی کی دعوت پر اس نے غزنوی سلطنت پنجاب کے خلاف اس نے اپنی فوجی سہم کا آغاز کیا چنانچہ اسی سلسلہ میں سب سے پہلے اس نے پشاور کی شہر بنیاد پر دست بردار کر دیا، اور پھر سندھ میں پشاور پر قبضہ کر لیا۔ دو سال کے بعد اس نے لاہور پر قبضہ کیا، اور پھر سندھ میں وہ دوبارہ پنجاب آیا اور

اس کے دوسرے سال جبکہ اوپر گزرا۔ بالآخر سلطنت میں اس نے لاہور فتح کر کے
غزنوی شاہزادے خسرو ملک کو گرفتار کر لیا اور ہندستان سے غزنوی سلطنت کا
نشان مٹ گیا۔

ہندستان میں مستحکم سلطنت | تیسرے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اس نے سب
کی بناء تاسکیں پہلے سے ہی میں گجرات پر چڑھائی کی۔ اور اس کے

صدر مقام نہلاڑہ کا محاصرہ کیا۔ مگر گجرات کے راجہ جوبل راج اور اس کے چچا راہو
بھیم بھیلانے اس کو شکست دی، دوسرا حملہ اس نے ۱۱۹۱ء میں بھٹنڈا پر کیا، اور اس
کو فتح کر لیا، یہ مقام دہلی کے راجہ پریتوی راج کے قبضہ میں تھا، سلطان کی واپسی میں
چھوٹی لالچ نے اس کا تعاقب کیا، تراوڑی کے میدان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ
ہوا، غوری نے شکست کھائی، اور بھٹنڈا اس کے قبضہ سے نکل گیا ایک سال کے بعد
۱۱۹۳ء میں سلطان دوبارہ آیا، اور اسی تراوڑی کے میدان میں ان ہی دونوں
کا دوبارہ مقابلہ ہوا۔ پریتوی راج لڑائی میں مارا گیا اور دہلی اور اجیر کی سلطنتیں
اس کے قبضہ میں آگئیں اور مشہور قلعہ سستری، ہاشمی، سمانہ اور کرام وغیرہ اس
سلطنت کے حدود میں داخل ہو گئے، سلطان نے پریتوی راج کے قدیم خاندانی
اعزاز کو برقرار رکھا اور اس کے لڑکے کو آئینہ تخت پر بٹھایا اور اپنے
غلام قطب الدین ایبک کو اپنا نائب السلطنت بنا کر غور واپس چلا گیا قطب الدین
ایبک نے پہلے کرام بھرولی کو اپنا پایہ تخت بنایا۔

اس کے بعد قطب الدین نے اپنے طور پر فتوحات میں اہتمام کیا، ہی سال میں
۱۱۹۳ء میں میرٹھ فتح ہوا، اور ۱۱۹۴ء میں علی گڑھ قبضہ میں آیا اس کے بعد ۱۱۹۵ء
سلطان شہاب الدین پھر ہندستان آیا، اور اٹاواہ کے قریب پند اور میں
تنوج کے راجہ جے چند کو شکست دی، وہ لڑائی میں مارا گیا اور تنوج سے
بنارس تک کا علاقہ غوری سلطنت کے حدود میں داخل ہو گیا، پھر قطب الدین ایبک
نے ۱۱۹۶ء میں گجرات کے پایہ تخت ٹن کو فتح کیا اور ۱۱۹۷ء میں اس نے نہلاڑہ

کو لوٹا، راجہ جیم نے شکست کھائی، پھر تیس سال ۱۱۹۳ء میں تیسری مرتبہ گجرات پر حملہ کیا اور اپنے مقبوضات کے لیے نائب حکومت مقرر کر کے چلا آیا، مگر گجرات پھر قبضہ سے نکل گیا، دوسری طرف ۱۱۹۵ء میں چندراوتی، آلود اور ناگود کے راجاؤں نے اجمیر پر قبضہ کرنا چاہا، مگر ایک نے سب کو شکست دے دی، اسی طرح ۱۱۹۴ء میں اس نے بیانہ کو فتح کیا اور گوالبیار کے محاصرہ میں وہاں کے راجہ نے خراج دینا منظور کیا، پھر اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی کو فوج دے کر بھیجا جس نے ۱۱۹۶ء میں ہمار کو فتح کیا پھر آگے بڑھ کر بنگال کے پایہ تخت ندیا پر قبضہ کیا، دوسری طرف کانچر کے راجہ پرمل پر حملہ ہوا، اس نے اطاعت قبول کی، پھر ہوبہ، کالچی اور ملاپوں اسلامی اقتدار میں داخل ہوئے۔ یہاں تک کہ ۱۱۹۶ء میں سلطان شہاب الدین غوری آخری مرتبہ ہندوستان آیا، اس وقت ہندوستان کی اسلامی سلطنت پشاور سے بنگال تک کے طول و عرض میں پھیل چکی تھی۔

وفات سلطان ایک فساد کے فرو کرنے کے سلسلہ میں ہندوستان آیا تھا، اور اتفاقاً دہلی میں اس کی شہادت کا واقعہ پیش آگیا، اور ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا حقیقی بانی اپنی ابدی خواب گاہ میں ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سو گیا۔

رحمہ اللہ تعالیٰ

جانشین سلطان کے کوئی اولاد نہ رہا تھی، اس کے تین ترک غلام، فوجی گورنر کے منصب کے فرائض اس کی زندگی میں انجام دیتے تھے اور وہی اس کے جانشین بن کر غوری سلطنت کے دھومے دار ہوئے اور وہ سلطان تاج الدین یلدر، سلطان قطب الدین ایبک اور سلطان ناصر الدین قباچہ تھے ان میں سے اندل الذکر یلدر نے غور میں اس کی جانشینی کی اور پشاور کے اس پار کا علاقہ اس کے زیر تصرف رہا، قطب الدین ایبک دہلی کی سلطنت پر بیٹھا، اور ناصر الدین قباچہ کا تعلق بھی ہندوستان ہی سے تھا، اس نے سندھ میں اپنی بادشاہی کا اعلان کیا، ابتداً ان تینوں میں زور آزمائی بھی ہوئی، ۱۲۰۶ء میں ایک چڑھائی کرنا ہوا

غزنی تک پہنچا ہوا تھا، مگر پھر ناکام واپس ہو کر اپنی سلطنت پر توجہ دینی پڑی، اس سال کے بعد تاج الدین نے ہندوستان کا رخ کیا۔ مگر قطب الدین کے زور آور سچوں کی گرفت میں آگیا اور بدایوں میں قید کر دیا گیا پھر قطب الدین نے غزنی کو اپنے حال پر چھوڑ دیا اور دلی کو بائیس تخت بنائے رکھا، دوسری طرف ناصر الدین تباچہ کی نگاہیں بھی پنجاب پر تھیں، اس سے بھی اس کی معرکہ آرائیاں ہوئیں مگر تباچہ پیش نہ پاسکا بالآخر سندھ کی سلطنت بھی اس نے کھوئی، ۶۲۴ھ میں یہ صوبہ بھی دلی کے ماتحت آگیا، اور تباچہ نے وہاں میں دوبارہ اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔

سیر و کردار سلطان شہاب الدین، متقی، دیندار، شجاع اور عدل پرور تھا، رعایا کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا اور ان کے معاملات کا منصفانہ فیصلہ کرتا تھا، غزنی کا قاضی ہر ہفتہ میں شنبہ سے شنبہ تک ۴۰ دن اس کی موجودگی میں امیر حاجب و امیر داد کے مشترکہ اجلاس میں مقدمات و معاملات کی سماعت کرتا تھا۔ اور اگر کوئی صاحب معاملہ براہِ راست توجہ سلطانی کو منعطف کرانا چاہتا، تو اس کی سماعت خود کرتا تھا، اور تو ان احکام شریعت کے مطابق نافذ کئے جاتے تھے وہ خود صاحب علم تھا، فقہاء و علماء اس کی مجلس میں باندی سے شریک رہتے اور فقہ و دیگر علوم دین کے مسائل زیر بحث رہتے تھے وہ مذہب شافعی تھا، صاحبِ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی کو سلطان سے تقرب حاصل تھا وہ عقیدت مندی کے ساتھ ان سے پیش آتا۔ ہفتہ میں ایک دن شاہی محل میں مجلس وعظ منعقد ہوتی امام رازی کے بیان سے کبھی کبھی روتے روتے اس کی ہچکی بندھ جاتی تھی۔

علماء و مشائخ غزنی کے دربار میں علماء و شعرا اور فضلاء بہ کثرت موجود تھے جن میں سے بعض اہل علم شہاب الدین غوری کی محبت میں ہندوستان تشریف لائے اور علم و عرفان کی خدمت کے لیے یہیں توطن اختیار کیا۔

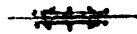
چنانچہ سید کمال الدین عثمان ترمذی مشہور علمائے دین میں سے تھے۔ وہ سلطان شہاب الدین کی محبت میں ہندوستان تشریف لائے۔ کتب میں اقامت اختیار کر کے علم کی

خدمت میں مصروف رہی سترہ سالہ میں وفات پائی۔

اس دور کے دوسرے اہل علم شیخ سراج الدین محمد بن عثمان جوزجانی ہیں وہ فقہ، اصول اور علوم دینیہ میں دستگاہ رکھتے تھے، لاہور میں پیدا ہوئے اساتذہ معزز سے علوم کی تحصیل کی، سلطان شہاب الدین نے سترہ سالہ میں لاہور کی قضاۃ عسکر پر مامور کیا، منہاج سراج صاحب طبقات ناصری ان ہی کے صاحبزادے تھے، طبقات ناصری اور لباب الالباب میں ذکر آیا ہے، وہ خلیفہ ناصر الدین اللہ کی خدمت میں سلطان شہاب الدین کی طرف سے سفیر بھی بنا کر بھیجے گئے، وہی میں سترہ سالہ کے بعد مکران میں وفات پائی۔

ایسی طرح شیخ خطیر الدین محمد بن عبد الملک جرجانی اس عہد کے ممتاز اہل علم و ادب صلاح میں سے تھے، عموماً کا بیان ہے کہ علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں ان کے زمانہ میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا، عموماً کہ کلام کا نمونہ بھی درج کیا ہے۔

یوں تو اس دور میں جب ہندوستان پر سلطان شہاب الدین غوری کے حلیہ جاری تھے حضرت خواجہ اجسیری و دیگر متذکرین کرام یہاں تشریف لائے مگر ان بزرگوں دین کے فیوض و برکات کا سلسلہ ملوک سلاطین و ہلی کے دور تک جاری رہا، اس لیے اس موقع پر ان کا تذکرہ زیادہ موزوں ہوگا۔



۱۰۹ نوٹ: شیخ آغا محمد بن علی اندلیوی ۱۷۹۴ تا ۱۸۶۴ء، تاریخ ہندوستانی، تاریخ ہندوستان، تذکرہ ائمہ اطہر (ص ۲۱۱) شہاب الدین غوری (۱۰۸۰ کمال الدین ترمذی) ۱۱۰ (سراج الدین جوزجانی) ۱۰۹ (خطیر الدین جرجانی)۔

سلطان شہاب الدین کے قاتل، مقتل، مرقد

سلطان شہاب الدین کی شہادت کا واقعہ ہندوستان میں پیش آیا، وہ کس مقام پر شہید کیا گیا، اس کے قاتل کون تھے، اور کون سا مقام اس کی ابدی خواب گاہ تھا۔ یہ اور اسی قسم کے سوالات پر مورخین کے اختلافات کے پورے پڑے ہوئے ہیں۔ ذیل کے مقالہ میں ان ہی پر دوں کو اٹھانے کی کوشش کی گئی ہو، جس کا موقع اتفاق سے تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے ایک صاحبِ وق جناب محمد اسلم صاحب دبکوالہ ضلع جہلم کے بعض استفسار کا جواب دینے کے سلسلہ میں ہاتھ آیا، اس لیے یہ مقالہ دراصل مستفسرِ موصوت کے اسی استفسار کے جواب میں لکھا گیا، جس میں سلطان کے قاتل، مقتل و مرقد کے متعلق مختلف روایتوں پر نظر ڈال کر کسی ایک نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کی گئی۔

پھر اس مقالہ کے چھپنے کے بعد بعض اہل علم نے اس پر مزید گفتگو کی، اور ان کے استفساروں کے جواب بھی چھاپے گئے، ان جوابوں کو بھی ذیل میں ایک کڑی میں لے آیا گیا ہے۔

جناب محمد اسلم صاحب اپنے استفسار میں فرماتے ہیں :-

”جناب ذواب امتیاز الدین سپرنٹنڈنٹ پولیس جہلم کو تاریخ سے انس ہے، اپنے مختصر قیام ملازمت میں ضلع کے اکثر تاریخی مقامات کا بکثرت خود ملاحظہ کیا ہے، اسی شوق نے انہیں سلطان شہاب الدین محمد غوری مرحوم کے مقتل کو بمقام دھک جو سوادہ اسٹیشن سے بجانب شمال پچھلے میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، دیکھنے پر مجبور کیا، وہاں جن لوگوں کی محبت میں وہ گئے تھے، وہ تاریخ سے قطعاً نااہل ہیں، انہوں نے ان کو سلطان موصوت کی قتل گاہ بتانے کے بعد مرحوم کی تربت بھی دکھائی کہ یہاں موصوت کو دفن کیا گیا ہے، اور سلطان کے قاتل کشتروں کو ظاہر کیا گیا، اس دورہ کے بعد ذواب صاحب نے ایک مقالہ

اخبار "نئی زندگی" میں جو جہلم سے شائع ہوتا ہو۔ شائع کرایا۔ اور ڈپٹی کمشنر صاحب کی معرفت محکمہ آئنا رقدیمہ کی توجہ کو اس قبر کی طرف منعطف کرانے کی کوشش کی، کہ اس دیرینہ یادگار کو محفوظ کرنا از بس ضروری ہو۔ اب اکثر تعلیم یافتہ اصحاب اس داستان کو صحیح تسلیم کرتے ہیں، اس لیے آپ ازراہ کرم ایک مقالہ سارن میں شائع کریں کہ (الف) سلطان شہاب الدین مرحوم کو کس نے شہید کیا۔ فرشتہ نے گلہر قوم کی نسبت غلط بیانی سے کام لیا ہو یا دیدہ و دانستہ ایسا کیا محیا، یا اسے غلط فہمی ہوئی، اس کی تصحیح بھی لازمی ہو۔

فرشتہ کا بیان ہو کہ سلطان محمود کے ساتھ گلہروں نے مقابلہ کیا جس سے سلطان کی بے شمار فوج ماری گئی اور سلطان شہاب الدین کو قتل کیا، لیکن گلہروں کے ایک ممتاز فاضل شخص کا بیان ہو کہ گلہروں نے نہ سلطان کا مقابلہ کیا، نہ شہاب الدین مرحوم کو قتل کیا، بلکہ وہ خود سلطان محمود غزنوی کی قیادت میں ہندوستان میں داخل ہوئے یہ قوم کیانی النسل ہو، اس کے برخلاف، بلکہ قوم کھڑکھڑا، سلطان کا مقابلہ کیا دراصل فرشتہ کو مخالطہ ہوا ہو۔

(ب) شہید کرنے کی وجہ کیا ہو۔

(ج) سلطان موصوف کا مرتد کہاں ہو۔

(د) ہمدانی کس قدر تھے جو قتل ہوئے۔

(ه) یہ واقعہ کس مقام پر ہوا کیا اس کا تاریخی نام دھک ہو۔

یہ کتنی حیرت کی بات ہو کہ سلطان شہاب الدین غوری کے واقعہ شہادت کے متعلق سات آٹھ سو برس گزرنے کے باوجود یہی روایتیں سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہیں جن سے یہ گونہ مورخین کے بیانیوں کی تصدیق ہوتی ہو۔

(الف) مسائل | یہ واقعہ ہو کہ سلطان شہاب الدین کا واقعہ قتل لاہور سے غزنی مراجعت کرتے ہوئے دریائے جہلم کے کنارے پیش آیا لیکن اس کے قاتلوں کے متعلق ابتدا سے دو روایتیں نقل ہوتی آرہی ہیں ایک تو یہ کہ وہ قوم کھڑکھڑا جو

مغربی پنجاب کے پہاڑی علاقوں میں آباد تھے، چند جاں باز فدائی جو ان تھے، انھوں نے اپنی قوم کے مقتولوں کا بدلہ لینے کے لیے اپنی جانیں دے کر سلطان کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لیے باہم حلف اٹھایا تھا، اس لیے کہ سلطان شہاب الدین آخری مرتبہ ہندستان میں خاص طور پر کھوکھروں کا استیصال کرنے کے لیے آیا تھا۔ جنہوں نے اپنی لوٹ مار سے لاہور و غزنی کے درمیان کے رستہ کو اس قدر خطر بنا دیا تھا کہ سرکاری محاصل لاہور سے غزنی نہ بھیجے جاسکتے تھے، چنانچہ وہ ہندستان آیا قطب الدین ایک کوجھیالی سے بلایا اور کھوکھروں پر سخت حملے کر کے ان کی قوت کا خاتمہ کیا اور انھوں نے اطاعت قبول کی انھیں وہ زیرک کے لاہور سے غزنی کے قصد سے روانہ ہوا۔ دریائے جہلم کے کنارے ایک منزل دیمک میں اترا، یہاں سے ۳۰ شہبان کو کوچ کرنے کی تیاری ہو رہی تھی، کچھ خیمے اکھڑ چکے تھے، سلطان خیرگاہ استیادہ تھا کہ ۲۰ کا دن گزار کر ۳۰ سر کی کی شب کو عشا کے وقت اچانک ایک چوب دار کو کسی عینی نے زخمی کیا۔ لوگ اس کی طرف دوڑ گئے، سلطان خواب گاہ کی محافظ سپاہ بھی اس ناشدنی واقعہ کو دیکھ کر اپنے فرض منصبی سے غافل ہوئی اور اس زخمی چوبدار کو دیکھنے چلی آئی، اس طرح حملہ آوروں کی حکمت عملی کامیاب ہوئی، وہ سلطان خواب گاہ کا سراپہ وہ اٹھا کر اندر گھس گئے۔ سلطان عشا کی ناز بڑھنے کے لیے جانا زیر گھڑا تھا حملہ آوروں نے اطمینان سے پھریوں سے بائیس زخم پہنچائے اور سلطان کی روح پرواز کر گئی۔

لے ان سطور کے کچھ جاننے کے بعد موصوفہ ہمارے کی بحث میں سے ایک کتاب اور پراگری ہسٹری رولم لوجن وائیسن ایم پی) میں سلطان شہاب الدین کے وقت قبل مسیح کی ایک عجیب سی روایت دیکھنے میں آئی۔ جو کہ ہندی کتاب سی ناخو دیو لکھا گیا ہے کہ غوری پرتھوی راج کو پچھلے غزنی نے لیا۔ اس کی دونوں آنکھیں چھڑ دیں، بندر دانی معنیف، پرتھوی راج راسوں، پرتھوی راج کی تکلیفوں کا حالی سن کر غوری سے بدلہ لینے کے لیے غزنی چلی، غوری سے ملاقات کی اور پرتھوی راج کی پیرائندازی کی تعریف کی کہ وہ ایک سو من کے نو بڑوں کی سات پرتوں کو ایک ہی تیر سے چھپ سکتا ہے، غوری نے اس کی آزمائش کے لیے اس کا تماشا دیکھنے کا ارادہ کیا ایک مہاراجہ ایک سو من لہری کی دبیر سات پرتیں لے کر بدو پگوس کھڑکی گئیں، ترشائی جمع ہوئے اور خود سلطان شہاب الدین غوری ایک اونچی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اور اوپر چڑھ کر دانی نے پرتھوی راج کو پہلے بکواسا دیا تھا کہ میرے اشارے پر شہید بھی تیر چلائے، یعنی جدھر سے آواز آئے اسی طرف بغیر دیکھے تیر چلا جائے، چنانچہ پرتھوی راج امتحان میں کامیاب ہوا غوری کی زبان

قاتلوں کے متعلق دوسری روایت یہ ہو کہ اس کو اسماعیلی ملاحدہ کے چند فداؤوں نے شہید کیا تھا، اس لیے کہ سلطان اس سے پہلے مختلف مقاموں پر ان کا قلع قمع کر چکا تھا، اور یہاں سے واپس جا کر وہ ان کے مرکز پر حملہ آوری کا ارادہ رکھتا تھا۔ سلطان کے قاتل کی حیثیت سے بس ان ہی دو جاعتوں کے فداؤوں کے نام لیے گئے ہیں، سلطان سے قریب عہد کی فارسی تاریخوں میں طبقات ناصری قاضی منہاج (۶۵۴ھ) اور تاریخ جهانگشائے جوینی (۷۵۴ھ) میں سے اول الذکر میں اسماعیلی ملاحدہ کو اور موخر الذکر میں ہندو کھوکھروں کو قاتل بتایا گیا ہو، طبقات ناصری میں ہو:-

در آن وقت جماعت مہتر دان از کھوکھراں (اور نسخہ ثانی کھوکھروں) و قبال
کوہ جود و نسخہ ثانی جون (عصیاں آمدہ بودند و سلطان در آن زمان
بہ ہندستان آمد و آن طائفہ مہتر دان را بدوزخ فرستاد و غزو نسبت
بہ فرمود و جوئے خون از ان جماعت بر اند چون مراجعت بغز نہیں کرو،
بدست فدائی ملاحدہ در منزل و میک در شہور ستہ آئین و ستا تہ
شہادت یافت،

تاریخ جہاں کشائے جوینی میں ہو:-

چون عنان انصران معطوف کرد و نہید از معجز جیلی (نسخہ حلی) عبور کرد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۵) - واہ واہ کے الفاظ سے چند بدائی نے ہی وقت یہ دو لڑپٹا۔

چار بانس چوبیس کج انگلی اسٹ پرمان
اٹھنے پہ سلطان کو من جوئے چو تان

یعنی چار بانس چوبیس کج انگلی پر سلطان ہو، جدھر سے آواز آئی ہو، اسی طرف بٹنے فاصلہ پر سلطان ہو، پرتوی راج نے واہ واہ کے فاصلہ کا انداز لگا کر تیر چلایا، اور محمد غوری وہیں ٹرپ کر رہ گیا، پھر چند بدائی اور پرتوی راج نے ایک دوسرے کو اپنی تلواریں سے مار ڈالا۔ جس نے اپنے بعض ہندو دوستوں سے سنا ہے کہ یہ بھارت کسی پرانی ہندی کتاب میں بھی مذکور ہو۔ لیکن ظاہر ہو، کہ یہ تمام بے سر و پا اور گڑھی ہوئی باتیں ہیں اور ایسی من گھڑت ہو، کہ اس کی تردید میں کچھ لکھنا قطعاً اذعان کرنا ہو، عجیب اس پر ہو کہ جھسٹہ بچوں کے ذہن کو فرقہ وارانہ جذبات نہ پر آوے گئے والی کہانیاں اس کتاب کے مصنفین نے کیوں درج کیں۔

ملہ طبقات ناصری صفحہ ۱۲۴، ۱۲۵

و بر شط جیوں بارگاہ بر آرد و نہ چنانک یک نیمہ از بارگاہ در آب بود۔ و در محافظت آن جانب از فدا بجان احتیاط ترک گرفتہ ناگاہ ہندو سے دوسریا روز بوقت قبیلہ سلطان چوں آتش از آب بر آئند و در بارگاہ افتادند۔ از نزدیک و تر محمد حاد و مکار غافل و از غنا و روزگار ذرا ہل روز سپید سیاہ اورا با قنادہ شاہ شب نمودند و ذائق طعم حیات را بر او تباہ کردند۔

ان کے بعد ہم دست فارسی تاریکوں میں سب سے قدیم متونی قزوینی ^{۳۱۳} کی تاریخ گزیدہ ہی اس میں مذکور ہے،

در راہ فدائیان ہندواں کو کرمی در حالت نماز کردن ادا شہید کردند

عرب مودخین میں سے ابن اشیر متونی ^{۳۱۴} سلطان شہاب الدین کا تقریباً ہم عصر ہے، اس نے قتل کو تفصیل سے لکھا ہے اور اصل کھوکھروں کو قاتل گردانا ہے۔ صفحہ اسماعیلیوں کی طرف اس واقعہ کے منسوب ہونے کا ذکر بھی کیا ہے چنانچہ لکھا ہے

اسی سال ^{۶۱۲} شہاب الدین ابوالفضل محمد بن

سام غوری شاہ غزنی و بعض حصہ خراسان لاہور سے اپنی دہلی میں ایک منزل

دیک میں عشا کی نماز کے وقت قتل کیا گیا۔ اس کے قتل کے جانے کا سبب یہ

تھا کہ کھوکھرا میں سے چند نفر اس کو قتل کرنے کا عزم کر کے اس کے لشکر کے

ساتھ ہو گئے،..... پس پاسبانوں کو پاسبانی کی خدمت سے غافل پا کر کھوکھروں

کو غنیمت کا موقع ملا اور وہ شہاب الدین کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو گئے

اس کے بعد ان واقعات کی تفصیل ہے جن کو ہم ادرا جائاً نقل کر چکے ہیں، اس

کے بعد وہ قاتلوں کی گرفتاری کا ذکر کرتا ہے کہ

پھر ان کفار کو کچھ لیا اور انہیں قتل کر دیا اور ان میں سے دو بخون تھے

اس کے بعد لکھتا ہے،

اور لکھا ہے کہ ان ہی اسماعیلیوں نے قتل کیا، اس لیے کہ انہیں اس کے خواٹا

پر حملہ آور ہونے کا خطرہ تھا۔ اور اس کا لشکر ان کے بعض قلعوں کا محاصرہ بھی کیے ہوئے تھا۔ جیسا کہ ہم کھوہے گئے ہیں۔

اسی طرح ابن خلدون نے اولاً کھوکھروں کو قاتل قرار دیا ہے، پھر اسماعیلیوں کے متعلق روایت درج کی ہے

اس کے بعد فارسی تاریخوں میں دباؤنی (۹۹۷ھ) وغیرہ کا دور آتا ہے، ان کے یہاں اسماعیلیوں کے متعلق روایت موجود نہیں چنانچہ منتخب التواریخ میں ہے:-
وہنگام مراجعت درویدیک کرنام دیوی است از توابع غزنین از دست
نذالی کھوکھر شہید شد

محمد قاسم فرشتہ نے بھی اپنی تاریخ (مکمل ۱۱۱۱ھ) میں دراصل اپنے پیشرووں کی تقلید کی ہے لکھتا ہے:-

بست نفر از کفار لکھان کر اکثر خوشن و اقربا و فرزندان ایشان و جنگ
سلطان شہاب الدین را اس جنگ کی رہی تفصیل جو اب پر گزری درج کر چکا ہے کشتہ
شدہ بودند، ہم عہد وہم سو گند شدہ و کشتہ شدن بر خود قرار دادہ و باب
کشتن سلطان شہاب الدین تدبیر با جستہ.....

مناسب ہے کہ آگے بڑھنے سے پہلے استفسار کے اس حقتہ پر یہاں نظر ڈالی جائے
جس میں فرشتہ کی اس غلط فہمی یا غلط بیانی کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے سلطان کے قاتل کی
حیثیت سے کھوکھروں کے بجائے "گھوکھروں" کا نام لیا ہے تاکہ فرشتہ کے بیان سے سلطان
کے قاتلوں میں ایک نئی جماعت کے نام کا اعتراف نہ ہو جائے حقیقت یہ ہے کہ تاریخ فرشتہ
کا مطبوعہ نسخہ بہت غلط چھپا ہے جس کی وجہ سے اس میں "کھوکھر" اور "گھوکھر" میں امتیاز
نہ رہ سکا ہے، مختلف مقاموں پر جہاں گھوکھر ہونا چاہیے "کھوکھر" چھپا ہے، مثلاً ص ۲۴۱۔
میں "سلطان آدم" کے گھوکھر کے بجائے "کھوکھر" کہا گیا ہے، اسی طرح ۱۱۱۱ھ میں تلک چندر
سردار کھوکھر کی بنیاد کا ذکر ہے، اس موقع پر بھی "کھوکھر" چھپ گیا ہے (ص ۱۳۷)۔

اسی طرح حسرت کھوکھر کے لاہور کے صوبہ دار کو مارنے کا ذکر ہے، وہاں بھی لکھر ہے اس کے برخلاف بدایونی وغیرہ میں کھوکھر اور گکھر کے فرق کا لحاظ ہر جگہ موجود ہے، اس میں جہاں کھوکھر ہونا چاہیے، کھوکھر ہے جیسے حسرت کھوکھر (ج ۱ ص ۲۸۹)، گل چندر کھوکھر (ج ۱ ص ۲۳۱) اور گکھروں کو ”لکھر“ لکھا گیا ہے، جیسے سلطان آدم لکھر (ج ۱ ص ۳۹۱) برسر لکھران (ج ۱ ص ۳۸۸) ”اول پناہ بہ لکھران“ (ج ۱ ص ۳۸۶) وغیرہ، یہ سمجھنا کہ بدایونی ان دونوں قوموں میں امتیاز رکھ سکے اور تاریخ فرشتہ جو چند سال بعد تکمیل کو پہنچی، اس میں ان دونوں کو خلط ملط کر دیا جائے، یہ قیاس سے دور معلوم ہوتا ہے، اس لیے واقعہ یہی ہے، کہ طباعت کے وقت کاتب کے قلم سے سہو ہوا، اور وہ ”کھوکھر“ اور ”گکھر“ میں امتیاز قائم نہ رکھ سکا اور اس غلطی سے ایک قوم کا پورا بار گنہ دوسری قوم کے سر آگیا۔

بہر حال سلطان کے قاتلوں کے سلسلہ میں روایات کے اہم سرچشمے اور پیش کردیے گئے ان میں دیکھا جاسکتا ہے کہ متقدم مورخین میں سے ابن اثیر (۱۲۳۶ھ) جوینی (تصنیف ۱۲۵۵ھ و توفی ۱۲۸۱ھ) قاضی منہاج (تصنیف ۱۲۵۵ھ) اور قزوینی (توفی ۱۲۸۱ھ) روایتیں ہیں، ان میں سے ابن اثیر (۱۲۳۶ھ) اور قزوینی (توفی ۱۲۸۱ھ) نے بہ تصریح کھوکھروں کا نام دیا ہے، جوینی (۱۲۵۵ھ) نے بھی ”ہندوؤں“ کو بتایا ہے جس سے مراد کھوکھر ہی ہو سکتے ہیں، صرف صاحب طبقات ناصر بن منہاج (۱۲۵۵ھ) اسماعیلیوں کو قاتل قرار دیتے ہیں، لیکن قاضی منہاج کی یہ مفرد روایت متاخرین میں مقبول نہیں ہوئی، چنانچہ بلا بدایونی (۹۹۴ھ) اور فرشتہ (۱۰۱۵ھ) وغیرہ نے صرف اول الذکر بیان کو درج کیا، پھر زمانہ حال کے مغربی الفتنین وغیرہ نے بھی کھوکھروں کے قاتل ہونے کی روایت کو قبول کیا ہے۔

یہاں ایک گمان یہ ہو سکتا ہے کہ سندھ کی اسماعیلی حکومتوں کے کھنڈروں پر ناصر بن قباچہ نے اپنی حکومت کی بنیادیں قائم کیں ان مقامات سے ان قرامطہ کا انتخاب خاتمہ

سلطان غیاث الدین اور شہاب الدین نے کیا تھا، ناصر الدین قباچہ شہاب الدین کا صوبہ دار تھا، سلطان کی شہادت کا واقعہ اچانک پیش آیا تھا اور سیاسی حیثیت سے بعض فریقوں نے اس سے فائدہ بھی اٹھانا چاہا تھا، اس لیے سندھ و ملتان میں اس واقعہ قتل کو اس زمانہ میں اسماعیلیوں کی طرف سے مزید گرتنگی پیدا کرنے کے لیے ان کی طرف منسوب کیا گیا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں اور وہی افواہیں حقیقت بن کر قاضی منہاج کے کانوں میں پہنچی ہوں، اور انھوں نے اپنی تاریخ میں اس کو جگہ دے دی جو۔ اس سلسلہ میں تعجب کی بات تو یہ ہے کہ مفسدین نے سلطان کے شہید کیے جانے میں حصہ لینے کے الزام سے اس عہد کے فاضل روزگار صاحب کمال امام فخر الدین رازی کے دامن کو بھی محفوظ نہ رکھا، اور یہ افواہ ایسی پھیلانی لگی کہ امام موصوف کو اپنی جان بچانے کے لیے فرار ہونا پڑا، ابن اثیر لکھتا ہے:-

اہل غزنی میں سے بعض فتنہ پرداز اٹھے، اور انھوں نے مالک سے کہا کہ فخر الدین رازی نے تمہارے آقا کو قتل کیا ہے، اس لیے کہ ان ہی نے ان کو ہنپایا، انھوں نے ان کو قتل کیا..... پس وہ مالک، ان (رازی) کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، کہ ان کو قتل کر دیں، چنانچہ وہ فرار ہوئے اور وزیر مویہ مویہ الملک کے پاس پہنچے، اس کو صورت حال سے باخبر کیا اور اس نے ان کو پوشیدگی کے ساتھ ان کی پناہ گاہ میں بھیج دیا۔

حالانکہ سلطان شہید کے تعلقات امام موصوف سے شگفتہ تھے وہ ان کے علم و فضل کا قدر و ان تھا، ان کی مجلس و غلط میں ہر مہفتہ التزام سے شریک ہوتا تھا، ایک مرتبہ انھوں نے سلطان کو اس کے دنیاوی جاہ و چشم پر برسبر منبر نصیحت کے چند کلمات کہے، جن سے وہ متاثر ہو کر ابدیدہ ہو گیا تھا، باایں ہمہ ان کے مخالف انھیں مستہم کرنے سے باز نہ آئے، اور متصل مجمع کے خوف سے انھیں روپوش ہونا پڑا۔

عجب کیا ہو کہ اس واقعہ قتل کے اسماعیلیوں کی طرف منسوب ہو جانے میں لفظ

فدائی کو بھی دخل ہو، جیسا کہ اوپر گزرا، کھوکھروں میں سے چند جوانوں نے سرفروشانہ اس قتل کی واردات کرنے کا عزم کیا تھا، اس لیے انہیں معنوی طور پر فدائی "کہا گیا، اور اس زمانہ میں اسماعیلیوں کی وہ جماعت جو جان پر کھیل کر قتل کی واردات کرتی رہتی تھی، "فدائی" ہی کے نام سے موسوم تھی، اس لیے ممکن ہے کہ اس وصف مشترک کے باعث ان قاتلوں کی نامزدگی میں لوگوں کا ذہن اسماعیلیوں کی طرف منتقل ہو گیا ہو، کیونکہ مورخین نے بھی عام طور پر کھوکھروں کی اس قاتل جماعت کو فدائی کے لقب سے موسوم کیا ہے، بدایونی کہتا ہے: "از دست فدائی کھوکھر" پھر آگے چل کر امام رازی کے واقعہ کے سلسلہ میں لکھتا ہے، کہ "از روئے حد امام ربشرکت فدائیاں شہم دہشتہ" جس سے بدایونی کی مراد ظاہر ہے کہ "فدائیاں کھوکھر" ہی ان حالات سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ واقعہ قتل کی اصل ذمہ داری کھوکھر ہی پر ہے، اور روایت و درایت یہی کسی طرح ممکن نہیں کہ کھوکھروں کو اس واقعہ کے ارتکاب سے بری سمجھا جاسکے، لیکن ان تمام قیاسوں سے باوجود جو اوپر پیش کئے گئے، یہ سمجھنا بھی صحیح نہ ہوگا کہ اسماعیلی سرے سے اس جرم سے بری ثابت ہوتے ہیں، بلاشبہ وہ تنہا اس کے ذمہ دار قرار نہ پائیں گے، اس موقع پر اس کی تائید میں ابن اثیر کے بیان کا وہ حصہ خاص طور پر ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ قاتلوں میں سے دو مختون تھے، اس لیے یہ خیال زیادہ صحیح ہو سکتا ہے کہ سندھ و ملتان کے بعض اسماعیلی فدائیوں نے کھوکھروں سے جو سلطان کے تازہ حملہ سے اس کے دشمن ہو گئے تھے، ساز باز کی ہو، اور سلطان کے شہید کرنے میں یہ دونوں شریک ہوں، اور قاتلوں میں سے گرفتار ہونے والوں میں وہ دونوں مختون اسماعیلی فدائی ہوں، خصوصاً اس لیے کہ ملاحظہ ساز باز کرنے اور قتل و خون ریزی کے خفیہ جرائم کرنے میں مشاق تھے انھوں نے اپنی تدبیروں سے کھوکھروں کے چند جاں بازوں کو سلطان کے قتل کرنے پر آمادہ کر لیا ہو، اور اس کو کامیابی سے انجام دینے کی جو حکمت عملی بتائی گئی ہو، وہ ان ہی کے ہاتھوں نیا رہی ہو، اس لیے ہمارے خیال میں سلطان کے قاتل کی حیثیت سے ان دونوں جماعتوں کے جاں بازوں کا نام لیا جانا زیادہ قرین صحت ہے، و اعلم عند اللہ۔

(ب) شہید کرنے کا سبب | سلطان کے شہید کرنے کی وجہ جیسا کہ اوپر گزرا یہی ہے کہ چونکہ سلطان شہید نے کھوکھروں کا استیصال کیا تھا، اس لیے ان میں کے چند نوجوانوں نے انتقام لینے کا فیصلہ کیا تھا، دوسری طرف وہ اسماعیلیوں پر پے درپے حملے کر چکا تھا، اور آئندہ بھی حملہ آوری کا قصد رکھتا تھا، اس لیے اسماعیلی فدائی بھی اس کے خون کے پیاسے تھے، اس لیے اوپر جو کچھ عرض کیا گیا اس کی روشنی میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان ہی اسباب سے ان دونوں جماعتوں کے فدائیوں نے اس قتل میں حصہ لیا۔

(ج) مرقد | سلطان کے مرقد کے متعلق اس مقام "دھمک" کے دیہی لوگوں نے جس قبر کا نشان بتایا ہے وہ قطعی بے اصل ہے، اس لیے ڈپٹی کمشنر ہلم کے ذریعہ سے اس فرضی قبر کو آثار قدیمہ میں داخل کرانے کی سعی کرنا صحیح نہ ہوگا، کیونکہ تمام موصنین کا بیان بلا اختلاف یہی ہے کہ سلطان کی لاش غزنی لے جانی گئی ان تارنجوں میں جن کے حوالے اوپر گزرے ہیں، اس کی لاش کے مقتل سے غزنی تک پہنچنے کی مفصل روداد مع مختلف تصریحات کے موجود ہیں اگر یہ نصریحی روایتیں موجود نہ بھی ہوتیں تو بھی عقل و درایت سے دور ہے کہ لوگ اپنے عہد کے ایک ایسے جلیل القدر فرمان روا کو اتنا بے راہ میں دفن کر کے آگے بڑھ جائیں، اس لیے وہ تربت جو دھمک میں سلطان شہاب الدین کی بتائی جاتی ہے قطعی جعلی ہے۔

(د) مقتولوں کی تعداد | جیسا کہ اوپر گزرا ہے حملہ آوروں نے پہلے ایک چوبدار کو مار ڈالا، پھر سلطان کو شہید کیا، یہ کوئی فوجی چھاپہ نہ تھا بلکہ فریب سے سلطان کو شہید کرنے کی ایک سازش تھی جو کامیاب ہو گئی۔

(ک) مقتل | سلطان شہاب الدین کا مقتل تمام مورخین کی تصریح کے مطابق لاہور و غزنین کے درمیان دریا کے کنارے واقع ہے، اس مقام کا نام فارسی و عربی تاریخوں میں "دمیک" آیا ہے چنانچہ ایک قطعہ میں ہے۔

شہادت ملک بھرو بر شہاب الدین بایونی، کز ابتدائے جہاں شر ناصری اونیامیک
ہم دہلیوی

سوم زغرہ شعبال بسال شش صدو قتادہ دررہ غزنین بمنزل دمیگ

فرشتہ میں اس مقام کا نام "برہمیک" چھپا ہوا ہے۔ اس کے نسخہ میں طباعت کی غلطیاں معلوم ہیں لیکن جس دریا کے کنارے یہ واقعہ پیش آیا، اس کے نام مورخین نے مختلف لکھے ہیں، فرشتہ میں اس کا نام "نیلاب" ہے۔ یہ اس زمانہ میں دریائے سندھ کا معروف نام تھا۔ اس لیے اس کے بیان کے مطابق دمیگ "دریائے سندھ" کے کنارے واقع تھا، ابن اثیر اور دوسری تاریخوں میں دریا کا نام "جیوں" سندرج ہے لیکن جیوں لاہور اور سندھ کے درمیان واقع نہ تھا۔ وہ افغانستان کی موجودہ شمالی سرحد کے اس پار رواں ہے، اس لیے گمان ہے کہ جیوں "جہلم" کے بجائے سندرج ہو گیا ہو، اس زمانہ میں اس کو اب جہلم و اب بہت کہتے تھے، ابن اثیر کے لیے یہ نام غیر معروف تھا، اس نے جہلم کے بجائے جیوں لکھ دیا ہو، مغربی مورخین نے بھی اس کو جہلم ہی قرار دیا، چنانچہ مولوی سعید ہاشمی فرید آبادی تاریخ ہند حصہ اول میں جو فارسی تاریخوں اور مغربی مصنفین کی کتابوں سے مرتب کی گئی ہے لکھتے ہیں۔

اس ہم کے بعد سلطان وہس جاد رہا تھا، اور جہلم کو عبور کر چکا تھا کہ..... (جلد ۱ ص ۱۱۳)
اس سے یہ غیر مشتبہ طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ دمیگ دریائے جہلم کے کنارے آباد تھا، جہاں یہ واقعہ شہادت پیش آیا، ضلع جہلم کے گاؤں "دھمک" کے جو جغرافی حالات مستفسر نہ لکھے ہیں، ان میں یہ تصریح نہیں کہ یہ مقام دریا کے کنارے آباد ہے، اگر وہ لب دریا واقع ہے تو تاریخی شہادتوں سے اس روایت کی جو سینہ سینیہ آرہی ہے، تصدیق ہوتی ہے۔ "دھمک" کا فارسی و عربی میں "دمیک" ہو جانا یا "میک" کلمات آٹھ سو برس گزرتے گزرتے "دھمک" بن جانا کچھ عجیب نہ تھا، اس لیے اگر دھمک میں وہ فرنی تربت لب دریا واقع ہو تو اس کے سینے زیادہ سے زیادہ یہ سمجھا جاسکتا ہے

کرتا یہ وہی مقام ہو جہاں اس منزل میں سلطانی قافلہ اتر آیا ہو، اور اسی جگہ یہ واقعہ قتل پیش آیا ہو، اور لوگوں نے یادگار کے لیے کوئی نشانی قائم کی ہو جو اب تربت کی شکل میں منتقل ہو گئی ہو۔

بجانب

موضع دھمک کے متعلق مذکورہ بالا مباحث کے شائع ہونے کے بعد جناب محمد کچھ مزید معلومات اسلم خاں صاحب ریکارڈ ضلع جہلم کا ایک دوسرا مکتوب آیا جس میں موضع دھمک کے متعلق جو سلطان کی قتل گاہ میں بتیں ہو، کچھ مزید معلومات تھے یہ مقالہ محارف ماہ ستمبر ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا، اس سلسلہ گفتگو میں اس کا مطالعہ بھی کچھ سے خالی نہیں وہ فرماتے ہیں۔

”آپ کے مقالہ کو پڑھ کر مجھے بے حد مسرت حاصل ہوئی ہے۔ تمام مطلوبہ سوالات کے جوابات تسلی بخش پائے جس سے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، ایسے علمائے کرام کی اس زمانے میں کمی نہیں ہے، جو کسی لائق مسئلہ کو نہایت خوبی سے حل نہ کر سکیں، لیکن ایسے بزرگ اس زمانہ میں عنقا کی حیثیت رکھتے ہیں جو مسائل کی ہر پہلو سے مدد کرتے ہوں، جس محنت شاقہ اور عرق ریزی سے آپ نے مستند حوالہ جات سے جواب مرتب کیا ہے، جناب کی اس بندہ فوازی و عظیم پروری کا تہ دل سے ممنون ہوں،

مقتل سلطان شہاب الدین نور اللہ مرقدہ واقعی یہی موضع دھمک ہے جو سو باہہ اسٹیشن کے متصل سیانہ شمال بفاصلہ تین میل تحصیل دضلع جہلم میں ہے، تاریخ جہلم ۱۸۸۰ء میں لکھی گئی ہے اس میں ضلع کے سب دیہاتوں کی فہرست بھی شامل ہے، لیکن بجز اس موضع مذکور کے اس نام کا کوئی اور قریہ اس ضلع میں موجود نہیں، اس وقت ضلع میں مندرجہ ذیل تحصیلیں تھیں، جہلم، چکوال، پنڈہ ادغان، بانگ، اب آخری تحصیل کو جہلم سے الگ کر کے الگ سے طبع کر دیا گیا ہے اور بھی دریائے جہلم کے کنارے جو گاؤں آباد ہیں ان میں اس نام کا کوئی دوسرا گاؤں نہیں ملا۔

موجودہ وقت میں دریائے جہلم دھمک سے برفاصلہ سات کوس گزرتا ہے اگر آج سے قبل سارے سات سو برس ایک انجینی مورخ اس کو کنارہ دریا لکھتا ہے۔ تو کوئی تعجب کا مقام نہیں جب کہ کوئی اور مشہور قابل تخصیص جگہ نہ ہو تو اسے دھمک کنارہ دریا لکھ دیا تو کوئی تعجب نہیں، نیز دھمک کے بالکل قریب سے ایک بڑا پرنا گزرتا ہے جو دریائے جہلم کا معاون ہے، بہر صورت سلطان موصوف کو یہیں شہید کیا گیا۔ دھمک کے بالکل قریب ایک راستہ ”غوروں کے پھڑ پھڑ“ کے نام سے اب تک مشہور ہے ”پھڑ“ پنجابی میں پشتہ یا ٹیکہ کو کہتے ہیں، مقام نجب ہے کہ اب تک اس کا نام غوروں کا پھڑ چلا آتا ہے، حالانکہ مقامی لوگ غوروں سے ناواقف ہیں۔

—————

سلطان کا نام | سلطان کے مقتل و مرقد پر مقالہ شائع ہونے کے بعد ہی ہمارے لائق دوست جناب ڈاکٹر محمد عبداللہ حقانی پروفیسر کالج کا ایک استاد اکرم بھی شائع ہوا، اس میں انھوں نے بعض مزید امور پیش کئے، اور اس سلسلہ میں کچھ مزید باتیں کہی گئیں اس استاد اکرم اور اس کے جواب کے بعض حصے بھی یہاں نقل کئے جانے کے لائق ہیں، فرماتے ہیں:-

”معارف جون سنہ (ص ۴۶۶ تا ص ۴۶۷) میں ایک مفید اور

طویل مقالہ بعنوان ”سلطان شہاب الدین کے قاتل، مقتل، مرقد کے مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا، جو دراصل ایک استفسار کے جواب میں ادارہ معارف کی طرف سے علمی رنگ میں جواب ہے، اور جہل حسن طریق سے ادارہ نے فرض شناسی کا ثبوت دیا ہے، وہ ضرور قابل ستائش ہے، اس سلسلہ میں مجھے بھی بعض بعض مقام پر اس ادارہ کے نوٹ پر کسی قدر مزید توضیح کی ضرورت محسوس ہوئی، اسلامی تاریخ ہند میں یہی ایک اہم دور ہے، جب کہ صحیح طور پر اسلامی سلطنت ہند کے قیام کا آغاز ہوتا ہے جس کا تمام سہرا سلطان شہید معز الدین محمد بن مسلم

کے سر ہو، جس نے اپنے پیشرو سلطان محمود غزنہ کی فتوحات کو مزید قوی بنایا
پرستش کر کے اسلامی سلطنت ہند کا قیام کیا جو ابھی تک نہیں ہوا تھا،

سلطان شہاب الدین غوری کا نام عام طور پر ہندوستانی فتوحات کے ضمن میں
سلطان معز الدین محمد ابن سام غوری بیان ہوا ہے اور یہی بوہٹہ طبقات نامہ صری
کتبات اور سکوکات میں ہیں میسر آتا ہے، بلکہ آپ کے جانشین سلاطین کو قبول مہلج
سراج مصنف طبقات نامہ صری نے "سلاطین معزیہ" سے تعبیر کیا ہے اس سے یہ لازم
نہیں آتا، کہ اول الذکر نام سے آپ کو پکارتے ہی نہیں تھے، بلکہ ہر دو صحیح ہیں؟

ہمارے لائق دوست نے اس موقع پر سلطان کا نام "معز الدین محمد" قرار دیا ہے،
اسی طرح وہ سمجھتے ہیں کہ شہاب الدین بھی ان کا نام ہو۔ سلطان کے نام کے متعلق عام طور پر
لوگوں کو اقتباس ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ سلطان کا نام تو محمد ہو اور معز الدین اور شہاب الدین
نام نہیں، دونوں لقب ہیں جو کثرت استعمال سے اجزائے نام بن گئے ہیں، مورخین اس سلطان
کو ان دونوں لقب سے یاد کرتے ہیں، سلطان شہاب الدین کا یہ لقب ۶۹ھ میں فتح غزنین
کے بعد وہاں کی حکومت سپرد ہوتے وقت سلطان غیاث الدین کی جانب سے اس کو عطا
کیا گیا تھا؛ بدایونی میں ہے،

„سلطان غیاث الدین آن ولایت غزنین را در حین تسخیر آوردہ“

و سلطان معز الدین محمد را لقب سلطان شہاب الدین داد۔

اور معز الدین کا لقب اس سے پہلے ایک دوسرے موقع پر اس کو مل چکا تھا؛
کیا سلطان کا مرقہ غزنین نہیں ہے؟ | اس کے بعد ہمارے لائق دوست نے "فتوحات
فیروز شاہی کے ایک اقتباس سے دہلی کو سلطان کے مرقہ ہونے کا امکان دکھایا ہے، وہ
لکھتے ہیں :-

„یہ امر متقن علیہ ہو کہ سلطان معز الدین کو غزنین جاتے ہوئے دریائے جہلم کے

کنارے رات کے وقت اسی کے خیمہ میں دمیک گاؤں میں شہید کر دیا گیا، اور اس کی نعش

کو اس کے ہمراہیوں نے منزلی مقصود غزنین پہنچا دیا۔ بس داتہ کے قریب ڈیرہ
سوسال بعد جب سلطان فیروز شاہ تغلق ۵۶۲ھ میں دہلی کی سلطنت پر شکن
ہوا، تو اس نے اپنے عہد کے متعلق ایک مفید یادداشت بعنوان ”فتوحات فیروز
شاہی“ مرتب کی جو شایع ہو چکی ہو، اور اس کا انگریزی ترجمہ بھی شایع ہو چکا
ہو، اس میں جواں دہلی کی عمارات کا ذکر ہو، وہاں وہ لکھتا ہے :-

”و مقبرہ سلطان سزالدین سام را کہ دیوار غربی و تختہ ہائے او
کنند فرسودہ شدہ بود ہم مذکورہ آمد و بجائے در باد طاقتا
زیہا از جیب صندوق ساختہ“

اس تحریر کی موثر آئی میں انسان ذرا تامل کرنے لگتا ہو، جہاں تک راقم کے
ذاتی علم کا تعلق ہو ابھی تک کوئی ایسی تحریر نظر سے نہیں گزری کہ جس میں یہ پایا
جائے، کہ سلطان معز الدین محمد بن سام کا مزار غزنہ میں ہو، یا کسی نے اپنے مشاہدات
کی بنا پر یہس کو بیان کیا ہو جیسا کہ ہم اکثر سلطان محمود غزنہ و بابر بادشاہ وغیرہ
کے متعلق پڑھتے اور سنتے ہیں کہ ان کے مزار اودھر موجود ہیں، اگر کسی صاحبِ کلام ہو
تو روشنی ڈالیں :

حقیقت یہ ہو کہ فتوحات فیروزی کی مذکورہ بالا عبارت شہاب الدین کے مرقد
پر گفتگو کرنے میں بلاشبہ نظر انداز کرنے کے لائق نہیں، ہمارے لائق دوست شکر سیر کے
مستحق ہیں کہ اس سلسلہ کی اہم کڑی نکالوں کے سامنے لے آئے۔

سلطان شہاب الدین کی لاش کے متعلق غزنہ کی رپورٹ سراج موجود ہو کہ وہ غزنین
لے جا کر اس کٹہرے میں دفن کی گئی جس کو اس نے اپنی اڑکی کے لیے بنوایا تھا، چنانچہ لکھتا ہے :-
”القصر بتاریخ مہیت و دودم شہر شہبان محضہ سلطان شہاب الدین
را بغزنین رسانیدہ در خطیرہ کہ برائے دختر خود ساختہ بود و دفن کردند“

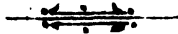
۱۵ تین فتوحات ص ۱۳، ترجمہ ایلیٹ ص ۳۱۵، بعض کو مقبرہ سلطان معز الدین بہرام شاہ بن سلطان
شمس الدین ایلش ۱۵ تاریخ غزنہ ص ۷۰

اس لیے اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ اس کی تدفین غزنین میں عمل میں آئی۔
اب فتوحات فیروز شاہی کی مذکورہ بالا عبارت کے دیکھنے کے بعد دو قیاس
سامنے آسکتے ہیں، یا تو جیسا کہ موصوف نے گمان ظاہر کیا ہو کہ تقریباً ڈیڑھ سو برس
کے اندر اس کے کسی قدر و ان کے ہاتھوں اس کی لاش غزنین سے منتقل کر کے ہندستان
لائی گئی ہو، یا پھر یہ قیاس ہو سکتا ہو کہ جب سلطان شہاب الدین نے ^{۱۱۹۱ھ} ^{۱۱۹۱ھ} میں
دلی فتح کی، اس کے بعد ^{۱۱۹۳ھ} ^{۱۱۹۳ھ} میں جب اس نے دلی میں ”جامع مسجد“ توت الاسلام
تعمیر کی تو اس کو ہندستان سے جو دلی تعلق پیدا ہو چکا تھا۔ اس کے باعث اس نے
اپنی ابدی خواب گاہ کے لیے بھی اسی سرزمین کو پسند کیا ہو، جیسا کہ بعض سلاطین
کرتے رہے ہیں، اُس نے بھی اپنی زندگی میں اس مسجد کے پہلو میں اپنے مقبرے کے
لیے عمارت تعمیر کرائی ہو، چنانچہ فتوحات فیروز شاہی میں اس مقبرہ کا ذکر اس کی
تعمیر کردہ ”مسجد جامع“ اور اس کے ”میار“ کے درمیان آیا ہو، اس سے گمان
ہوتا ہو، کہ مقبرہ کی یہ عمارت بھی اسی کے آس پاس ہوگی۔

یہ تو صحیح ہو کہ موجودہ زمانے کے ستیا جوں میں سے کبھی نے شاید ہی ایسا مشاہدہ
بیان کیا ہو کہ اس نے غزنین میں اس سلطان کے مزار کی زیارت کی ہو چنانچہ ابھی
حال میں حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ نے اپنے سفر غزنین کے
مشاہدات محارف بابت ماہ مئی ۱۹۳۴ء میں شائع فرمائے تھے۔ حضرت موصوف کا
یہ سفر نامہ بھی غزنین میں سلطان شہاب الدین کے مزار کے موجود ہونے کے ذکر
سے خالی ہو۔ مگر اس کے ساتھ ان سفر نامہ کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہو
کہ موجودہ زمانہ میں قدیم غزنین کا وجود خاک کے ایک تودہ سے زیادہ باقی نہیں
رہا صرف امیر حبیب اللہ خاں کی توجہ فرمائی سے سلطان محمود سبکتگین اور حیدر گور
مشاہیر کے مقبروں پر کتبہ نصب ہو سکے ہیں ورنہ اب دراصل پرانے غزنین کا نام و
نشان بے دست چکا ہو۔ اس تصریح سے کم سے کم یہ متعین طور پر معلوم ہو جاتا ہو کہ
سلطان شہاب الدین کو جس خطرہ (کٹھرت) میں دھن کیا گیا تھا وہ اب معلوم نہیں

نہیں رہا ورنہ وہ ایک محکمہ رس عالم تاریخ سیاح کی تجسس نگاہوں سے اوجھل نہ رہ سکتا تھا، — لیکن دوسری طرف دلی کے آثار قدیمہ میں بھی کوئی مقبرہ سلطان شہاب الدین کی طرف اس زمانہ میں منسوب نہیں کہ اس کی لاش کو غزنین سے دلی میں منتقل کر کے لانے کے گمان کی تصدیق کلیتہً کی جاسکے، اس لیے تاوقتیکہ کچھ حریذ تاریخچی شہادتیں ہم دست نہ ہوں، اس موضوع پر کسی فیصلہ کن رائے تک پہنچنا آسان نہیں ہو اور بظاہر ہر فرشتہ کے بیان کے مطابق یہی سمجھا جاسکتا ہو کہ غزنین ہی میں اس کی تدفین عمل میں آئی اور وہی اس کا اصل مرقد ہو۔

(جون ۱۹۳۷ء)



ملوک سلاطین دہلی

۶۰۲ھ ————— ۶۸۹ھ

شہاب الدین غوری کی اجانبک شہادت سے ہندستان میں اس کے فوجی افسر ایک نازک صورت حال سے دوچار ہوئے۔ قطب الدین ایبک اس کا نائب ہسلطنت تھا، اور یہ ملک تین حصوں یعنی پنجاب، شمالی ہند، اور سندھ میں بٹ کر غزنی کے ماتحت تھا اور ملک کی مختلف سمتوں میں اس کی قدیم سلطنتوں کے حکمران اپنے مورچے منہالے ہوئے تھے، جیسا کہ اورنگزیرا شہاب الدین کے اولاد نرینہ نہ تھی، اس کا بھتیجا سلطان غیاث الدین محمود غور کا مالک تھا، مگر اس میں رہنمائی کی طاقت نہ تھی، اور خوارزمیوں کے اٹھتے ہوئے طوفان سے وہ غوردغزنی کو بھی بچانے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ اس کے تین ترک غلام فوجی گورنروں میں تاج الدین یلدرگمان و سنکران کا جو افغانستان سے بالائی سندھ کی راہ پر واقع ہیں، مالک تھا، غزنی کا مالک بنا اور اس لحاظ سے اس نے اپنے آپ کو ہندستانی صوبوں کو اپنے ماتحت تصور کرنے کا سختی سمجھا مگر اس کے داماد ناصر الدین قباچہ تک نے اس کے اس استحقاق کو تسلیم نہیں کیا اور قطب الدین ایبک کے لیے اس کا قبول کرنا زیادہ بعید از تصور تھا اس لیے شہاب الدین غوری کی شہادت کے بعد ہی غزنی سے ہندستان کا رشتہ ٹوٹ گیا اور یہاں اس کے نام یوا غلاموں کی آزد سلطنت کی بنا قائم ہو گئی۔

۲۔ سلطان قطب الدین ایبک ۶۰۲ھ ————— ۶۸۹ھ شہاب الدین غوری کا نامور ترک سپہ سالار تھا، وہ ہندستان میں اسلامی مسادات و اخوت کا روشن منارہ تھا۔ وہ غلاموں کی صف سے نکل کر سلاطین کے تخت پر بیٹھا اور اس کے بعد غلام و در غلام سلاطین دہلی کے تخت پر بیٹھتے گئے، قطب الدین پہلی مرتبہ

ترکستان سے منشا پور میں لایا گیا تھا۔ یہاں کے امام اعظم ابو حنیفہ کے اخلاف میں سے ایک صاحب علم فخر الدین عبدالعزیز کو فی قاضی القضاۃ کے منصب پر سرفراز تھے، انھوں نے اس نتیجہ کو خرید کر اسے اپنی اولاد کے ساتھ مکتب میں بٹھایا۔ جس میں اس نے علوم کی تحصیل کی، اور شہسوار یادی تیر اندازی کے فنون سیکھے۔ قاضی صاحب کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں میں سے کسی نے اس کو فروخت کیا، اور ایک سوداگر نے اس کو سلطان شہاب الدین غوری کے دربار میں گرفتار قیمت لے کر فروخت کیا اور یہیں وہ اپنی ٹوٹی ہوئی کھانچلی کی وجہ سے ایک سے مخاطب کیا گیا۔ وہ اپنے آقا کا جان نثار تھا اور غوری کو بھی اس پر غیر معمولی اعتماد تھا، تراوڑی کی لڑائی کے بعد کھاندور کی لڑائی میں اٹاواہ کے قریب قنوج کے راجہ جے چند کی آنکھ میں جب تیر لگا، اور وہ کام آیا تو پھر ایک کی راہ روکنے والا کوئی موجود نہ تھا۔ بارہا تک اس نے قبضہ کر لیا، اور بے شمار دولت ہاتھ آئی، اسی موقع پر شہاب الدین نے ہندوستان کی حکومت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں دی۔ کانجو کی فتح کے بعد چندیلی راجاؤں کے پائے تخت مہو با پر قبضہ کیا، پھر میرٹھ ہوتا ہوا راجہ گوبند رائے کی راجدانی دلی میں پہنچا، جو غوری کی اطاعت قبول کرنے کے بعد منحرف ہو چکا تھا، اس کو نئے سرے سے فتح کیا پھر اس نے راجہ بھروچ سے اجیر، راجہ بھیم دیو سے نہروالے لیا اور راج پوتوں کی آخری جتھا بندی کو توڑا، اور پھر ملکی انتظام میں مصروف ہو گیا سلطان شہاب الدین غوری نے آخری سفر ہند کے موقع پر ۶۷۶ھ میں اس کو ”ملک کے خطاب سے سرفراز کیا۔“

سلطان شہاب الدین غوری کے دور تک یہ اس کا غلام تھا، اس کو رسمی آزادی اس وقت ملی، جب کہ شہاب الدین غوری کے شرعی وارث اور شاہ غور سلطان غیاث الدین محمود نے اس کو بہرہ روایت یوم سہ شنبہ ۸ رذی قعدہ ۶۷۲ھ اور بہرہ روایت ۶۷۳ھ میں ”حیدر امارت بادشاہی و خطاب سلطانی و خط آزادی“ عطا کیا۔ اور سلطان ایک کے لقب سے لاہور، میں اس کی تخت نشینی کی رسم انجام

پانی اس کے بعد اپنا پایہ تخت لاہور سے ہندستان کے قلب اور اس کی پرانی راج دھانی میں لے آیا اور وہی سلاطین دہلی میں سے پہلا سلطان قرار پایا دہلی کی سلطنت بھٹندے سے لکھنؤ تک تقریباً ایک ہزار میل طویل اور تقریباً پانسونیل عرض یعنی ۴۴ لاکھ مربع میل کے رقبہ میں تھی، بنگال و بہار کو اگرچہ اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی نے فتح کیا تھا اور وہ اس پورے علاقہ کا صوبہ دار اعلیٰ تھا لیکن اس نے نظم قائم رکھنے کے لیے دلی سلطنت کی سیادت قبول کر لی تھی اور خود قطب الدین سے ملنے دلی آیا تھا، ایک کا دوسرا حریف بہار و بنگال طغرل جو بیہار اور گوالیار کا فاتح تھا۔ اس کی موت سے وہ علاقہ بھی اس سلطنت کا حصہ بن چکا تھا اگرچہ اس کی زندگی کے آخری دور میں بختیار خلجی کا حادثہ قتل پیش آیا اور لکھنؤ کی کوئی سیاسی صورت حال سے سابقہ کرنا پڑا جس کو سلجھانے کا ایک کو موقع نہ مل سکا تھا، قطب الدین ایک نے سہیتہ میں لاہور میں چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر وفات پائی اور وہی اس کا فرار ہی۔

قطب الدین ایک وہ پہلا سلطان ہے جس نے ہندستان کو اپنا ویس سمجھا، اس کے لیے روئے زمین پر کوئی ایسا دوسرا ملک نہ تھا جس سے اس کا وطن زینتہ قائم رہ گیا ہو۔ وہی پہلا سلطان ہے جو ہندستان کے پایہ تخت کو وسط ایشیا کو اٹھا کر دلی میں لایا، اس نے پنجاب کو جو ہندستان سے مستقل طور پر علیحدہ ہو کر غزنی سلطنت کا حصہ بن چکا تھا، دوبارہ ہندستان میں ملایا، اسی لیے اس نے اپنی تاج پوشی کی رسم لاہور میں منائی اور وہی فرمانروا تھا، جو راجہ ہرش کے بعد پشاور سے بنگال تک کی سرزمین کو "ایک چتر کے سایہ میں لے آیا وہ اب ترکستانی اور غوری نہ تھا، ہندستانی تھا، ترکستان اور غور اس کے لیے اسی طرح غیر تھے، جیسے راجہ ہرش اور اس کے اجداد کے لیے روس کے گھاس کے میدان وہ راجہ ہرش ہی کے نقش قدم پر چلا، اور اس نے اس ملک سے طوائف الملوک کے خاتمہ کیا اور ہندوالم سے لکھنؤ تک کے باشندے ایک ملک اور ایک سلطنت کے

شہری کہلائے۔

ایک کا عہد حکومت | سلطان ایک فطر تانیک سترشت، سخی اور عدل پڑ

تھا اور بے دریغ انعام و اکرام سے لوگوں کو مال مال کرتا اس کی سخاوت ضربۂ
حق، "لک بخش" (لاکھ کا بخشنے والا) اس کا لقب مشہور ہو گیا تھا، اس نے نہ
صرف ہندوستان میں شہاب الدین غوری کی نیابت کی بلکہ اپنے خسر تاج الدین یلہ
کو غزنی کے تخت سے برطرف کر کے چالیس روز وہاں حکمرانی کی۔ اور اپنا داد و دہش سے
وہاں بھی نام آوری حاصل کی، اس نے دہلی کی تسخیر کے بعد بیس سال تک حکمرانی کی
جن میں آخر کے چار سال چند مہینوں میں صاحبِ چتر و تاج و تخت رہا، اس کی قلمرو میں
اس کے نام کا مسکہ و خطبہ جاری رہا۔ اس نے رعایا کے درمیان عام ہر دو روزی حاصل کی
اور لوگوں کے دلوں میں اس کے عہد حکومت کی خوش گوار یاد دہشت دراز تک باقی رہی۔
ایک کے دور کے ممتاز اکابر | قطب الدین میثا پوری کی درس گاہ میں علوم
کی تحصیل کر چکا تھا، اس کا دربار علم و ادب کا مرکز تھا۔ مشہور ادیب و شاعر
ہمارے، الدین محمد اوشی اور جمال الدین محمد نصیر کے قصیدے اور بعض اشعار
تذکروں اور سیاسی تاریخوں میں موجود ہیں، جن میں ایک کے جو دو سخی، شجاعت
فیضی اور عدل پروری کو دلہانہ انداز میں قلم بند کیا گیا ہے، شیخ صد الدین
محمد بن حسن نظامی میثا پوری جو اپنے زمانہ میں انشا و تاریخ و سیر کا امام سمجھا جاتا
جاتا تھا ایک کے دامنِ دولت سے وابستہ تھا، اس نے اپنی شہرہ آفاق کتاب
تاج المآثر جو مملوک سلاطین دہلی پر سب سے پہلی کتاب ہے، ایک ہی کے حکم
سے ۶۰۲ھ میں لکھنی شروع کی جس میں ۸۷۷ھ سے ۶۱۴ھ یا ۶۱۶ھ تک کے قلع
قلم بند کئے گئے ہیں، اسی طرح اس عہد کے دوسرے ممتاز اعیان و علماء میں شیخ
احمد بن علی ترمذی متوفی ۶۰۲ھ قاضی حمید الدین علی بن عمر محمودی اور قاضی
وجیہ الدین کاشانی وغیرہ تھے، بعض اہل علم صاحبِ سیف بھی تھے، چنانچہ شیخ
محمد بن احمد دہنی رمولود ۸۷۷ھ متوفی ۶۱۶ھ جنہیں التمش کے دور میں غیر

معمولی عزت و اکرام حاصل ہوا، ایک کے دور کے صاحب سیف فاتح تھے،
 کڑا مانگ پورا اور ہنسوہ وغیرہ کے قلعے انہی نے فتح کئے تھے، اسی طرح شیخ
 قدوة الدین بن میرک شاہ اسرائیلی معروف بہ قاضی قدوہ متوفی ۷۱۳ھ کے فوجی
 خدمات کے فائدے اودھ کے ۵۰ گاؤں میں آج بھی شہرت رکھتے ہیں ان کے
 صاحب زادے اعز الدین عمدۃ قضا پر سفر فرما رہے تھے۔

شمالی ہند میں مسلمانوں کے اس ابتدائی دور میں اسلامی علوم و فنون کا ایسا
 عام چرچا ہو گیا تھا کہ یہاں کے ایک نو مسلم صاحب علم نے روایت حدیث میں ایک
 خاص قسم کی شہرت حاصل کی، ان کا ذکر فن رجال جس میں حدیث کے راویوں کی
 سوانح عمری اور جرح و تعدیل ہوتی ہے، کی بیشتر اہم کتابوں میں آیا ہے، سربراہنگ
 ہندی متوفی ۳۱۶ھ کی طرح اس زمانہ میں شیخ ابو الرضاتین بن کرپالی بن رتن
 ہندی کو شہرت حاصل ہوئی ان کا ذکر صلاح الکبیری، امام ذہبی، علامہ ابن حجر
 عسقلانی، صلاح صفدی، ابن صغانی اور صاحب بحر خزائن تفصیل سے کیا ہے
 رتن بھٹنڈہ میں پیدا ہوئے اور قبول اسلام کے بعد ارباب خیر و صلاح میں شمار کئے
 گئے عمر طبعی سے بہت زیادہ سن پایا۔ رتن کی اس روایت کا عام چرچا پھیلا کہ
 وہ عہد رسالت میں موجود تھے ایک مرتبہ وہ تجارت کے سلسلہ میں تجارت گئے ہوئے
 تھے، ایک موقع پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے منصب رسالت
 پر فائز ہونے سے پہلے ملے۔ دوسری مرتبہ نبوت کے بعد انھیں زیارت کا موقع
 ملا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں عمر کی درازی کی دعا دی اور بعض
 باتیں ارشاد فرمائیں۔ جب ان روایتوں کی شہرت عالم اسلام میں پہنچی تو بڑے
 بڑے ائمہ فن ان سے ملنے، روایتیں لینے اور تحقیق حال کرنے کے لیے ہندوستان
 آئے، اور ان کی تصدیق یا تکذیب کی اور یہ فن رجال کا ایک مستقل موضوع بن
 گیا، اور رجال کی مشہور کتابوں میں یہ جرح و تعدیل ضبط ہیں، اور ائمہ فن نے
 اپنے محاکمے لکھے ہیں انھوں نے سنتہ کے بعد وفات پائی، اور بھٹنڈہ میں مدفون ہیں

علامہ نظام الدین فرغانی فقہ و اصول کے ماہرین میں سے تھے، ہندوستان میں تشریف لائے قسمت نے اس کو بنگال سے وابستہ کیا، محمد بن بختیار خلجی نے ان کی قدروانی کی اور بنگال میں ان کے وجود سے علم کا چراغ روشن رہا۔

صلحائے امت | ایک کے عہد حکومت کو صلحائے امت میں سے ہندوستان

کے سرتاج مشائخ حضرت خواجہ سید معین الدین حسن بن حسن چشتی سحری حمیری قدس سرہ کی ذات بابرکات کے وجود گرامی کا شرف حاصل ہو، حضرت خواجہ بختیار

میں ۳۳۰ھ میں پیدا ہوئے ۱۲، ۱۵ سال کی عمر میں سایہ پوری سر سے اٹھ گیا

انگور کا باغ اور ایک پن چکی وراثت میں پائی، کسی مجذوب حال کا باغ سے گزر رہا

اور حضرت خواجہ پر جذب ربانی طاری ہو گیا ترک علائق کر کے حق کی طلب اور جستجو

میں اٹھ کھڑے ہوئے، بختان سے سمرقند تشریف لے گئے، قرآن پاک حفظ کیا

علوم کی تحصیل فرمائی پھر مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے قبریہ ہارون میں حضرت

خواجہ عثمان ہارونی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور شیخ کی خدمت میں

اپنی زندگی کے بیس سال گزار دیے انہی کی صحبت میں دیا اسلامی کی سیاحت

کی، اور شیخ نے خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا، پھر مختلف مقامات پر اس دور

کے ممت از صاحبین امت شیخ نجم الدین کبری، حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر

جیلانی، حضرت شیخ جلال الدین تبریزی وغیرہ اکابر وقت کی صحبت سے فیض یاب ہوئے

آخر میں مدینہ منورہ میں حاضری دینے کے بعد ہندوستان کا رخ فرمایا۔ اور لاہور

میں آکر حضرت شیخ جویری اور حضرت حسین زنبکانی کے مزار پر چلے کش ہوئے

پھر ملتان میں تشریف لائے، اور یہاں پانچ برس قیام فرما کر ہندوستان کی زبان

سنسکرت یا پرکرت سیکھی اور پھر وہاں سے دہلی تشریف لائے اور یہاں ہی حمیر

کا قصد فرمایا، اور ۶۱۱ھ یا ۶۱۲ھ سے وہاں مستقل توطن اختیار فرمایا اس وقت

تک یہ مقامات پر تھوڑی راج کے قبضہ میں تھے مسلمان کشور کشاؤں کے زیرِ یغین نہیں

آئے تھے، مگر ان مرکزی شہروں میں حضرت خواجہ کے فیض صحبت سے اسلام کی روشنی

پہلی اور توحید اسلام کا نام لینے والوں کی ایک جماعت تیار ہو گئی، خصوصاً اجمیری
 ایک خلق کثیر حلقہ تجوش اسلام ہو گئی جن میں پرتھوی راج کے چند خاص شاہی عمال بھی
 تھے، جن کی وجہ سے اجمیر کے ارباب حکومت میں سرسبکی پھیلی اور عمال حکومت حضرت
 خواجہ کے درپے آزار ہوئے اور اجمیر سے انھیں جلا وطن کرنا چاہا، دوسری طرف دھرم
 شاستر کے ماننے والے جو گیوں نے یوگ کی تپشیا اور شقنوں سے جو طاقت حاصل
 کی تھی اس کو حضرت اجمیری کے خلاف استعمال کرتے رہے اور تصوف و سلوک کی ریاضت
 مجاہدہ اور یوگ کی تپشیا اور شقنوں سے حاصل کی ہوئی قوتوں میں جو معرکہ آرائی ہوئی
 اس میں حضرت خواجہ اجمیری کو کارنامی حاصل ہوئی اور جو گیوں کے زیر ہونے کے بعد ایک
 کثیر خلقت اسلام گئی، غوش بکائی، اس اثنا میں سلطان شہاب الدین غوری نے ۶۹۲ھ
 میں پرتھوی راج کو شکست دے کر دھلی کی سلطنت کو قطب الدین ایک کے سپرد
 کیا، اور اجمیر کی ولایت پر سید وجیہ الدین شہدی مامور کئے گئے، جن کی صاحبزادی
 سے حضرت خواجہ کا عقد نکاح انجام پایا، اور یہ مسلم حکمران خاندان بھی حضرت خواجہ
 کے عقیدت مندوں میں داخل ہو گیا اور حضرت خواجہ کے روحانی فیوض و برکات
 کے ساتھ سیاسی اقتدار سے اسلام کو اس دیار میں مزید تقویت حاصل ہوئی۔

حضرت خواجہ کا وجود و گرامی ہندوستان میں روحانی فیوض و برکات کا ایسا
 مینار ثابت ہوا، جس سے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں روشنی پہنچی اور لاکھوں بندہ
 خدا نے ہدایت حاصل، سلسلہ تپشیتہ کا فیض حضرت والا ہی کے توسط سے پہلی مرتبہ ہندوستان
 میں عام ہوا، اور کچھ بھی اس کے انوار اقدس سے ہندوستان میں روحانیت کا نظام
 قائم اور ارباب بصیرت کے لیے اس کے چہ چہ میں درخشانی موجود ہو، حضرت خواجہ
 ۶۲۶ھ یا ۶۲۳ھ روایت ۶۲۳ھ یا ۶۲۲ھ میں دہلی میں فوت ہوئے، اور اجمیر کی درگاہ
 ابھی زیارت گاہ خلافت ہے۔

حضرت خواجہ اجمیری کی طرف تین کتابیں انیس الاوراق، رسالہ در
 کسب نفس اور دلیل العارفين منسوب ہیں، اول الذکر میں حضرت خواجہ عثمان باقی

کے ملفوظات ہیں جن کو غالباً حضرت خواجہ اجبیری کے کسی مرید نے ان سے سن کر بکجا کیا ہو اور دلیل اعارضین میں خود حضرت خواجہ اجبیری کے ملفوظات ان کے اشد خلیفہ حضرت نخبیار کا کی نے بکجا کئے ہیں اور یہ کتاب اہل صلاح میں متداول ہو حضرت خواجہ اجبیری کی طرف سیدنا حضرت حسینؑ کی شان میں وہ مشہور رباعی بھی منسوب ہو جس کا آخری مصرع ”حقاً کہ بنائے لالہ است حسین“ ہو

حضرت خواجہ اجبیری کے خلفا و مریدین میں حضرت سیدین خٹک سوار کا اسم گرامی بھی ہو وہ حضرت سید وجیہ الدین شہری کے بیٹے تھے، اور ان کے بعد ایک کی طرف سے اجبیری کی ولایت پر مامور کئے گئے، مگر حضرت خواجہ کی نظر توجہ سے ان کی حالت میں انقلاب آیا۔ وہ حکومت کے فرائض کے ساتھ دین کی ہشاعت کی بہت جی انجام دیتے رہے یہاں تک کہ سببِ شہادت نوش فرمایا۔

حضرت خواجہ اجبیری نے اپنے خلیفہ راشد حضرت مخدوم سید قطب الدین نخبیار کا کی کو دلی میں قیام کرنے پر مامور فرمایا سلطان ایک کو ان سے استفادہ کا شرف حاصل تھا، دلی کی جامع مسجد قوۃ الاسلام کی بنا و تعمیر اس نے ۹۹۹ھ میں کی، یہ اس عہد کی مشہور یادگار ہو۔ مسجد قطب صاحب ہی کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہوئی۔

شیخ یعقوب بن علی لاہوری اس عہد کے ممتاز ارباب فضل و صلاح میں سے تھے ۹۳۵ھ میں لاہور تشریف لائے ان سے ایک خلق کثیر نے رشد و ہدایت پائی ۹۴۲ھ میں وصال فرمایا، سلطان ایک کے عہد حکومت کے بھی ممتاز علما و صلحائے امت تھے اور ان ہی بزرگوں کے سایہ شفقت کا یہ اثر تھا کہ ایک خود بھی دینداری و پارسائی اور زہد و ورع سے مالا مال ہوا۔

۱۔ طبقات نعیمی ص ۳۵ تا ۴۱، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹،

آرام شاہ ۶۰۷ھ آرام شاہ ایک کالے پالک بیٹا تھا، لاہور کے فوجی
افسروں نے ایک کی وفات کے بعد اس کی بادشاہی کا اعلان لاہور میں کیا، مگر
قسمت اس منصب کے لیے ایک دوسرے ترک فوجی شمس الدین قشیش (قشیش) کو منتخب
کر چکی تھی، وہ قطب الدین کا عزیز خادم اور داماد اور اقطاع بدایوں کا گورنر
تھا، دلی کے فوجی افسروں نے اس کو مدعو کر کے تخت پر بٹھا دیا، آرام شاہ نے ۶۰۷ھ میں
دلی پر فوج کشی کی مگر وہ لڑائی میں مارا گیا اور آٹھ مہینے کے اندر اس کی حکمرانی
کا خاتمہ ہو گیا۔

شمس الدین قشیش شمس الدین قشیش ترکی قبیلہ البری کا خان زادہ تھا اس کا باپ
دلیلم اس قبیلہ کا ایک بڑا سردار تھا، اور قشیش سے غیر معمولی
عقبت رکھتا تھا، کہا جاتا ہے کہ اس کے بھائیوں نے رشاک جسد سے اس کو ایک پروسیسی
کے ہاتھ فروخت کر دیا جس سے بھارا کے جمال الدین حبیب قبائے اس کو خریدیا اور نیچے
کے لیے غزنی کے بازار میں لایا، وہ خوش رو ترک بچہ تھا۔ جمال الدین نے گراں قیمت چاہی
شہاب الدین غوری نے اس کی خریداری کی ممانعت کر دی، پھر تیسرے سال ایک کو اجازت
دی کہ وہ غزنین کے حدود سے باہر جا کر اس کو خرید سکتا ہے، چنانچہ جمال الدین
اس کو دلی میں لایا، یہیں وہ خرید گیا۔ غزنی میں اس کے خریدے جانے کی ممانعت اور
دلی میں اس کی خریداری کے واقعہ کا پیش آنا گویا قدرت کو یہ اشارہ کرنا تھا کہ مستقبل
میں وہ غزنی سے بے یقین رہے گا اور دلی ہی سے اس کو شرف توطن کا فخر حاصل ہو گا چنانچہ
اس نے ہندوستان میں اسلام کی تعلیم مساوات کے ہاتھوں ترقی کی اور سند حکومت پر بیٹھا۔
اس نے غیر معمولی مشکلات کے ساتھ زمام حکومت ہاتھ میں لی تھی، آرام شاہ کے
خاتمہ سے اس کی مشکلات کا خاتمہ نہیں ہوا، ایک کا حریف ناصر الدین قباچہ ابھی زندہ
تھا، اور خصوصاً ایک کی وفات کے بعد ہندوستان کے تلج و تخت کے لیے جو سلطان
شہاب الدین غوری کا ترکہ تھا، اپنے کو مستحق سمجھتا تھا، اس نے اپنی مملکت کو ملتان
بغٹندہ، کراچم اور سرسوتی تک وسیع کر دیا تھا اور آرام شاہ کے بعد اس نے لاہور

پر بھی قبضہ کر لیا تھا، اسی طرح ایک کا دوسرا حریف تاج الدین یلدر نے بھی اس موقع کو غنیمت سمجھا، اور ایک کے بعد دوسرے کے تحت کا دعویدار بنا اور آگے بڑھ کر پنجاب کے کچھ حصے پر قبضہ کر لیا، دوسری طرف بنگال میں علی مردان خاں نے بختیار خلیجی کے قتل کے بعد سلطان علاء الدین کے لقب سے اپنی بادشاہی کا اعلان اور اپنا سکہ اور خطبہ جاری کر دیا تھا، اسی طرح راجپوتوں نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور جالور اور منتھور وغیرہ اہم قلعوں کو قبضہ میں لے لیا تھا اور خود پایہ تخت دہلی بھی لتمش کے مخالفوں سے خالی نہ تھا۔ آرام شاہ کے حمایتی افسروں کی سازشوں کا جاں یہاں پھیلنا ہوا تھا۔

التمش نے اپنے حریفوں اور مخالفین پر اجمالی نگاہ ڈالی، اور بڑی دہشتدہ اور حکمت علی سے راہ عمل طے کی، اس نے سب سے پہلے مغربی سرحد سے یک سوئی جامل کرنے کے لیے تاج الدین یلدر کی طرف دست مصاحمت بڑھایا اور یلدر کو طعن کر کے قباچہ پر فوج کشی کی، اور ۱۲۱۱ھ میں لاہور کو اس سے چھین لیا، اس طرح اپنے حدود حکومت مغرب میں شوالک پہاڑی اور شرق میں بنارس تک رکھے امدان کے انتظام میں مصروف ہو گیا، اس کے بعد جب مغربی سرحد پر خوارزمیوں نے اس کے حریف یلدر کو پسپا کیا اور روضہ لاہور آکر پناہ گزین ہو گیا اور ملتان میں ٹھہر گیا اور کمرام تک اس کے اثرات پھیلے اس موقع پر اس نے تلج الدین کے قصہ کو پاک کر لینا چاہا، چنانچہ اس پر فوج کشی کی اور اس کو گرفتار کر کے بدایوں کے قلعہ میں قید کر دیا، جہاں اس نے سنہ ۱۲۱۱ھ میں وفات پائی اس کے بعد قباچہ نے پھر لاہور پر قبضہ کر لیا، اور لتمش کی فوج نے اس کو بھی زیر کر کے اس سے پنجاب کو خالی کر لیا، اور ۱۲۱۲ھ میں پہلی مرتبہ لتمش کا گورنر پنجاب میں مقرر ہو سکا، اس کے بعد ملک کے گوشہ گوشہ میں اس کی فتوحات اور اثر و نفوذ کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا گیا، چنانچہ اس نے مشرق میں بنارس سے آگے بڑھ کر اڑیسہ کے راجہ جاجننگھ پر فوج کشی کی، اور اس کو باج گزار بنایا، پھر ۱۲۱۵ھ میں بنگال

کی محنت گیا، جہاں علی مردان خان کے بعد حمام الدین عوض لقب سلطان غیاث الدین
ایسا مسکہ و خطبہ جاری کئے تھا۔ وہ مقابلہ کی تاب نہ لا سکا، اندر پیش کر کے اطاعت
کی فہمیش نے اپنے چھوٹے بیٹے ناصر الدین محمود کو بنگال کا گورنر بنایا، اور مہموبہ بہار کو
علیحدہ کر کے ملک عز الدین کے سپرد کیا، غیاث الدین نے اشمش کی دہلی کے بعد سر اٹھایا
تو ملک عز الدین نے ۶۲۳ھ میں فوج کشی کر کے اس کا خاتمہ کیا، ناصر الدین محمود نے
۶۲۴ھ میں دفات پائی، تو اشمش لغزیت کے نام سے دوبارہ مشرقی بنگال گیا، اور
۶۲۵ھ میں علامہ الدین خان کو یہاں کی حکومت تفویض کی، مشرقی صوبوں سے یکمونی
حاصل کر کے وہ مشرقی راج پوتانہ کی طرف متوجہ ہوا، چنانچہ ۶۲۶ھ میں قلعہ رنتھمبور اور قلعہ
سرہوئے پھر مغربی راج پوتانہ میں قلعہ منڈور ۶۲۷ھ میں فتح ہوا، اس کے بعد ۶۲۸ھ
میں سندھ پر حملہ آور ہوا اور نہ صرف اوچھ قبضہ میں آیا، بلکہ ناصر الدین قباچہ
نے پسپا ہو کر دریائے کوکر جان دے دی اور پورا علاقہ سندھ پہلی مرتبہ دلی
سلطنت کے ماتحت آ گیا۔ اس طرح بہتان سلیمان سے کوہستان کھاسی داسام
تک اور ہمالہ سے بندھیا چل تک وسیع رقبہ مرکزی سلطنت دہلی کی عمل داری میں آ گیا، اسی
طرح اس نے ۶۲۹ھ میں گوالیار اور ۶۳۰ھ میں مالوہ اور قلعہ بھیلوا پر اور ۶۳۱ھ
میں جین پر فتور حاصل کیا اس طرح سلطنت دہلی کے جنوبی حدود دریائے نرہہ تک
وسیع ہو گئے۔

غرض اشمش بہتان میں ایک عظیم تر سلطنت کا بانی بنا اس زمانہ کی رسم کے مطابق اس
کے نام بہرستان کی شہنشاہی کا پرودہ دربار خلانت بغداد سے بھی آ گیا، گویا شہنشاہیت
سے خدا بطورے ساتھ سلطنت غزنی سے اس کے جدا گانہ وجود کی مزید تصدیق ہو گئی۔
اشمش نے ۶۳۱ھ میں دفات پائی اور قطب صاحب کی مسجد کے پہلو میں دفن کیا گیا
اخلاق و عادات اشمش نیک خواہ اور عدل پرور تھا، انصاف کے لیے خاص
دور میں مظلوموں کی فریاد سنتا، فریادیوں کو رنگین کپڑے پہن کر دربار میں آنے
کی ہر ہمت تھی۔ اس کی ناگہانی حادثوں کے لیے رنجیز شکائی گئی تھی کہ اس کو اطلاع

دی جاسکے، وہ صاحب علم و فضل اور علماء و ماہرین فن کا قد و وزن اور دیندار و متجدد گمراہ اور صاحب زہد و ورع تھا، اور نچائے آہستہ کی خدمت میں حاضر رہنے کو سعادت کو نین سمجھتا تھا۔

التمش کا عہد حکومت | التمش کے طویل دور حکمرانی میں ہندوستان کی سلطنت کے خوانین شمشیر کے آئینہ کے لیے جو کوششیں عمل میں آئیں، ان سے اس کا اور اس کے خاندان کا امتیازی وقار قائم ہو گیا، ملک و خوانین اس کے جان نثار بن گئے، یہاں تک کہ ۲۹ء میں "خوانین شمشیر" کے نام سے ایک جماعت کی تاسیس عمل میں آئی جس کو زمانہ حال کی اصطلاح میں دارالامرا کہا جاسکتا ہے، لیکن اس کے اختیارات دارالامرا سے زیادہ وسیع بلکہ موجودہ زمانہ کے لیمسلیٹر کے دیوان عام کے اختیارات کے مانند تھے اقتدار اعلیٰ جو التمش کے ہاتھوں میں تھا، اس کے استعمال کا حق رفتہ رفتہ اسی مجلس "خوانین شمشیر" کے ہاتھوں میں آ گیا تھا، التمش کے بعد یہی خوانین سلاطین کے عزل و نصب کے مختار بن گئے، وہ سلاطین کے انتخاب میں التمش کے خاندان یا اس کے مولیٰ رازدار کردہ غلام اس کے انتخاب کا لحاظ رکھتے تھے، اور اسی مناسبت سے بعض مورخین نے ان خوانین شمشیر کے قائم کئے ہوئے سلاطین شمشیر کے نام سے موسوم کیا ہے۔

وزراء | اس عہد کے ممتاز اہل علم منصب وزارت پر مامور کئے گئے تھے۔ وزارت عظمیٰ کے منصب پر نظام الملک توام الدین محمد بن ابوسعید جنیدی سرفراز تھے جن کے سامنے خلیفہ بغداد کا قلمدان وزارت بھی رہ چکا تھا، وہ شمس میں منصب وزارت پر سرفراز اور التمش کے پورے دور حکومت میں اس منصب پر مامور رہا، اس کے بعد اس نے رکن الدین فیروز شاہ کی حمایت کی اور اس کے خاتمہ کے بعد وہ بھی سیاست سے کنارہ کش ہو گیا، اسی طرح مولانا تاج الدین دہلوی صاحب دیوان رسائل (انچارج سکرٹریٹ) تھے بعض مونیوں پر قصائد بھی لکھے ہیں، بہار الملک تاج الدین حسن بن احمد شعری مقتدر ۶۲۳ھ جو سلطان ناصر الدین قباچہ کے وزراء میں تھا، اس کے زوال کے بعد التمش کے دربار میں دولت سے وابستہ ہوا، وہ اپنے دور کے ممتاز اہل علم میں شمار کیا جاتا تھا، رکن الدین فیروز شاہ

کے دور میں وزارت کے منصب پر مامور کیا گیا، اسی طرح عین الملک فخر الدین حسین بن احمد اشعری سلطان ناصر الدین قباچہ کے دربار میں ^{۶۲۵ھ} ۱۲۲۵ء سے ^{۶۲۸ھ} ۱۲۲۸ء تک منصب وزارت پر فائز رہا اس کی موت کے بعد وہ بھی التمش کے دامن دولت سے وابستہ ہوا اس نے اس کو رکن الدین فیروز شاہ کا اتالیق مقرر کیا اور اس کے عہد میں وزارت کے منصب پر مامور رہا۔

شیخ الاسلام | اس عہد میں شیخ الاسلامی کے منصب پر مولانا جلال الدین سرخراز تھے، ان کی وزارت کے بعد مولانا نجم الدین صفری سرخراز کئے گئے پھر کچھ عرصے کے لیے بعض اعمال کی بنا پر سلطان کے عتاب میں آئے اور حضرت بہار الدین زکریا ملتانی کو یہ منصب پیش کیا گیا۔

قضاۃ | التمش کے عہد کے ممتاز قضاۃ میں قاضی سعد الدین کروری، قاضی حمید الدین ناگوری، قاضی نصیر الدین معروف بہ کاسہ لیس، قاضی جلال الدین قاضی کبیر الدین اور قاضی قطب الدین کا شانی متوفی ^{۶۳۳ھ} ۱۲۳۳ء وغیرہ تھے **علماء و فضلاء** | اس دور کے ممتاز علماء و فضلاء میں ارباب مسند درس و اکمال

اساتذہ میں مولانا شرف الدین ابوقوام حنفی دہلی، جن کے حلقہ درس میں شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری بھی رہ چکے تھے، شیخ علی بن حامد کوئی شیخ فخر الدین عمید ٹوٹکی جن کے بہترین فقہاء بھی التمش کی شان میں ہیں اور ملا جلال اللہ وغیرہ تھے، اسی طرح اس عہد کے ممتاز ارباب علم میں محمد بن محمد عوفی کا نام شہرت عام رکھتا ہے، اس نے اپنی مشہور کتاب لال الالباب، ناصر الدین قباچہ کے عہد میں وزیر عین الملک کے لیے تصنیف کی، جو تب بمبویل کی طرف سے عبد الوہاب تزدینی کی تصحیح و تفسیر کے ساتھ چھپ چکی ہے، پھر اس نے التمش کے دربار میں پہنچ کر وزیر نظام الملک جنیدی کے نام اپنی دوسری مشہور کتاب جوامع الحکایات و لوامع الروایات معنون کی، اس کے دیباچہ میں التمش اور نظام الملک کے نام سے انتساب کرنے کا ذکر آیا ہے

حلقہ الزجاء اصل فارسی نثر ہے نہ عربی نہیں ہے، مگر کثرت سے نسخے موجود ہیں (بقیہ حاشیہ ۱۴۳ھ)

اسی طرح عونی نے قاضی تنوخی متوفی ۱۰۳۲ھ کی الفرج بعد الشدة کو عربی سے فارسی میں منتقل کیا، ۵۔

شعراء | التمش کے عہد کے ممتاز شعراء بہاؤ الدولہ علی بن احمد حاجی کو تلمیذ حاصل تھا، وہ صاحب سیف امراء میں سے تھا، حاجی نگر کا قلعہ فتح کیا تھا، اس کے چل کر التمش نے اس کو بدایوں کا امیر (داد مجسٹریٹ) مقرر کر دیا تھا۔

مشائخ | اس عہد کے اکابر مشائخ طریقت میں سے حضرت مخدوم خواجہ سید قطب الدین بختیار کاکی متوفی ۱۰۳۲ھ سے التمش کو غیر معمولی عقیدت تھی، التمش کے پورے دور میں حضرت کے وجود گرامی سے روحانی فیوض و برکات کا حشر شہہ رہا، اور خشیتِ سرستی سے پورا ہندوستان سرشار رہا۔

حضرت خواجہ بختیار کاکی مادراء النہر کے قصبہ اوش میں پیدا ہوئے ڈیڑھ سال کی عمر میں سائے پوری سرے اٹھ گیا، والدہ کے دہن تربیت میں پرورش پائی، پانچ سال کی عمر میں مدرسہ میں داخل کئے گئے، شیخ ابوخص اوشی سے علوم کی تحصیل کی اور ۸ سال کی عمر میں حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی سے دستِ بیعت ہوئے اور اس عہد کے اکابر مشائخ حضرت شیخ اشيوخ شہاب الدین سہروردی، شیخ ابوحد الدین کرمانی شیخ برہان الدین چشتی، اور شیخ محمود صفہانی کے مدبر و حضرت خواجہ معین الدین نے انھیں اپنا فرقہ خلافت عطا فرمایا، کچھ دنوں کے بعد جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہندستان تشریف لائے تو انھوں نے بھی شوق دیدار میں ہندستان کا سفر اختیار کیا۔

پہلی منزل لٹمان میں قرار پائی۔ یہاں حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کا حلقہ صحبت قائم تھا، حضرت جلال الدین تبریزی بھی ان دنوں یہیں تشریف فرما تھے، حضرت قطب الدین

(تقریباً صفحہ ۱۴۲) ذکر کر نظام الدین نے اس پر اپنی محققانہ کتاب لکھی ہو جو بک میردلی کی طرف سے چھپ چکی ہو، اور فارسی متن کا چیدہ حکایتوں کا اردو ترجمہ دو جلدوں میں انجمن ترقی اردو کی طرف سے اختر شیرانی کے علم سے منتقل ہو کر چھپ چکا ہو، فارسی متن کا ایک نسخہ دارالمصنفین کے کتب خانہ میں بھی موجود ہو، سلطانِ مراٹھ حکم سے حیا کرکشف الغنوں میں ذکر کیا ہو، ابن عرب شاہ متوفی ۱۰۳۲ھ نے اس کو ترکی زبان میں منتقل کیا، پھر کاشی متوفی ۱۰۳۲ھ سلطان محمد غیاث کے لیے ابوالفتح بن جلال الدین متوفی ۱۰۳۲ھ سلطان بایزید کے لیے ترجمہ کر کے کئے، نیز محمد بن اسد شہرستان نے اس کا کتاب تیار کیا۔

بھی کچھ دنوں یہاں قیام فرما رہی، پھر دہلی تشریف لائے۔ حضرت خواجہ اجمیری نے انہیں دہلی ہی میں قیام رکھنے کا حکم عطا فرمایا، اور یہاں ان کے فیوض و برکات کا سرخرو جاری ہو گیا، خود سلطان اتمش کو ان سے غیر معمولی عقیدت پیدا ہو گئی، اس نے ہفتہ میں دو مرتبہ حضرت کی خدمت میں حاضری دیتا اپنا معمول بنالیا، اور ان کے فیض صحبت سے بہرہ اندوز ہوتا رہا، حضرت کی طرف سلطان اتمش کے غیر معمولی رجحان کو دیکھ کر اس عہد کے شیخ الاسلام نجم الدین صفری کو ان سے شکوہ پیدا ہوا۔ حضرت خواجہ اجمیری دو مرتبہ اجمیر سے اس عہد میں دہلی تشریف لائے اور جب مولانا نجم الدین صفری نے حضرت خواجہ اجمیری سے حضرت قطب الدین کا شکوہ کیا اور حضرت نے انہیں دہلی سے روانہ ہونے کا حکم فرمایا، تو سارا تو فی فرط عقیدت سے حضرت کے نقش قدم کی خاک پاک کو اٹھا اٹھا کر سڑوں پر رکھنے لگا، حضرت خواجہ نے اہل دلی کی عقیدت دیکھ کر یہیں قیام رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی کہ ایک دلی مینی شیخ الاسلام نجم الدین صفری کو خوش کرنے کے لیے اتنے دلوں کو دکھایا نہیں جاسکتا، حضرت خواجہ اجمیری کے اس فیصلہ سے سلطان اتمش کو بھی سکون خاطر حاصل ہوا، دہلی میں خلق خدا بردوارہ ان کے گرد اکٹھا ہوئی اس کی مثال اس سے پہلے نہیں گزری تھی۔ حضرت پر وجہ دستری کا کیف طاری ہوتا تھا، وفات کا سانحہ بھی اسی سلسلہ میں پیش آیا، قوال ایک غزل گارہا تھا اس شعر پر پہنچا۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگجرات
تو حضرت پر وجد طاری ہوا، تین دن تک یہ کیفیت جاری رہی، قوال بھی شعر کو دہراتا رہا، یہاں تک کہ دہل بقت ہوئے۔

حضرت کی طرف دو کتابیں منسوب ہیں ایک تو ان کا فارسی دیوان ہے، دوسری فوائد السالکین کے نام سے ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کو ان کے خلیفہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے جمع کیا ہے۔

شیخ نور الدین مبارک بن عبد اللہ حسینی غزنوی، سلطان شہاب الدین غوری

کے وقت سے صاحب ثنات مشائخ میں سے تھے۔ غزنی میں پیدا ہوئے اور اپنے امین شیخ عبدالواحد بن شہاب احمد غزنوی سے تحصیل کی، پھر بغداد کا سفر کیا حضرت سہروردی سے فیض حاصل کیا، سلطان شہاب الدین غوری اپنی لڑائیوں میں جانے سے پہلے ان سے دعا کا طالب ہوتا تھا، اس نے شیخ الاسلامی کے منصب پر انھیں سرفراز کیا، یہ غزنی میں مقیم تھے، پھر ہندوستان تشریف لے آئے۔ سلطان اتمش ان کی غیر معمولی تنظیم کرتا۔ صدر مجلس میں بٹھاتا، دست بوسی کرتا اور اپنی مہموں میں ان سے دعاؤں کا طالب ہوتا تھا۔ ۷۳۳ھ میں انھوں نے وفات پائی۔ اور حوض شمس سے مشرق میں قدیم دہلی میں مدفون ہوئے (۲۰۲)

اس دور کے ممتاز مشائخ میں حضرت بہار الدین زکریا ملتانی کا درجہ بہت بلند ہے وہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے ہم عصر تھے، ششمہ میں ملتان کے ذراچ میں پیدا ہوئے، عالم اسلامی میں علوم دین اور تصوف کے جو اہم مرکز تھے، وہاں تحصیل کتب فرمایا اور ملتان میں اقامت اختیار فرمائی۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ اور ہندوستان میں سہروردی سلسلہ کے بانیوں میں سے تھے ان کے فیض سے علم حدیث علم طریقت کی روشنی پھیلی، خصوصاً سندھ و ملتان کا علاقہ ان کے فیوض و برکات سے مالا مال تھا۔ اگرچہ ان کا قیام ناصر الدین قباچہ کے حدود حکومت میں تھا اور قباچہ و اتمش میں دیر نہ رہا۔ اختلاف قائم تھا، یہ اتمش کو حق پر تصور کرتے تھے اور ایک موقع پر جب قباچہ نے ایک سازش کا جال پھیلایا اور اتمش کو نقصان پہنچنے کا خطرہ پیدا ہوا تو حضرت قاضی شرف الدین صغہانی نے اتمش کو خط لکھ کر دینی فرض تصور کیا مگر وہ مکتوب پکڑ لیا گیا اور قباچہ نے اتمش کے بے دربار میں انھیں اور قاضی شرف الدین صغہانی کو بلوایا اور مکتوب کو قاضی صغہانی کے ہاتھ میں دے کر جواب طلب کیا، وہ خاموش رہا، قباچہ نے اسی لمحہ جلاد سے انھیں تہ تیغ کر دیا، پھر حضرت بہار الدین زکریا کی طرف متوجہ ہوا اور ان کے ہاتھ میں مکتوب کو رکھ دیا۔ حضرت نے فرمایا "میں نے اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے لکھا، اللہ صبح لکھا ہو" یہ جواب سننے ہی تھا پر زورہ طاری ہو گیا اور عزت و احترام سے انھیں رخصت کر دیا۔ اس کے بعد جب شیخ الاسلام

نجم الدین صغریٰ نے حضرت جلال الدین تبریزی پر سازش کر کے زنا کی تہمت لگائی تو سلطان آتش نے ملک کے علماء و علما کی ایک مجلس منعقد کی، حضرت بہار الدین زکریا بھی اس میں تشریف لائے اور وہی اس مقدمہ کی سماعت کے لیے حکم بنائے گئے، جب حضرت تبریزی مجلس میں تشریف لائے تو حضرت زکریا ملتانے اُنہ کو ان کا استقبال کیا اور ان کی جوتیاں ہاتھ میں اٹھائیں یہ کیفیت دیکھ کر مطربہ بہا کی عالم طاری بہا اور اس نے سازش کا پورا واقعہ مجلس میں بیان کر دیا۔ مولانا نجم الدین صغریٰ عجالت سے بیہوش ہو گئے، سلطان نے اُن کو شیخ الاسلام کے منصب سے برطرف کر دیا۔ اور حضرت بہار الدین زکریا سے اس منصب کے قبول کرنے کی استدعا کی جس کو انھوں نے قبول فرمایا۔ حضرت ۳۳۰ میں دہل بمق ہوئے۔ حضرت سید محمد بن علی حسینی بگرامی، مردم فیر قصبہ بگرام کے دہلی علم خانان کے مورث علی بھی اسی دور میں گزرے ہیں وہ صاحب سیف شائع میں سے تھے اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے مرید تھے ۳۳۱ھ میں بگرام آئے اور اس علاقہ کو فتح کیا ۳۳۲ھ میں یہاں ایک قلعہ تعمیر کیا۔ سلطان آتش نے جامعہ عطا کی ۳۳۵ھ میں وصال فرمایا شیخ محمد بن محمد زکافی، خواجہ عثمان ہارونی کے خلفاء میں سے تھے، ہندستان میں تشریف لا کر نازول میں اقامت اختیار فرمائی ایک خلق کثیر ان کے ہاتھ پر سلام لائی، ۳۳۶ھ میں وصال فرمایا (۲۲۷)

اسی طرح حضرت قاضی حمید الدین محمد بن عطاء ناگوری کا شمار بھی باکمال مشائخ طریقت میں ہو، ان کے والد حضرت عطاء سلطان شہاب الدین کی معیت میں دہلی تشریف لائے، حضرت قاضی حمید الدین ناگوری المتوفی ۳۳۳ھ میں پہلے ناگور کی قضاوت پر سفر فرما رہے تھے، پھر فیضان پور حضرت سہروردی سے بیعت کی، اور وہاں آ کر حضرت خواجہ حمید کی بارگاہ سے فیض اٹھایا اور آتش کے دور میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی معیت میں دہلی میں مستقل سکونت اختیار کی اور خلق خدا کو فیض یاب فرمایا، کتاب اللوائح اور کتاب طوائع الشریعہ ان کی یادگار ہیں اسی طرح اس عہد کے باکمال مشائخ طریقت میں شیخ علی بن احمد بن محمد بن

ہیں، جن کے ذریعہ حضرت خواجہ اجمیری کے واسطے کے بغیر وہ اکیلا دوسرا سلسلہ چشتیہ
ہو جو ہندوستان میں جاری ہوا، اسی طرح شیخ سلیمان بن عبد اللہ عباسی متوفی
۶۵۹ھ جو شہاب الدین سہروردی اور شیخ فرید الدین عطار کے صحبت یافتہ تھے
اور شیخ عزیز الدین لاہور متوفی ۶۱۳ھ اور شیخ صلاح الدین حسن کبھلی متوفی
۶۲۳ھ اس دور کے ممتاز اکابر مشائخ تھے۔

ان بزرگوں کا یہ فیض کرم تھا کہ یہ دور تقویٰ، خدا ترسی اور عبادت و
ریاضت کے لیے ایسا موزوں قرار پا گیا تھا، کہ سلطان وقت ہمیشہ اس ماحول
سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، اور یہ شاید عام تھا ہوں میں نہ ہو، کہ جس طرح
سلاطین کی صف میں وہ امتیاز رکھتا ہو اور اس کے عہد کے سیاسی حالات، سیاسی
تاریخوں میں ظہور پائے گئے ہیں۔ اسی طرح اولیائے کرم کے تذکروں میں بھی ان کے
پہلو بہ پہلو اس کا نام جس عقیدت کے ساتھ لکھا گیا ہو کہ وہ حضرت قلب الدین
بختیار کاکی کا مرید اور ان کا صحبت یافتہ تھا اور اس کی اس جامعیت کا تذکرہ مولفین
نے اس انداز میں کیا ہو۔

”کابھریں گویا بادشاہ تھے، مگر دل فقیر تھا، ان کا وعدہ تھا کہ کم کھاتے کم سوتے،
عام شب بے در در بجے اپنے کسی کام کے واسطے غلام اور دروہوں کو تکلیف نہ دیتے، رات
کو ڈول رتی بنگ کے نیچے رکھتے، کہ نہ تھکے اور نہ کے لیے جب اٹھیں تو خود پانی بھریا
کر کپڑوں کو سرا بے آرام نہ ہو اور اس خوش گدڑی اور طوطی شہر میں گشت کرتے۔ جس تکلیف
ہوتی اس کو رخصت کرتے، علاوہ کھانا کو بہت کچھ دیتے اور قلیوں میں بھر کر پوشیدہ ان کے
گھروں میں چھپک دیتے تھے۔“

۱۔ حیات نبوی ص ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱

سلطان رکن الدین فیروز شاہ
شعبان ۶۳۳ھ - ۶۳۴ھ
اپریل ۱۲۳۵ء - ۱۲۳۶ء

ہتمش نے اپنی زندگی میں اپنی جانشینی کے مسئلہ کو کسی قدر پیچیدہ بنا دیا تھا، عام ہول کے مطابق اس نے اپنے بیٹے فیروز کو امور مملکت میں حصہ لینے کے لیے آگے بڑھایا، ۶۳۵ھ - ۱۲۳۶ء

میں اس کو بداویوں کے صوبہ کی گورنری دی مگر اس کے طور طریقے ایسے تھے، کہ وہ اس کی نظر میں اس کی جانشینی کے لائق قرار نہ پاسکا۔

رضیہ کی جانشینی کا پس منظر | اس لیے اس نے ایک دوسرے موقع پر فیروز کی موجودگی میں گو ایار کی ہم پر جاتے ہوئے اپنی بی

رضیہ کو دہلی کی زمام حکومت سپرد کی اور وہاں اکبر وزیر اعظم تاج الملک محمود سے کہا کہ وہ رضیہ کی ولیعهدی کا اعلان کر دے، اگرچہ ترکوں میں تا مود حکمران غوثین گزر چکی تھیں، مگر ہندوستان کی روایات کا لحاظ کر کے ترک افسروں نے دہلی زبان سے اس تجویز سے اختلاف کیا مگر ہتمش نے یہ کہہ کر انہیں خاموش کر دیا کہ اس کے بیٹے فیروز میں سلطنت کا باگہاں سنبھالنے کی صلاحیت نہیں انہیں خود تجربہ ہو جائے گا کہ رضیہ بڑی دانشمندی اور تدبیر سے اس منصب کی اہلی ثابت ہوگی چنانچہ ۶۳۹ھ میں اس کی ولیعهدی کا اعلان ہو گیا اور اس کے نام کا سکہ بھی اس کی زندگی میں جاری کر دیا گیا۔ اور فیروز کو مین الملک محمود کی نگرانی میں جس نے رضیہ کی ولیعهدی کی مخالفت کی تھی، لاہور کی صوبہ داری پر بھیج دیا، اور اس طرح گویا اس کو دار السلطنت سے دور کر کے پایہ تخت کو آئندہ پیش آنے والے خطرہ سے بچایا گیا، مگر فیروز کی ماں برکٹا خاتون بھی بڑی ہوش مند ملکہ تھی، وہ فیروز کے حق ولیعهدی سے مستبزرار نہیں ہوئی اور ترک افسروں کو اپنا ہم زما بنالیا۔

رکن الدین کی تخت نشینی | چنانچہ جب ہتمش آخری مرتبہ لاہور سے واپس آیا تو فیروز کو اپنے ساتھ لیتا آیا، اس طرح اگرچہ اس کی ولیعهدی کا اعلان نہ ہو سکا، مگر یہ سکہ گویا نئے سرے سے ادب اب حکومت کی توجہ کا مرکز بن گیا، اور

جب التمش نے وفات پائی تو ملکہ ترکان خاتون اسے اپنے بیٹے کو ترک فرمادے دی کی مدد سے دہلی کے تحت پر تھانے میں کامیاب ہو گئی اور اس کا لقب رکن الدین قرار پایا۔

رکن الدین جیسا کہ التمش کو خطرہ قیامت پر بیٹھے ہی کاروبار سلطنت سے غافل ہو کر پیش و طلب میں مشغول ہو گیا، شاہی خزانے کو بیدادی سے برباد کرنے لگا، ترکان خاتون نے سلطنت کی زمام گویا اپنے ہاتھ میں لے لی، سوکوں کو ہلاک کرایا، ایک سوتیلے بیٹے کا آنکھیں سلائی پھر دوائی اور نگ میں اتر کا شروع ہوئی۔ سلطان رکن الدین کا چھوٹا بھائی خیاث الدین محمد اور دھڑکا حاکم تھا، اس نے اطاعت سے انکار کیا، لکھنؤ سے آنے والے شاہی خزانہ کو اور وہیں دمک لیا، اسی طرح بدایوں، لاہور، ملتان اور قلعہ بانسی کے صوبہ اولیٰ کی باہمی سرحد سے رکن الدین کی مخالفت کرنے کا فیصلہ کیا گیا، سلطان رکن الدین ان خود مسوں کو سزا دینے کے لیے دہلی سے نکلا ان گورنروں کی فوج مقابلہ کے لیے آئی، اس اثنا میں خود رکن الدین کی فوج کے اندر چند ممتاز ساتھیوں کو قتل کر کے دہلی لوٹ آئے، اب رضیہ نے اپنے لیے فضا ساز کار دیگھی، وہ شہادت سے منظور ہوئی کا لباس پہن کر جامع مسجد میں آئی، التمش کی مہربانیاں یاد دلایں اور کہا کہ وہ بھائی کے قصاص کے لیے اٹھی ہو ایک بھائی نے اس کے دوسرے بھائی کو مار ڈالا ہو، قصاص رکن الدین کے خلاف ہو چکی تھی، التمش کا رضیہ کو دلیر بنانا لوگوں کو یاد آیا اور انہوں نے یہ کہہ کر کہ اگر یہ بھائیوں سے بہتر ثابت ہوئی، تو تاج تخت کی یہ مالک رہے گی اس کو تخت پیش کر کے تاجدار بنا دیا، ترکان خاتون کو گھر قمار کر کے قید کر دیا گیا۔ رکن الدین نے یہ حالات سن کر دہلی کا رخ کیا تو سلطانہ رضیہ نے پیش قدمی کر کے اس کو شکست دی اور گھر قمار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا، رکن الدین فیروز صفت ۶ بیٹے آٹھ دن حکمران رہا اور ہندوستان میں پہلی مسلمان خاتون صاحب تخت و تاج بنی۔

۱۔ نریشہ ج ۱ ص ۶۸ تخریج اسلامیہ معاصر ص ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰،

سلطانہ رضیہ سلطانہ رضیہ نے مردانہ لباس پہن کر بے نقاب تخت سلطنت پر جلس کیا اور تہذیب و ہوش مندی سے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی سلطان رکن الدین کو شکست صوبائی گورنروں کے ہاتھوں ہوئی تھی، وہ بڑھتے ہوئے دہلی تک چلے آئے، اب وہ سلطان کی نامزدگی کو اپنا حق تصور کرنے لگے اور وہ دربار دہلی کے امرا کی رائے سے اتفاق نہ کر سکے اس طرح دربار سیف کے مستقل گروہ قائم ہو گئے۔ صوبہ مدین کے گروہ میں سے اودھ کے حاکم نے رضیہ کی حمایت کرنا چاہی مگر وہ گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا، سلطانہ نے شہر سے نکل کر جہاں کے کنارے خمیہ لگایا دوسری طرف ترک امرا بھی دو گروہ ہوں میں بٹ گئے۔ مگر رضیہ کے حسن تدبیر سے مخالفین کو شکست ہوئی، ان گورنروں میں سے اکثر مارے گئے اور کچھ بدپوش ہو گئے، رضیہ نے پورا تسلط قائم کر کے حکومت کے نظم و نسق پر توجہ کی، مختلف صوبوں میں گورنر بھیجے اور لکھنؤ سے دیوبند و سندھ تک کا علاقہ اس کا منبج و متقار ہو گیا:

رضیہ نے تین حال تک من و اماں کی حکمرانی کی بعض قلعے جو پہلے قبضہ ہو چکے تھے وہاں مہم بھیج کر ان پر قبضہ کیا، وہ امور جہانگیری سے بخوبی واقف تھی مردانہ لباس میں باہر نکلتی، سوار ہو کر میدان جنگ میں جاتی، گھوڑے پر سوار ہوتی، عدالت و انصاف کے لیے شیعہ تو عادلانہ فیصلے کرتی، لیکن اسلامی حکمرانین عورتوں کی بادشاہی کا رواج نہ تھا، اس کے کئی عجائبی بھی موجود تھے، اس کے خلاف شورش پیدا کرنے کے لیے بعض کوئی جہان چاچہ تھا اور بارہا ترک افسر میں سے اس کا ایک مخالف گروہ جو اگرچہ کمزور ہو چکا تھا مگر بھر بھی موجود تھا۔ اس کے دربار میں رفتہ رفتہ ایک حبشی جمال الدین یاقوت کو اقتدار حاصل ہو گیا تھا ترک ملک و امرا کو اس کا اقتدار ناگوار گزارا، وہ اگرچہ سلطنت کے سارے کام مردانہ شجاعت سے انجام دیتی تھی، مگر اس کی نوانیت بہر حال اس میں موجود تھی، اور اس کے مخالفین کے پاس اس کے خلاف بھڑکانے کے لیے یہ آسان حربہ موجود تھا، چنانچہ اندامد اس کے خلاف تحریک ہوئی، اور وہ ایک شورش بن کر اٹھی، یاقوت حبشی گرفتار کے قتل کیا گیا، اور رضیہ کو جب کہ وہ بھٹنڈہ پر فوج کشی میں مصروف تھی، خود اس کے

بہرامیوں نے سازش سے گرفتار کے بھٹندہ میں قید کر دیا اس نے بھٹندہ کے قلعہ ویر
سے شادی کی کہ وہاں سے بچے اور گھروں اور جاٹوں کی مدد سے دہلی پر حملہ کر دینے
کا کوشش کی۔ مگر کامیاب نہ ہو سکی آخر دہلی کے اطراف میں ماہ ربیع الاول ۶۳۹ھ میں قتل
کر دی گئی اس کو تین سال چند مہینے حکمرانی کا موقع مل سکا۔

معز الدین بہرام شاہ | اس وقت دہلی اور اس کے نواح میں سلطنت کے
۶۳۹ھ - ۶۴۲ھ

خلات ساز باز کرنے میں سازش کرنے والوں
کے کئی عرصہ قائم ہو گئے تھے چنانچہ رضیہ کی گرفتاری کے بعد تمش کے بیٹے بہرام شاہ
کی بادشاہی کا اعلان کیا گیا اس نے معز الدین لقب رکھا، ترک امرا اور ملک اپنی
فوجیں لے کر پائی تخت میں اطاعت کا حلف لینے کے لیے آئے اور معز الدین نے اقتدار
اعلیٰ کی کمان ان کے ہاتھوں میں دے دی اور ان کے رحم و کرم پر دہلی کے تخت کا
ہلک بنا، وزارت کی باگ دوں میں روں اختیار الدین اور مہذب الدین کے ہاتھوں میں
آگئی۔ منور الذکر نے بہرام شاہ کے اقتدار کو ہاتھ سے نہ لے سکے ہوئے دیکھ کر ان دونوں
پر خفیہ حکم کر دیا، اختیار الدین مارا گیا۔ مہذب الدین زخمی ہو کر بچ نکلا، ایک دوسرا
ملک بد الدین منقر امیر و حاجب مقرر ہوا اس نے بھی اپنے حدود سے تجاوز کر کے اور
ملکت کو اپنے ہاتھوں میں سمیٹ کر لے لیا، اس کے بعد مختلف امرا سازشوں کا جال پھینکے
میں مصروف رہی اور یکے بعد دیگرے منصب وزارت پر آئے، یہاں تک کہ ۶۳۹ھ میں جب
شاہی لشکر مغلوں کے مقابلہ کے لیے جا رہا تھا۔ منصوبہ باندھنے والوں نے اس کو بادشاہ
کے خلاف کر دیا، وہ دلی لوٹ آیا، اور شاہی محل کا محاصرہ کر لیا۔ صلح کی کوششیں ناکام
رہیں اور بہرام شاہ ماہ شعبان میں گرفتار اور ذی قعدہ ۶۳۹ھ میں قتل کر دیا گیا۔
وزارت کے منصب پر نظام الملک مستوفی بختیار محمد رہا۔

۱۲۷۰ھ قمری ص ۱۱۲، بیانات قمری ص ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹

سلطان علاء الدین مسعود | بہرام شاہ کے مخالفین میں ملک عز الدین بلبن
 کشلو خاں کو امتیاز حاصل تھا، اس نے اپنی باوثق

$$\frac{639}{1241} - \frac{430}{1240}$$

 کا اعلان کیا، مگر دوسرے ترک ملک امراء نے شاہی خاندان ہی کے کسی رکن کو تخت
 نشینی کرنے کا فیصلہ کیا اور نظر اشخاب سلطان رکن الدین کے بیٹے مسعود پر پڑی اس
 کو قید خانہ سے نکال کر علاء الدین مسعود کے لقب تخت نشین کیا گیا، ملک کشلو خاں
 نے بھی کثرت رائے کی اطاعت کی، اور اپنے دعوے سے دستبردار ہو گیا اس طرح
 ترک امراء اور ملک کی جو مختلف پارٹیاں تھیں ان کی مشترکہ حکومت قائم ہوئی، اصل
 اقتدار ان ہی کے ہاتھوں میں رہا، ملک کشلو خاں کا اعزاز حسب زیادہ کیا گیا، اور اس
 کو حمیرا مانڈو، اور تگور کے اقتدار کی حکومت سپرد کی گئی، اسی طرح مختلف ممتاز
 ملک مختلف صوبوں کے حاکم بنائے گئے، اور حکومت کی اصل باگ و سازت کے ہاتھ
 میں رہی جس میں وزارت و نیابت کے عہدوں پر مختلف پارٹیوں کے نمائندے مقرر
 تھے، اس طرح بیدار و بزماء کے ہاتھوں حکومت کا نظم و نسق خوبی سے سنبھل کر قائم
 ہو گیا۔

بلبن کا اقتدار | کچھ دنوں کے بعد مرکزی حکومت کے وزراء میں رد و بدل
 ہوا۔ وزارت عظمیٰ کا قلمدان غیاث الدین بلبن کے ہاتھوں میں آیا اس نے فوج
 کی نئی تنظیم کی، اور اب طاقت کا حشر سپہ اس کے ہاتھوں میں آ گیا، اور مرکزی
 حکومت کی بے بدی صورت حال بدل گئی، اس نے اپنی پارٹی کے معتمد لوگوں کو مختلف
 منصبوں پر مامور کیا اور مخالف طاقتوں کی سازشوں اور حزب بندی کے شاخاؤں
 کو ختم کرنے کے لیے راجپوتوں اور مغلوں کے خلاف اپنی فوجی مہیں شروع کیں
 اور حکومت کی ساری توجہ اسی طرف لگا دی، رفتہ رفتہ ترک امراء ملک کی قوت ٹوٹ
 گئی، یہاں تک کہ بلبن مغلوں کے حملہ کو کامیابی سے روک کر واپس آیا۔ تو شاہی فوج
 سلطان علاء الدین مسعود کے خلاف ہو گئی، اور سپہ سالار میں اس کو معزول کر کے
 اس کے چچا ناصر الدین محمود کو جو صوبہ بہرہنگ کا گورنر تھا، بلا کر تخت پر بٹھا دیا گیا

سلطان علاء الدین کی مغزولی کا موجب تلاش کرنے میں اس کی عقل و فراست و اخلاق کو داغدار کیا گیا، مگر یہ بیان منہاج سراج صاحب طبقات ناصری کا ہے، جو بلین کے عہد میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور تھا اور اس کے علیحدہ ہونے کے بعد علیحدہ کیا گیا۔ اور برسر اقتدار آنے کے بعد نئے سرے سے اس عہدے پر سرفراز کیا گیا تھا، پھر یہ سمجھا کہ چار سال تک سلامت روی سے حکمرانی کرتا رہا اور پھر ایسے زمانہ میں کہ اس کے عہد میں مغلوں کو غزیاں شکست ہوئی پھر اس کی مدوش میں اچانک ایسی تبدیلی آگئی کہ اس کی مغزولی ضروری قرار پائی، باور کرنا عقل سے بعید ہو بلکہ حقیقت یہ ہو کہ اس دور میں امراء کی کش مکش میں طرح جاری تھی، اس میں ایسے حکمران کا صاحب تاج تخت رہنا جو دوسرے امراء کے زیرِ اذخرفان و دغا کی کرچکا ہو بلین کے کامل اقتدار کے لیے بڑا ہی نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔ اس لیے بلین نے ایک نئے تاجدار کی ضرورت محسوس کی اور وہ ناصر الدین محمود کے ذریعہ سے پوری ہوئی۔

علاء الدین محمود کا عہد حکومت | سلطان علاء الدین محمود لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور اخلاق سے پیش آتا تھا، عدل و انصاف اور داد و دہش میں شہرت حاصل تھی، وزیرِ اعظم نظام الملک مستوفی ^{۶۳۶ھ} میں قتل کیا گیا تو سلطان محمود نے صدر الملک نجم الدین ابوبکر کو اس منصب پر مامور کیا جو اس کے آخود و حکومت تک اس خدمت پر مامور رہا۔

سلطان ناصر الدین محمود | ناصر الدین محمود نے بلین کو حجابِ عظمیٰ کے منصب پر برقرار رکھا اور "ایغ خاں" کے خطاب سے

سرفراز کیا، اور حکومت کا اقتدار حوں کا توں بلین کے ہاتھوں میں رہا، اس نے ^{۶۴۶ھ} میں سلطان کی بہن سے شادی کر لی جس سے اس کے اعزاز میں مزید ترقی ہوئی اور اس نے نائیبِ مملکت کے عہدہ پر اپنے بھائی کٹلو خاں کو مامور کیا اور اسی طرح مختلف عہدوں پر اور منصبوں پر اپنے آدمی مقرر کر دیے، ترک امراء بلین کی حکمت علیہ تھا کہ

غافل نہ تھے، وہ بھی اپنی ریشہ و انیوں میں مصروف رہے، ان دنوں ایک نئی قوت
 عماد الدین ریکانی کی سرکردگی میں ابھری، یہ ہندوستانی مسلمان تھا۔ ترکوں نے اس عظیم
 ہندی نو مسلم افسر کے ذریعہ سے جو پہلے بلین کے معتمدین میں سے تھا۔ اس کے عقائد
 مروجہ لگایا، اور سلطان ناصر الدین محمد نے ایک دن اچانک ^{۱۵۳۳} بلین میں بلین
 کے حجابت کے عہدہ سے معزول ہونے اور عماد الدین ریکانی کے مقرر کیے جانے
 کا فرمان نافذ کیا، اور بلین کو اس کی جاگیر قطعہ ہانسی میں چلے جانے کا حکم صادر
 ہو گیا، ریکانی نے برسرِ اقتدار آتے ہی اہم منصبوں سے بلین کے آدمیوں کو معزول
 کر کے اپنے آدمی مقرر کیے، اور اپنا اقتدار قائم کرنے میں مصروف ہو گیا۔

لیکن بلین نے بایہ تخت سے نکل کر اپنی حکمت عملی سے ان ترک افسروں کو اپنا ہمنوا
 بنایا، جو مختلف صوبوں کے حاکم تھے، امدان کا متحدہ لشکر کوئٹہ کر کے دلی آیا، اور
 سلطان کو اپنی اطاعت کا یقین دلا کر عماد الدین ریکانی کو معزول کرنے کا مطالبہ
 پیش کیا، چنانچہ سلطان نے فوجی طاقت کے آگے سب ڈالی، عماد الدین ریکانی کو معزول
 کر کے بلین کو نئے سرے سے حاجب مقرر کیا اور ریکانی کو پچھلے بدایوں پھر بہرائچ
 بھیج دیا گیا، بلین نے رمضان ^{۶۵۲} میں وزارتِ عظمیٰ کا قلمدان نئے سرے
 سے سنبھال لیا۔

پھر آگے چل کر سلطان ناصر الدین محمد نے بلین کو اپنا نائب مقرر کیا اور کہا میں
 تجھے اپنا نائب بناتا ہوں، اور امورِ سلطنت سونپتا ہوں، کوئی ایسا کام نہ کرنا کہ کل خدا
 کے حضور میں مجھے اور تجھے دونوں کو شرمندہ ہونا پڑے بلین نے اپنے پرانے آدمیوں
 کو دوبارہ مقرر کر دیا، چنانچہ صدر الملک نجم الدین پھر وزارت کے منصب پر آگے ^{۶۵۵} لڑکھڑکھ
 تک اس عہدہ پر فائز رہی۔

اب سلطان شاہی محل میں شاہانہ شان و شکست سے بیٹھ چکا تھا اور لوگوں کی نگاہوں
 سے اسی طرح اوجھل ہو گیا، جیسے کہ اندلس میں خلیفہ ہشام اموی کو منصور و علوی نے شاہی
 محل میں بٹھا دیا تھا، یہاں تک کہ دلی کے ایک تاجر نے سلطان کی خدمت میں بادیا ب ہونے

کے لیے کثیر دولت بچاؤ کرنا چاہی، مگر اس کو حضور کا شرف نہ مل سکا، بلین سلطنت کے سپاہ و سپید کا اندر اس کے حاجب احمد عامری کی طرح مالک تھا، اس لیے سلطان محمد کی حکمرانی کا زمانہ اگرچہ میں سال تک رہا مگر اس عہد کی سیاسیات کی پوری تاریخ گویا بلین ہی کی حکمرانی کی تاریخ ہے۔

لیکن امرا کی پارٹی بندی کا سلسلہ پھر بھی ختم نہیں ہوا، ۶۵۶ھ تک کا زمانہ بھارتوں کے فرو کرنے میں گزرا، احمد الدین ریکلی نے بھی بغاوت کی اور قتل کیا گیا اسی طرح مرکز میں سیاسی مہل سے خاندہ اٹھا کر حاکم بنگال فخر لغمان خاں نے گویا اپنی خود مختاری قائم کر لی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر کڑا مانک پور اور اودھ کے بعض علاقہ پر قبضہ کر لیا یہ گویا مرکزی حکومت کے لیے اس کی طرف سے ایک مستقل چیلنج تھا، بلین نے اودھ کے گورنر تمر خاں کو اشارہ کیا اور ایسے موقع سے کہ اڑیسہ کی غیر مسلم ریاست حاجی نگر سے طغان خاں شکست کھا کر واپس جا رہا تھا کہ تمر خاں ۶۳۲ھ میں پایہ تخت لکھنؤ میں داخل ہو گیا، پھر ۶۳۴ھ میں تمر خاں اور طغان خاں کی وفات کے بعد ازبک خاں نے خود مختاری کا اعلان کیا۔ یہاں تک کہ ۶۵۶ھ میں اورسلان خاں حاکم کڑا نے اچانک حملہ آور ہو کر بنگال پر قبضہ کر لیا، اسی طرح اودھ، سندھ، پنجاب میں مقامی حالات پیش آتے گئے، بلین نے دوبارہ قلعہ ان وذاوت سبھال ان سب صوبوں کی سیاسیات پر عبور حاصل کیا اور یکے بعد دیگر اپنا اقتدار قائم کیا۔

اسی طرح ۶۳۵ھ سے ۶۶۳ھ تک کے زمانے میں مختلف غیر مسلم طاقتوں نے حاجی نگر، بہار و غنویں اپنی سلطوت قائم رکھی اور اس کو ترقی دینے کی کوشش کی بہار میں مسلمان حکمرانوں کے اثرات شاہ آباد، پٹنہ، مونگیر اور بھگل پور وغیرہ میں قائم ہوئے تھے لیکن جنوبی بہار میں بودھ گیا، رہتاس گڑھ وغیرہ کا وسیع علاقہ غیر مسلم حکمرانوں کے قبضہ میں تھا اور موہج پاران کی تانتین مسلم علاقوں پر جاری تھیں۔ چنانچہ تاج الدین سنجر کربت خاں بہار میں مارا گیا، لیکن بلین کے

زمانہ تک ۶۶۳ھ میں ہمارے دوبارہ مسلمانوں کے اقتدار میں آگیا تھا۔ اور غیر مسلم طاقتیں کمزور پڑ گئیں اور گویا بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آجکا تھا، چنانچہ ۶۶۶ھ میں گیا کے امیر صنف کی سفارت تصنیف میں بلبن کا نام حکمران کی حیثیت سے آیا ہے۔ تیرہویں صدی میں گیا کو دوسرے مذہبی مقاموں کا طرح ترکوں کے اقتدار سے نکلنے کی کوشش کی گئی، مگر کامیابی نہ ہو سکی۔ ترکی حکومت کے اقتدار اعلیٰ کو یہاں کے وہ راجہ بھی قبول کرنے پر مجبور ہوئے جو خود مختاری سے حکومت کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تھے، اسی طرح ریوا، کانہر وغیرہ میں راجپوتوں نے سر اٹھایا، مگر وہ بھی کوئی بڑی کامیابی حاصل نہ کر سکے اگرچہ بدل کھنڈ اور بعض جزوی قلعوں پر ان کا قبضہ ۶۵۲ھ سے ۶۶۶ھ تک برقرار رہا۔ اسی طرح گوالیار، ترہا، مالوہ، گجرات، مارواڑ وغیرہ کے بعض علاقوں پھر اودھ میں قلعہ داروں وغیرہ میں خود مختار حکومتیں ایک مختصر مدت کے لیے قائم ہوئیں، بلبن نے ان مسلم و غیر مسلم ابھرنے والی طاقتوں کو اپنی نیابت کے زمانہ میں یا آگے چل کر اپنی بادشاہی کے زمانہ میں زیر کر لیا، اس طرح بلبن اپنے دور کا ایک کامیاب حکمران تھا۔

سلطان ناصر الدین محمود نے ۱۲ جمادی الاولیٰ ۶۶۳ھ میں وفات پائی، اس کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، کہ جانشینی کا دعویٰ کرتی، ترک امراء التمش کے زمانے سے جس طرح جانشینی کا فیصلہ کرتے آئے تھے، اسی اصول کے مطابق بلبن نے اپنے کو مستحق سمجھا، اختیارات تو اس کے ہاتھ میں تھے ہی، اس نے بادشاہ کی وفات کے بعد تاج پوشی کی رسم بھی انجام دے لی،

بلبن سلطان غیاث الدین کے لقب سے تخت

پر بیٹھن ہوا تھا، وہ اسی ترکی قبیلہ البری کا ایک فرد تھا جس سے سلطان التمش کا نسلی تعلق تھا،

سلطان غیاث الدین بلبن

۶۶۳ھ - ۶۸۵ھ

قیمت نے اس کو جمال الدین کے ہاتھوں ۶۸۳ھ میں التمش کے دربار میں پہنچا دیا

تھا، ابتدائی خدمت کے بعد رضیہ کے عہد میں امیر خکا رہنا، رفتہ رفتہ ترقی کر کے

تھا، ابتدائی خدمت کے بعد رضیہ کے عہد میں امیر خکا رہنا، رفتہ رفتہ ترقی کر کے

نائب سلطنت قرار پایا، وہ اگرچہ اس خاندان کا خانہ ساز غلام تھا مگر ہم نسل ہونے کی وجہ سے شمس خاندان سے اس رشتہ داری آسانی سے قائم ہو گئی، اور اپنی زندگی کے مختلف دوروں میں آگے بڑھتا ہوا تختِ دہلی کا مالک بنا، اہمیش نے دہلی سلطنت کی داغ بیل ڈالی تھی، اور یہ بلین ہی کے حصہ میں تھا، کہ وہ اس سلطنت کو علی التکام اور ترقی کے عروج پر پہنچائے۔

اس نے تخت نشینی کے بعد سلطنت کے وقار کو قائم کرنے کے لیے سب سے پہلے فوج کو نئے سرے سے منظم کیا، علی عہدوں اور منصبوں میں اپنی پسند کے آدمیوں میں رد و بدل کیا، پایہ تخت کے قریب کے ان جنگلوں کو جہاں سرکش کین گاہیں بناتے ہیں، صاف کیا، پایہ تخت کے قلعہ سے فارغ ہو کر وہ دو آبہ اور او دھویں آیا، اور سارے علاقہ کو کئی فوجی کمان میں تقسیم کیا، اسی طرح اس نے مختلف دوسرے مقاموں میں جنگلوں سے گزر کر سرکیں نکالیں، اور پھر موقع موقع سے سرکشوں کو سزا میں بھی دیں ان حفاظتِ تقدم کی تدابیر سے ملک میں امن و امان پیدا ہوا، اور لوگ زندگی کے مختلف کاموں کا شکار اور صنعت و حرفت وغیرہ میں امن و سکون سے لگ گئے۔

اس کے ساتھ اس نے اپنی حکومت کی داخلی حکمت عملی میں بھی نمایاں تبدیلی کی، اس نے سوچا کہ جب تک مغل غزنی پر قابض ہیں اور ہندستان پر حملہ آور ہونے کی طاقت ان میں موجود ہے، اس وقت تک ہندستان کے چھوٹے بڑے جو بھی اس وقت تک خود مختار رہیں انہیں زیر کرنا اور ان سے لڑائی مول لینا صحیح نہ ہوگا، اس لیے صرف اس علاقہ کو اپنے زیر حکومت رکھا، جو پنجاب سے لکھنؤ تک اس کے قبضہ میں موجود تھا،

بنگال کی بغاوت | سلطان علاء الدین کے زمانہ میں بنگال میں طغنا خاں کے بعد ملک قراچیک تیمور خاں پھر ۶۵۵ھ میں ملک جلال الدین پھر ۶۵۶ھ میں اسلا خاں اور اس کی وفات کے بعد تاتا رخاں یاں کے والی کیجے بعد ویگوسے ہوئے، بلین نے اپنے دور حکومت کے آغاز میں اس کو برقرار رکھا پھر ۶۶۵ھ اور بہ روایت ۶۶۳ھ میں اس کو مرکز کی خدمات کے لیے بلالیا، اور اپنے ایک غلام طفل خاں کو یہاں کی گورنری

سپر کی اس نے قوت بہم پہنچا کر جامع نگر پر فوج کشی کر کے بے شمار دولت حاصل کی اس اثنا میں ملتان پر مغلوں کے حملے شروع ہو گئے، پھر سلطان کی علالت کی خبر موت کی افواہ میں بدل کر مشہور ہو گئی، اور مرکز کی حکومت نے ہندوستان کے خود مختار حکمرانوں سے عجیب و غریب جاری نہ رکھنے کا بھی فیصلہ کیا تھا، اس سبب سے طغرل خاں میں خود مختاری کا حوصلہ پیدا ہوا، اس نے سلطان مغیث الدین کے لقب سے اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا سلطان حمید الدین کے لیے یہ اطلاع غیر متوقع تھی اس نے اور وہ کے گورنر محمد امین کو فوج کشی کا حکم دیا، اس نے شکست کھائی، تو ملک ترمین کی کامد کیا، اس کو بھی ہزیمت ہوئی اور کچھ لوگ طغرل سے مل گئے تو سلطان انہیں پیر اور سالی کا خیال دکر کے خود کمر ہمت جست کہہ کے اٹھ کھڑا ہوا، وہ لڑنے لگا اس کے ہنر کا بھائی بہت سے سخت بارش میں بھی سفر جاری رکھا، لکھنؤ کی جگہ قریب پہنچا تو طغرل خان فرار ہو گیا سلطان نے کہا جب تک طغرل خاں کی گونگ فٹاری عمل میں نہ آجائے وہ واپس نہ ہوگا۔ اس پاس کے غیر مسلم جاگیرداروں نے بھی اس کی تلاش میں مدد دی، اتفاق سے سلطان فوج کے ایک ہر اول دستہ نے اس کا ٹھکانہ طغرل کو دیکھ لیا اور وہ فرار ہوا، تو تیر کا نشانہ لگا کر گھرا یا اور سر کاٹ کر سلطان کے پاس لے آیا، سلطان نے لکھنؤ کی کے بازار میں دو روپیہ سوئیاں نصب کر آئیں اور باغی سرداروں اور طغرل کا ساتھ دینے والوں کو منظر عام پر سولی پر لٹکایا، پھر لکھنؤ کی ولایت اپنے بیٹے نغز خاں محمود کو سپرد کی اور مصیبت کی، کہ وہ دہلی کے بادشاہ کا ہمیشہ تابع فرمان رہو، چاہے بلیٹا دہلی کو کوئی بیچا نہ ہو یا اس کا رشتہ دار، کیونکہ لکھنؤ کا ملک کتنے ہی فاصلہ پر ہو وہ دلی کے مصنافات میں ہمیشہ داخل رہو گا اس کے بعد دہلی واپس چلا گیا۔

اسی زمانہ میں شاہزادہ محمد ملتان سے آیا تو اس کی دلیہد کی کا اعلان کیا، اور پھر اس کو مغلوں کی خبر رکھنے کے لیے سرحد پر واپس کر دیا، کیونکہ سرحد کی حفاظت اہم ترین مسائل میں سے تھی اس لیے کہ ملتان اس وقت ایشیا پر چھائے تھے، بڑی بڑی اسلامی سلطنتوں کو تباہ و برباد کر چکے تھے، ہندوستان کی سمت بھی وہ آتے، گئے تھے

کی آبدار تلواری نے ان کا منہ موڑ دیا۔ ہندستان کی سرزمین کو منگولوں کی پامالی سے بچانے میں بلین کے اہم خدمات تھے،

منگولوں کا تعلق ہندستان سے | جس زمانہ میں ہندستان میں سلطان ایش

کا ستارہ اقبال عروج پر تھا، وسط ایشیا کے میدانوں کا غمانہ بدوش قبیلہ منگول چنگیز خاں کی سالاری میں اٹھا، اور خوارزمی سلطنت کی ہیٹ سے اینٹ بجا دی۔ ۱۲۱۹ء میں خوارزم کا بادشاہ جلال الدین بھاگ کر دریائے سندھ کے کنارے آیا چنگیز خاں سے یہاں محرم ہوا، پھر وہ شکست کھا کر دہلی میں پناہ گزیں ہو گیا، پھر ملتان اور اچھ سے گزر کر ہندستان سے نکل گیا، اس کے بعد غلوں کی مستقل یورش کا سلسلہ جاری ہوا

۶۳۹ھ میں وہ لاہور تک آ گئے اور اس کو تباہ کیا، اس طرح ان میں پنجاب کی ملکیت کا دعویٰ پیدا ہو گیا، وہ اپنے حملے کرتے رہے، چنانچہ ۶۵۰ھ میں بلین نے ملتان کو ان کے حملے سے بچالیا، اور باوجودیکہ یہ خوشخوار قوم سارے ایشیا میں تہلکہ مچائے تھی مگر ہندستان کی سلطنت کو بلین کے مضبوط ہاتھوں میں دیکھ کر ہلا کو خاں کو اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا پڑا، چنانچہ ۶۵۶ھ میں اس کے سفیر ہندستان میں آئے، بلین نے ان کا ایسے ترسک و احتشام سے استقبال کیا، کہ منگولوں کی نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں، اگرچہ اس سوتانہ سفارت کا کوئی پائدار اثر نہیں نکلا، مگر انہیں اس کا حوصلہ نہ ہو سکا کہ وہ دہلی کے تخت پر

بھی نگاہ ڈال سکیں، با این ہمہ وہ پنجاب دعویٰ سے دست بردار نہیں ہوئے اور اس پیش قدمی کے کرتے رہے، غیاث الدین بلین نے شاہزادہ محمد کو مقابلہ کے لیے متعین کر دیا تھا، وہ ۶۶۲ھ میں جب کہ سندھ و ملتان کا امیر تھا، غلوں سے ایک لڑائی میں کام آ گیا، بالوچ ہندوستانی لشکر نے غلوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ یہ فتنہ اگرچہ کچھ دنوں کے لیے دب گیا، مگر پنجاب میں اس کی چنگاری کسی دکی طرح سلگتی رہی،

وفات اور جانشینی | سلطان غیاث الدین کے لیے اس نوجوان بیٹے کی جس کی ولید

کا اعلان بھی کر چکا تھا، موت کا حادثہ ایسا سخت تھا کہ وہ برداشت نہ کر سکا، اور وہ اس کے بچے جان پرانا مات ہو گیا۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد وہ مرض موت میں مبتلا ہوا، بغیر خاں

باپ کی عیادت کے لیے، سلطان نے بغرا خاں کو اجنبانچاشین بنانا چاہا مگر وہ بنگال کی پرامن سلطنت پر دہلی کے تخت کو ترجیح نہ دے سکا، غیاث الدین کو اس کا نفوس ہوا، اور اس نے منقول شاہزادہ محمد کے بیٹے کینسرو کی ولیعهدی کا اعلان کیا، مگر غیاث الدین کی وفات کے بعد وزیراء کے اشارے سے کینسرو اپنے تخت سے ہٹا دیا گیا، اور بغرا خاں کے بیٹے معز الدین قیتبا کو تخت پر بٹھایا گیا۔

۱۲۸۹

اس کی تخت نشینی معنی امر کی سازشوں سے عمل میں آئی تھی، انہی نے کیمبر کو قریب دے کر سندھ کی طرف بھگا دیا اور اپنے اثر و اقتدار کے لیے اس نو عمر کو تخت نشین کیا دوسرے مقتدر امرا اربعین کی وصیت کے پورے نہ ہونے کی وجہ سے اس کے مخالف رہے، مگر سلطنت کا کوئی دعوے دار موجود نہ تھا، اس لیے سب نے جبر واکراہ سے اطاعت کر لی۔

کیتبا دھن امرا کے ہاتھوں تخت سلطنت پر بیٹھا، وہ قدرتی طور پر صاحب اقتدار ہو گئے اور مختلف عہدوں میں رد و بدل ہوا۔ یوں تو وزارت و نیابت سب ہی عہدوں پر مختلف لوگ مامور کئے گئے، مگر اصل طاقت ملک الامرا و فخر الدین کو توالی کے داماد ملک نظام الدین کے ہاتھوں میں آ گئی، جو دوا بگی کے عہدہ پر مامور تھا اس نے سلطان کا اعتماد حاصل کر لیا، اور پوری طرح اس کو قابو میں کر لیا اس کی بیوی شایہی محل میں پہنچ گئی اور سلطان کی منہ بولی ماں بن کر اندرون خانہ کے انتظام کو ہاتھ میں لے لیا، رفتہ رفتہ اس کو خود صاحب تخت و تاج ہو جانے کا خیالی پیدا ہو گیا، ملک فخر الدین کو توالی نے اس کو اس ارادہ سے باز رکھنا چاہا مگر وہ اپنی دھن میں لگا رہا، سلطان کو پیش و عشرت کی راہ پر لگا دیا، اور

[illegible]

بیٹے کے قدموں کے نیچے آگیا ہو، اور وہ میرے باپ کی جگہ بیٹھا ہو، دہلی کے تخت کی عزت سلاطین دیا کرتے آئے ہیں، میں بھی اس کا احترام ملحوظ رکھوں گا، اور دہلی ہی حاضری دوں گا جیسے شہنشاہ کے دربار میں پہنچا جاتا ہو، بغراخان کی اس تحریر کے بعد ملک نظام الدین کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ حیدر جونی سے کام لے کر ان دونوں کی ملاقات کو مزید "معروض التواہم" ڈال سکتا، چنانچہ شہنشاہ کے دربار میں بنگالی کے ایسے حاکم کو جو اپنے نام کا سکہ و خطبہ بھی جاری کرنے کی جرأت کر چکا تھا، حاضری کی اجازت عطا ہوئی اور وہ دریائے سرسوج کو عبور کر کے شاہی خیمہ میں حاضری دینے کے لیے گیا اور دربار میں پہنچ کر اپنی اسی حیثیت کو ملحوظ رکھ کر شاہی مراسم ادا کرنا اور حسب دستور زمین بوس ہوتا آہستہ خرامی سے سلطان کے درپردہ بڑھتا گیا، اُدھر "نگاہ درپردہ" سلطان جہاں پناہ کی صداچہ بدار نے لگائی، اور "لکھوتی کے گناہ" کا رکوان "کی آواز بھی بلند کی گئی، بغراخان تخت کے سامنے پہنچ کر مودب کھڑا ہو گیا، اور کعباد شاہانہ جاہ و نکلت سے تخت پر بیٹھ گیا، بغراخان اس نظارہ کی تاب زیادہ دیر تک نہ لاسکا، اور وہیں بھوٹ بھوٹ کر رونے لگا، اب بیٹے کے لیے بھی اپنے آپ کو نبھائے رکھنا دشوار ہو گیا، تخت سے اترا اور لپک کر باپ کے قدموں پر سر رکھ دیا، باپ نے اٹھا کر گلے سے لگایا، اور دونوں دل بھر کر روئے، اور اس منظر سے سائے درباریوں پر رقت و گریہ طاری ہو گیا،

اس کے بعد مختلف نشستوں میں باپ نے بیٹے کو نصیحتیں کیں، اور سلطنت کے نشیب و فراز سمجھانے اور اخلاق اور دیواری کے درس کی تلقین کی، اس کی نصیحتوں کو مورخین نے قلم بند کیا ہو، ملک نظام الدین اور ملک قوام الدین کو ساتھ بلا کر بھی سلطنت کے متعلق مختلف باتیں سمجھائیں، پھر علیحدہ طریقہ سے نظام الدین کو جو شیار رہنے کی تلقین کی، بغراخان کو بیٹے سے ولی تعلق تھا، وہ سلطنت کے شیرازہ کشے بھی قائم رکھنے کا خواہش مند تھا، مگر حالات و قرآن سے اس کو اندازہ ہو چکا تھا کہ دہلی کا تخت اس کے خاندان سے نکلتا ہو، اس نے واپسی کے بعد اپنے رفیقوں سے کہا۔

یہ مہر سے سخت جگر سے میری آخری ملاقات ہو ، وہی کے رقت آمیز منظر کا نقشہ
 بھی مورخین نے کھینچا ہو ، کیتباد باپ کی نصیحتوں سے کسی قدر متاثر ہوا ، سفر کی وہی
 میں چند منزلوں تک اس نے شرابیوں بی ، عیش و عشرت کی زندگی بھی ترک کر دی ،
 مگر ملک نظام الدین نے حسین عورتوں کے بھرٹ کو پیش کر کے آخر بھر اس نے اس کو اسی اور
 بے لگا دیا ،

ملک نظام الدین کا زوال لیکن نظام الدین کے متعلق بفرخاں نے اس سے جو کچھ
 کہا تھا ، وہ اس کے دل نشین ہو چکا تھا ، وہی پہونچنے
 کے کچھ دنوں کے بعد اس کو باپ کی بات یاد آئی ، اس نے نظام الدین کو کچھ روکی جگہ
 ملتان کی گورنری پر جانے کو کہا وہ اصل مقصد سمجھ گیا ، اور حیلہ جوئی سے وہی ہی میں ٹھہرا
 رہا ، کیتباد نے زہر دلو کر اس کا کام تمام کر دیا ، اس کے بعد ایک ضلعی امیر ملک
 فیروز کو اس نے حجابت کے عہدہ پر مامور کیا ، مگر خود اس کی عادتیں جو گہرے جکی تھیں ،
 وہ درست نہیں ہوئیں ، رفتہ رفتہ ملک فیروز ضلعی کے اقتدار میں اضافہ ہوتا گیا ،
 اس کے ساتھ کیتباد کی غیر محتاط زندگی سے اس کی صحت بھی بگڑ چکی تھی ، وہ دفعۃً لغو
 اور فالج میں مبتلا ہوا ، اور قتل و حرکت سے بھی معذور ہو گیا ،

نئے تاجدار کا سوال اب دربار کے امراء کے سامنے دہلی کے آئندہ تاج دار کا سوال
 تھا ، وہ بھر دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ، ایک طرف ملک
 فیروز کی سیادت میں غلجی تھے ، یہ بہادر لوہیں چلے آئے ، دوسرا گروہ ملک اتیم سر خا
 کی سرکردگی میں ترکوں کا تھا ، وہ کیتباد کے سہ سالہ بچے کیورٹ کو شاہی محل سے نکال کر
 چوتہ ناصری کے میدان میں چلے آئے ، اور ان دونوں گروہوں میں اقتدار علیٰ کو ہاتھ
 میں لینے کے لیے کش مکش شروع ہو گئی ،

شمس الدین کیورٹ ملک اتیم سر خانے کیورٹ کی تاج پوشی کی رسم انجام
 دی ، اور شمس الدین لقب دیا ، تین مہینے کے بعد
 غلیوں نے لڑکوں کا غاصرہ کر کے کیورٹ کو چھین لیا

۱۲۸۹ ۱۲۹۰

شیخ برہان لمی، شیخ سراج الدین سجری اور شیخ نجم الدین مثنیٰ وغیرہ کی مجلسوں اور حلقہ درس میں جانے اور علمی فیوض سے بہرہ اندوز ہونے کا وقت بھی نکالتا تھا، اس کی اس علمی و کچپی سے اس عہد میں علماء و فضلا کی منزلت بڑھی اور علوم کی اشاعت کے مواقع پیدا ہوئے، اس کے زمانے کو "خبر الاصرار" کہا گیا ہی، اس دور میں بڑے بڑے اکابر صلحائے امت و مشائخ موجود تھے، اور ان کی خدمت میں حاضر ہونے کو وہ اپنی سوادت تصور کرتا تھا۔

نیز شاہی خانوادہ کے دوسرے ارکان بھی علم و فضل و صلاح و تقویٰ کے قدردان تھے، سلطان غیاث الدین نے اپنے بیٹے شاہزادہ محمد کو اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آہستہ کیا تھا، وہ علوم و فنون اور علماء و صلحا کا قدردان تھا، امیر خسرو اور میر حسن اس کے دامن دولت سے وابستہ تھے، ان کے علمی کمالات اسی دور میں نمایاں ہو چکے تھے۔ اس نے شیخ سعدی شیرازی کو دومرتبہ کثیر عطایا بھیج کر ملتان آنے کی دعوت دی کہ وہ ان کے لیے خانقاہ تعمیر کرائے گا اور جاگیریں وقف کرے گا، مگر شیخ نے ہر مرتبہ اپنی پیرائے سالی کی وجہ سے مزدوری طاہر کی، فن و افتاد شعری بھی اس کو کامل مہارت حاصل تھی، امیر خسرو نے اس کا پرورد مرثیہ لکھا ہی جو اہل علم میں شہرت رکھتا ہے۔

سلطان غیاث الدین کا بھتیجا امیر علاؤ الدین محمد بن کشتی خاں دہلوی علم و فضل کی قدردانی میں اپنے دور میں بے مثال سمجھا جاتا تھا اس کی داد و پیش کی شہرت سن کر عراق، عرب، مصر، شام، و تارسے لوگ اس کے در دولت پر آتے اور کاروان لے کر جاتے تھے۔

سلطان غیاث الدین کا دوسرا بیٹا ناصر الدین محمود معروف بہ بغرا خاں بھی علم و فضل کی قدردانی میں شہرت رکھتا تھا، ناصر الدین محمود اور عز الدین کیکاؤ کی تاریخی ملاقات جو دریا کے کنارے ہوئی تھی، امیر خسرو کا قرآن السعدین اس کا آئینہ دار ہے بغرا خاں نے ۷۹۱ھ میں وفات پائی اس دور کے حسب ذیل ممتاز اعیان، نقباء

علماء و دانشوران معینین، اور باب خیر و صلاح خاص طور پر لائق ذکر ہیں۔

قضاۃ و صدر جہاں | صدر جہاں یا قاضی مایک کے عہدہ پر ملک کے نامور دینی

مامور کئے جاتے تھے، چنانچہ طبقات ناصری کے مشہور مصنف قاضی ابو عمر عثمان بن محمد

جو زجانی معروف بہ منہاج سراج اس منصب پر ۶۵۳ھ تک مختلف زمانوں میں سرکار

رہی، منہاج کا تعلق دہلی کی سلطنت سے آتش کے زمانہ میں پیدا ہوا، وہ ۵۹۹ھ

میں پیدا ہوئے، تحصیل علوم کے بعد ۶۲۲ھ میں اچھ میں آئے، ناصر الدین قباچہ نے

مدرسہ فیروزہ میں درس و تدریس اور اس کے لڑکے بہرام شاہ نے قضا و عسکر کے

منصب پر مامور کیا ۶۲۵ھ میں سلطان آتش نے گوالیار کے امور شرعیہ کا حاکم، قاضی

خطیب اور امام مقرر کیا، ۶۳۵ھ تک یہاں خدمت انجام دیتے رہی، سلطانہ رضیہ

کے زمانے میں وہ دلی آئے تو سلطانہ نے مدرسہ ناصریہ دہلی کے اوقات کا دالی مقرر کیا

اور گوالیار کی قضاوت کا منصب بہ ستر قائم رہا، پھر بہرام شاہ نے دار السلطنت دہلی

کا قاضی مقرر کیا، ۶۴۱ھ تک وہ اس خدمت پر مامور رہی، مسعود شاہ کے زمانہ

میں وہ دہلی سے لکھنؤ آئے، ظفر طغان نے عزت و احترام سے جگہ دی وہ

سال کے بعد پھر دہلی واپس آئے اور ۶۴۲ھ میں ملبن نائب سلطنت نے گوالیار

کی قضاوت و خطابت پر دوبارہ مامور کیا۔ پھر اسی سال مدرسہ ناصریہ دہلی کا سابق

عہدہ بھی انھیں مل گیا، پھر ۶۵۲ھ میں صدر جہاں کے منصب پر مامور کئے گئے۔

ان کی تصنیفات کا سلسلہ ۶۴۵ھ سے شروع ہوا، سب سے پہلے آتش

کا رزم نامہ ”ناصری نامہ“ کے نام سے لکھا، ملبن نے تدریسی سے ان کا

حوصلہ بڑھایا اور رفتہ رفتہ مختلف جاگیریں عطا ہوئیں، قاضی منہاج فقہ، اصول سیر

تاریخ، اور شعر میں دستگاہ رکھتے تھے، تصوف کا بھی ذائقہ تھا، حضرت تھاکر اللہ

ادلیا کے دربار میں حاضری دیتے تھے، آتش کی شان میں متعدد قصیدے بھی ہیں۔

طبقات ناصری ۲۳ جلدوں میں لکھی، طبقات ناصری کے نام سے بحال ایشیا تک سوائی

نے ۶۵۲ھ میں جو جلد شائع کی تھی وہ اصل کتاب کی انیسویں سے کیسویں جلد تک پر مشتمل تھی۔

میں عمدہ تقاضا پر مامور تھے۔ سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی نے انھیں وہابی سے علیحدہ کر کے بدایوں کی قصارت پر مامور کر دیا، اور یہی ملوک سلاطین کے دور کے آخری کاغذی تھے۔

ممتاز اہل علم امام رضی الدین حسن بن محمد صفحانی اس دور کے ان مشاہیر اہل علم میں سے ہیں، جن پر عالم اسلامی کو ناز تھا، وہ سترہ برس میں لاہور میں پیدا ہوئے ہیں نشوونما پائی، اپنے والد شیخ محمد بن حسن صفحانی سے علوم کی تحصیل کی اور ارباب فضل میں شمار کئے گئے، سلطان قطب الدین ایبک نے قصارت پیش کی مگر علوم کی تکمیل پیش نظر تھی، عمدہ قبول نہیں کیا، لاہور سے غزنی گئے کچھ دنوں وہاں درس و تدریس کی خدمات انجام دی۔ پھر اس دور میں عالم اسلام میں علم و فن کے جو اہم مرکز تھے، اور جہاں ممتاز شیوخ علم کی مسند درس کبھی ہوئی تھی، وہاں پہنچے اور علم و عرفان کی دلت سے مالامال ہوئے، سترہ برس میں خلیفہ الناصر الدین التمر عباسی نے خلعت سے نوازا اور سترہ برس میں اپنا فرمان دے کر سلطان تمس الدین لکھنوی کی خدمت میں بھیجا ہندوستان پہنچ کر انھوں نے یہیں متقل جو دربارش اختیار کر لی۔

اس کے بعد سترہ برس میں وہ بھرج کے لیے تشریف لے گئے۔ اور عالم اسلام میں علوم کی خدمت انجام دیتے رہے۔ پھر خلیفہ المستنصر عباسی کی نگاہ انتخاب بھی ان ہی پر پڑی اس نے ان کو سلطانہ نصیب کے پاس سفیر بنا کر بھیجا، اور یہاں وہ دوبارہ قیام فرما کر اس کے بعد سترہ برس میں وہ پھر بغداد تشریف لے گئے اور وہیں وفات پائی اور ابتدائے وہابی مدون ہوئے، پھر بیست کے مطابق لاش مکہ منظم لے جای گئی اور وہی ان کا ابدی خواب گاہ بنا۔

علامہ صفحانی علوم حدیث، فقہ اور لغت کے امام تھے، عالم اسلام کے جلیل القدر علماء و مصنفین نے ان علوم میں ان کے علو کے مرتبت کا عقیدت کے ساتھ اعتراف کیا ہے شیخ شرف الدین دمیاطی، محمود بن عمر ہروی، ابن صباغ، برہان الدین محمود بن

اسد بلخی وغیرہ ان کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں، ان ہی علوم میں ان کی بہت سی جلیل القدر تصنیفات ہیں، علم حدیث میں ان کی شہرہ آفاق تصنیف مشرقِ اقصیٰ کی ضیاء پاشیوں سے ہندستان کے گوشہ گوشہ میں علم حدیث کی روشنی پہنچی، عالم اسلام کی ممتاز اہل علم نے اس کی بہ کثرت شرحیں لکھیں، جن کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے، حدیث میں ان کی دوسری تصنیف مصباح الحجۃ فی حدیث المصطفیٰ اند الثمیں المنیرہ وغیرہ ہیں، اسی طرح فنِ لغت میں العیاب الزخراء مجمع البحرین النوادر فی اللغۃ و التراکیب وغیرہ کو عام شہرت حاصل ہوئی، اسی طرح حدیث، فقہ اور لغت میں ان کی دیگر تصنیفات ہیں۔

مولانا شہاب الدین بدایونی اس عہد کے ممتاز افاضل میں تھے، اسیر خسر و نے ان کی شان میں قصائد لکھے ہیں۔ شیخ ضیاء الدین نجفی ان کے تلامذہ میں سے تھے۔ شیخ اسحق بن علی بخاری اس عہد کے ممتاز اہل علم صوفیہ میں سے تھے وہ شیخ منہاج الدین علی بن اسحق بخاری کے صاحبزادے تھے، دہلی میں پیدا ہوئے وہیں نشوونما پائی، مدرسہ معزیہ میں ایک مدت تک درس و تدریس کی خدمت انجام دی، شیخ فرید الدین سود گنج شکر سے بیعت کی، انھوں نے خرقہ خلافت بھی عطا کیا، مختلف علوم میں دستگاہ رکھتے تھے۔ "اسرار الاولیاء" کے نام سے اپنے شیخ کے ملفوظات جمع کئے تھے، علم صرف میں ایک منظوم رسالہ بھی لکھا، ۷۹۱ھ میں وفات پائی۔

علامہ برہان الدین محمود بن ابوالخیر اسد بلخی اپنے دور کے افاضل روزگار میں سے تھے کہا جاتا ہے کہ نحو، لغت، فقہ، حدیث، اور علوم عقلی میں ان کے زلفہ میں ہندستان میں ان سے بڑا عالم کوئی دوسرا نہ تھا، فقہ کی تفصیل ہابیہ کے مصنف شیخ برہان الدین مرغینانی سے کی، حدیث امام صفحانی صاحب مشرق اللوار سے پڑھی، اسی کے بعد ہندستان وارد ہوئے اور غیر معمولی عزت و اکرام سے

ان کی پیرائی ہوئی، سلطان غیاث الدین ان کا احترام کرتا، اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض اٹھاتا تھا، شیخہ میں وفات پائی، دہلی میں حوض شمس کے قریب دفن کئے گئے۔

علامہ نجم الدین عبد العزیز بن محمد دمشقی دہلوی علوم عقلیہ کے ماہرین میں سے تھے امام فخر الدین رازی سے علوم کی تکمیل کی، اس کے بعد ہندستان وارد ہوئے اور یہاں کے ملوک و اُمراء نے ان کے درود کو مغتنم سمجھا، سلطان غیاث الدین ہر جمعہ ان کی خدمت اور ان کی صحبت سے حظ اٹھاتا تھا۔

مولانا شمس الدین خوارزمی سلطان غیاث الدین کے عہد کے ممتاز اساتذہ میں سے تھے، سلطان نے شمس الملک کا لقب عطا کیا، حضرت نظام الدین اولیا رطب الدین ناقلہ اور شیخ برہان الدین عبد الباقی وغیرہ جیسے اکابر ان کے تلامذہ میں سے تھے۔

مولانا برہان الدین بزار حنفی دہلوی دہلی کے ممتاز فقہار میں سے تھے، درس و تدریس کا مشغلہ جاری تھا، غیاث الدین ملین عزت و اکرام سے پیش آتا تھا۔

مولانا برہان الدین نسفی بھی دہلی کے فقہار میں تھے، مسند درس کبھی ہوتی تھی جب کوئی طالب علم آتا تو اس سے تین اقرار لیتے تھے، اول یہ کہ شب و روز میں صرف ایک مرتبہ کھائے گا۔ درس میں کسی دن بھی تاخیر سے نہ پہنچے گا۔ اگر اس کے خلاف ہو تو پھر اس کو کبھی درس میں بیٹھنے کا حق نہ ہو گا۔ تیسرے یہ کہ اثنائے راہ میں بجز سلام مسنون کے تعلیم کا کوئی اور طریقہ ان کے ساتھ اختیار نہیں کرے گا۔ بڑے بڑے علما و شائخ ان کے حلقہ درس سے فیض یاب ہوئے۔

حکیم حسام الدین مارکلی عہد ملین میں دارالسلطنت کے ممتاز اطباء میں سے تھے، تدریس کا مشغلہ بھی جاری تھا۔

شیخ ابو بکر بن یوسف سجری دہلی کے ممتاز اساتذہ میں سے تھے، غیاث الدین ملین بڑی عزت کرتا، اور ہر جمعہ کو سناؤ کے بعد ان کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا۔

سید صدر الدین محمد بن سندھی اپنے عہد کے ممتاز علماء میں تھے، ^{۶۶۹ھ} بیسویں
میں وفات پائی۔ بھکر میں مدفون ہوئے۔

اسی طرح اس دور کے ممتاز علماء، فقہار، محدثین میں شیخ کمال الدین احمد محب

محدث متوفی ^{۶۷۱ھ} قاضی رفیع الدین محذور فی فقہیہ (نہ ہستہ انخواطر ۱۱۵۵ھ) قاضی کلکتہ

سامانی فقہیہ (۱۵۵ھ) مولانا زین الدین بدایونی (نہ ہستہ انخواطر ۱۱۶۰ھ) مولانا

سراج الدین ترمذی (۱۶۱ھ) مولانا سدید الدین دہلوی فقہیہ (۱۶۱ھ) مولانا

شرف الدین دالوالی فقہیہ (۱۶۳ھ) قاضی ظہیر الدین دہلوی فقہیہ (۱۷۱ھ) قاضی کمال الدین

جغفری صاحب کتاب لغوی فی الفقہ (۲۰۱ھ) شیخ محمد الدین بن ظہیر الدین لاہوری صاحب

نکسائیف مشہورہ (۲۰۲ھ) شیخ یعقوب بن احمد نیرانی متوفی ^{۶۷۵ھ} (۲۳۹ھ) وغیرہ

تھے جو اپنے زمانہ میں اپنی اپنی سند و رس کھیلے تھے اور ان کے وجود سے علم کا عام فیض

جاری تھا۔

مشائخ | اس دور کو اکابر شاخ میں سے حضرت خواجہ فرید الدین عسکری بن سلیمان

اجودھنی معروف بہ گنج شکر کے وجود و گرامی سے شرف حاصل تھا وہ حضرت خواجہ

بختیار کاکی علیہ الرحمہ کے اجل خلفاء میں سے تھے ضلع ملتان کے قصبہ کھنول میں پیدا

ہوئے یہیں نشوونما پائی، اور ملتان میں تعلیم کی تکمیل فرمائی، حضرت بہار الدین زکریا

ملتان سے فیض یاب ہوئے، یہیں حضرت بختیار کاکی سے شرف نیا حاصل ہوا، فرید

تعلیم کا ہدایت پا کر قندھار، سیستان، بدخشان، اور نجد اور تشریف لے گئے، حضرت

شہاب الدین سہروردی، شیخ سیف الدین باختری، شیخ سعد الدین حموی سے فیض

حاصل کیا، دہلی کے بعد دہلی میں حضرت کاکی کی خدمت میں اقامت اختیار فرمائی اور

مجاہدہ دریا ضمت میں مصروف ہوئے، حضرت خواجہ حمیری نے فیض بخشا، اور حضرت

کاکی نے دستار خلافت سر پہ باندھی، پھر شیخ کے حکم کے مطابق بانسی تشریف لے گئے

اور وہیں بارہ سال قیام فرمایا جب خلاق کا ہجوم بڑھا، تو اجودھن چلے گئے

اور وہیں کو اپنا مستقر بنایا، خوارق عادات و کمالات کثرت سے منقول ہوئے، دنیا

اور اس کی دولت و ثروت سے بے نیاز رہی، سلطان علاء الدین محمود آپ کی خدمت میں باریاب ہوا، بلین کے توسط سے چند گانوں کی معافی کا پروانہ دیا۔ حضرت نے قبول کرنے سے انکار فرمایا، بلین جو آگے چل کر سلطان غیاث الدین ہوا، کی بیٹی حضرت کے عقد نکاح میں تھی اور سرپرستہ کی پرورش کے بعد بھی خانقاہ میں حاضری دیتا رہا، مگر حضرت کی شان استغناء میں کبھی فرق نہ آیا، ایک مرتبہ کبھی شخص نے سفارش کے لیے مجبور کیا تو حضرت نے غیاث الدین کو حسب ذیل تحریر لکھ بھیجی۔

”میں نے اس کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا، پھر تمہارے سامنے لایا ہوں۔ اگر تم نے اس کو عطا کیا، تو عطا فرمانے والا وہی اللہ تعالیٰ

ہوگا اور تمہارا شکریہ ادا ہوگا، اور اگر تم نے اس کو کچھ نہیں دیا، تو روکنے والا وہی اللہ تعالیٰ اور تم معذور سمجھے جاؤ گے۔“

حضرت کے خلفاء میں حضرت نظام الدین محمد بدایونی مقبب بہ نظام الدین اولیاء حضرت علاء الدین علی صاحب کلیری، حضرت جمال الدین خطیب ہانوی اور حضرت بد الدین اسحق دہلوی تھے، حضرت نظام الدین اولیاء نے حضرت سے ترانہ مجید کے ۶ پارے اور کتاب العوارف اور کتاب التہذیب کی قرأت کی تھی، ان خلفاء میں سے حضرت نظام الدین نے حضرت گنج شکر کے ملفوظات راختہ القلوب کے نام سے اور حضرت بدر الدین اسحق دہلوی نے سیر الاولیاء کے نام سے جمع کئے تھے، حضرت گنج شکر نے ۹۵ سال کی عمر میں ۶۶۴ھ میں وصال فرمایا،

شیخ ابوالموید نظام الدین بن جمال الدین غزنوی بھی حضرت بختیار کاکی کے مرید تھے، حضرت نظام الدین اولیاء ان کی مجلس وعظ میں شرکت کرتے اور ان کے پُر اثر وعظ کے مداح تھے، ۶۷۲ھ میں وفات پائی۔

شیخ جمال الدین احمد بن محمد ہانوی متوفی ۶۵۹ھ، حضرت گنج شکر کے ممتاز خلفاء میں تھے، حضرت شیخ فرماتے ہیں ”اجمال جمالی“ فارسی میں ایک دیوان یا دگاہ چھوڑا (نہ ہستہ انواریہ ۱۲۲)

حضرت خواجہ علاء الدین علی بن احمد صابرقدرس سرہ حضرت گنج شکر کے محبوب خلیفہ تھے، وہ ۹۲ھ میں بمقام گنجہ پیدا ہوئے، اور شیخ کی خدمت میں تعلیم و تربیت پائی اور حضرت گنج شکر کے اجل خلفاء میں شمار کئے گئے اور حضرت کے توسط سے چشتی سلسلہ کو پورے ملک میں عام مقبولیت حاصل ہوئی کہا جاتا ہے کہ ان پر کبھی شان جلالی کا غلبہ طاری ہوتا تھا ابتداً انھیں شیخ نے دہلی میں اقامت اختیار کرنے کا اجازت نامہ عطا کیا لیکن ہدایت کی کہ پہلے جمال الدین کو اسے دکھالینا۔ وہ ہانسی تشریف لائے، اجازت نامہ ان کے ہاتھ میں دیا اور تھوڑی دیر انتظار کر کے نصرت چاہی، شیخ جمال الدین نے کہا دہلی کے لیے بردبار صاحب ولایت چاہیے، تم ایک لمحہ کے لیے ٹھہر نہیں سکتے، انھوں نے کچھ شان استغنا سے جواب دیا تو شیخ جمال الدین نے برہم ہو کر اجازت نامہ کو چاک کر کے پارہ پارہ کر دیا، انھوں نے جلال میں آ کر کہا کہ اسی طرح آپ کا سلسلہ بھی پارہ پارہ ہو جائے گا۔ چنانچہ شیخ جمال الدین کا سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا۔ حضرت خواجہ علاء الدین ہانسی سے لوٹ کر پھر حضرت گنج شکر کی خدمت میں واپس آئے اور اقمہ سنایا، تو حضرت گنج شکر نے فرمایا جمال الدین نے جس کو ٹکڑے کر دیا ہو میں اس کو جوڑ نہیں سکتا اور دہلی کے بجائے کلیر جانے کی ہدایت کی چنانچہ ۹۵ھ میں کلیر تشریف لے گئے اور وہیں اقامت اختیار کی اور ان کے توسط سے سلسلہ چشتیہ کا عام فیض جاری ہوا اور جب عام شہرہ ہو تو خلافت اطراف ہند سے جوق در جوق آ کر فیض اٹھانے لگی ۹۹ھ میں واصل بحق ہوئے، حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی تہی حضرت کے ممتاز خلیفہ تھے

شیخ بدر الدین اسحق بن علی بھاری دہلوی حضرت گنج شکر کے ارشد خلفاء میں سے تھے ان سے حضرت غایت الفت رکھتے تھے، اور اپنے قرب سے علیحدہ کرنا گوارا نہیں فرمایا ۹۹ھ میں اجودھن میں واصل بحق ہوئے۔

حضرت نظام الدین محمد بن احمد بدایونی معروف بہ محبوب اکھی حضرت نظام الدین اولیا قدرس سرہ حضرت گنج شکر کے وہ ممتاز خلیفہ ہیں جن کے توسط سے چشتی نظامی سلسلہ

کی پورے ملک میں اشاعت ہوئی، حضرت محبوب الہیؒ میں بدایوں میں پیدا ہوئے پانچ سال کی عمر میں والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والدہ محترمہ کی آغوش میں تربیت پائی، شیخ علاء الدین ہولوی سے فقہ، اصول اور دوسرے دینی علوم کی تحصیل کی، ۵۰ سال کی عمر میں دہلی تشریف لائے اور یہاں کے اساتذہ شمس الدین خوارزمی کمال الدین مارہٹلی وغیرہ سے تحصیل علم کی تکمیل فرمائی۔ پھر ۶۵۵ھ میں دہلی تشریف لائے اور یہیں اقامت کی اجازت عطا کی گئی اور رشد و ہدایت کا فیض جاری ہو گیا، یہ ملوک سلاطین کا آخری دور تھا حضرت کا قیام غیاث پور میں تھا، معز الدین کی قیادت نے اس کے قریب کیلو کھری میٹا ہی محل تعمیر کرایا، دربار کے قریب ہونے کی وجہ سے امرارو اکابر کی آمد و رفت یہاں شروع ہوئی، اس اثنا میں علمی سلطنت کا آغاز ہوا۔ اور حضرت کے فیض و برکات کا یہ سلسلہ اس دور میں جاری رہا، سلاطین و امرارے سر نیاز ختم کیا اور اپنی طرف حضرت کی نگاہ کرم منعطف کرانے کو ابدی سعادت تصور کیا، حضرت کی تصنیفات میں فوائد القواد، فضل القوائد اور راحۃ المجین ہیں ۶۲۵ھ میں واصل بحق ہوئے۔

حضرت شیخ صدر الدین عارف حضرت بہار الدین ذکر یامقانی کے صاحبزادے اور جانشین تھے سلاطین غیاث الدین کے بیٹے شاہزادہ محمد کو ان سے عقیدت تھی، ان کی مجلس میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ ۶۸۳ھ میں وفات پائی۔

شیخ ابوعلی شرف الدین قلندر اس عہد کے ممتاز علماء و مشائخ میں سے تھے ۶۵۵ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے، اکابر علماء سے علوم کی تحصیل کی، عالم اسلامی کی سیاحت فرما کر صلواتِ است کے فیض سے بہرہ اندوز ہوئے حضرت شمس الدین جبریزی اور جلال اللہ رومی سے ختم حاصل کیا، تیس سال تک درس و افادہ کی خدمت انجام دی مگر موتی کا عالم طاقا ہوا، اندر خود عزت رکھتی رہا، ان کی تصنیفات میں حکمت نامہ اور چند دیگر رسائل نقد

ہیں، ۶۸۳ھ میں واصل بحق ہوئے۔

شیخ نجیب الدین بن سلمان مٹول حضرت گنج شکر کے خلفا میں سے تھے، ۶۶۹ھ میں
دہلی میں وفات پائی۔

شیخ حسین بن علی بخاری حضرت زکریا ملتانی کے مرید تھے اور بھکر میں مقیم
سکونت رکھتے تھے ۶۹۵ھ میں وفات پائی۔

مولانا شیخ شرف الدین عراقی جو حضرت شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے
۶۸۷ھ میں وفات پائی۔

اسی طرح اس دور میں ممتاز صوفیہ و مشائخ میں شیخ عبدالرشید کشتلی متوفی ۶۳۸ھ

(نزهت الخواطر ص ۱۷۱) شیخ خواجہ عزیز کشمی بدایونی فقیہ و صوفی متوفی ۶۶۶ھ (۱۷۸)

سید محمد شجاعت مکی متوفی ۶۶۶ھ شیخ بدر الدین محمد بن محمد سندھی متوفی ۶۸۸ھ بھکر

(ص ۲۲۳) سید عساکر الدین محمد بن محمد بھکری متوفی ۶۶۹ھ (۲۲۶) شیخ نور الدین

لاری متوفی ۶۹۵ھ (۷۳۸) وغیرہ کے وجود گرامی سے رشد و ہدایت کا عام فیض

طاری تھا۔

— — — — —

ملوک سلاطین کا دور حکومت

ملوک سلاطین کے خاتمہ پر دہلی سلطنت کے سلاطین کے سلسلہ کا خاتمہ ہوا جن کا آغاز سلطان شہاب الدین غوری سے ہوا تھا، کہ اسی کے غلام درغلام تاجدار بن کر تخت نشین ہوتے گئے، اس کے ساتھ سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کے ہاتھوں سے ہندوستان کو زیر نگین کرنے کی جو مہم شروع ہوئی تھی وہ بھی اسی دور میں پایہ تکمیل کو پہنچ گئی۔

ہندوستان پر مسلمانوں کے غزنوی اور غوری کشور کاروں کے ہندوستان پر حملہ آوروں کے محرکات ہونے کے محرکات کیا تھے، ہیں اس پر بھی ایک نظر ڈال لینا چاہیے، عام طریقہ سے محمود کی بیشکنی کے جذبہ کو شہرت دی گئی ہو۔ مگر یہ تمام یورپ کے مورخین کے ذہن کی پیداوار ہو ان نو مسلم ترکوں میں اس قسم کے کسی جذبہ کے بجائے دراصل اس زمانہ کی سماجی زندگی کے وہ مطالبے تھے جو بلندی اور نام آوری حاصل کرنے کے لیے فوجی طاقتیں مہیا کر کے سپہ سالار ایک ملک سے دوسرے ملک میں جایا کرتے تھے۔ ہندوستان کی دولت کی شہرت عام تھی، اس میں بھی ایک خاص قسم کی کشش موجود تھی، ان قبائل میں اپنی نوآبادیاں قائم کرنے کا جذبہ بھی پایا جاتا تھا، وہ اپنے بڑے بڑے جوگوں کے ساتھ نکل جاتے تھے اور جہاں سہسہری نظر آتی تھی، وہاں ڈیرے ڈال دیتے تھے، محمود نے ہندوستان کو خاص طور پر رہنے کے لیے پسند کیا تھا، لیکن وہ یہاں اقامت اختیار نہ کر سکا۔

مسلمانوں کو ان کی مذہبی کے سلاطین دہلی کے زمانہ میں جن حکمرانوں کے ہاتھوں عام شعبوں میں عمومی آزادی میں تلوار تھی انھیں اس پر اتنا بھروسہ تھا کہ انھوں نے ہندوستان کے پرانے پہنچے والوں کو ہٹا کرنے کا کبھی قصد نہیں کیا، یہاں انھوں نے قانون کی طرح جاری کرنے کی ضرورت کبھی محسوس نہیں کی، نہ مسلمانوں کو عام اجازت تھی

کردہ ہتھیار بند رہیں، اور اپنی مرضی کے مطابق جرگے تیار کریں، ان کی سماجی، معاشرتی و اپنی زندگی سے بھی کوئی تعرض نہیں کیا جاتا تھا، انھیں ہر قسم کی پوری آزادی حاصل تھی انھیں اپنی اقتصادی و معاشی زندگی حاصل کرنے کے پورے مواقع دیے گئے تھے، اور اسی زمانہ میں وہ حکومت کے شعبوں سے بھی کہیں کہیں وابستہ ہونے لگے تھے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کی حیثیت | درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، اگر ہندوستان پر حملہ آور عربی میں کوئی دینی جذبہ کارفرما ہوتا تو وہ یہاں کی سلطنت کی بنیاد اسلامی اصول و شرائع پر قائم کرتے، اگرچہ بعض نے اس سلطنت کو خاص اسلامی سلطنت، لکھا ہے جس کی بنیاد شرعی احکام پر تھی، لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ عملی طور پر دراصل یہ اسلامی سلطنت نہ تھی، اور برنی جیسے مؤرخ کو بھی اپنی تعریف "مقاوی جہانداری" میں یہ اقرار کرنا پڑا ہے کہ یہاں بادشاہ کا نظام خاص "دنیا داری" پر قائم تھا جو "دین داری" کے قطعی خلاف تھا جس کا قیام غیر اسلامی طور و طریق اور طرز حکومت کو اختیار کئے بغیر ممکن تھا، سلطان اگرچہ خود اسلامی عقیدہ کا قائل اور شرائع کا پابند تھا، لیکن اس کی سلطنت کا نظام شرائع کے بموجب قائم ہونے کے بجائے خاص تسلط اور فوجی طاقت پر قائم تھا، اس نظام میں شرائع کو بھی وہی حیثیت حاصل تھی، جو دوسرے قوانین کو تھی، اس لیے دراصل یہاں مسلمانوں نے جس سلطنت کی داغ بیل ڈالی تھی وہ نہ ہی حکومت کے بجائے غیر مذہبی اور غیر جانب دار سلطنت (سیکولر سٹیٹ) تھی، پروفیسر حبیب اللہ نے یہ صحیح لکھا ہے کہ

...مورخین کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلطنت خاص اسلامی ریاست

تھی، جو اپنی پالیسی کو شریعت کے مطابق بنانے کی کوشش کرتی رہی، لیکن جیسا کہ گذشتہ ادوار سے معلوم ہوگا کہ علماء الہی... قسماً بادشاہت کے غیر اسلامی طرز کا مطالعہ کر کے جن، برنی نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ دنیا داری جس کا ہتھکڑیاں کمال بادشاہت ہو، وہ دینداری کے خلاف ہے، برنی نے یہ بتایا ہے کہ بادشاہت کے مشرکانه طریقے اسلام میں جاری رہی اور اسی کے بخور وہ ہیں نتیجہ یہ پہنچا ہے کہ غیر اسلامی طریقہ

کے بادشاہت ممکن نہیں، بعض خوش عقیدہ مذہبی گروہ اپنے کو یہی تسلیم کر سکتے ہیں، کہ سلطان صرف مذہب کی اشاعت اور شریعت کی بقا ہی کے لیے جوتا ہو، لیکن بغیر کسی شک و شبہ کے یہ کہا جاسکتا ہو کہ اس کے اعمال میں جو چیزیں فیصلہ کن ہوتی تھیں، وہ قوت اور ضرورت کا قانون تھیں، برنی نے بادشاہت کی اصلیت اور نوعیت کی تفصیل بتائی ہو، وہ کہتا ہو کہ بادشاہت کے معنی استیلا کے ہیں، چاہے وہ قانونی طریقے سے ہو یا قوت سے ہو اور شریعت کی عملی طور پر اس سے زیادہ تو تیر نہ تھی جیسا دوسرے قوانین کی، برنی کو یہ اعتراف ہو کہ مسلمانوں کو جو سترائیں دی جاتی تھیں وہ قرآن پاک کے خلاف تھیں، لیکن ان کو رد رکھا جاتا تھا، اسی طرح قانون وراثت اور حلال و حرام کا امتیاز اور دوسری معروف امتناعی پابندیوں کو توڑ دیا جاتا تھا، مذہبی طبقہ اس کے خلاف احتجاج ضرور کرتا تھا، سود کے متعلق جو شریعی پابندیاں تھیں ان کا کھانا مطلق نہیں کیا جاتا تھا، امیر خسرو نے واقعہ بیان کیا ہو، کہ ایک تنک پر ایک جھیل سودا ہمارا لیا جاتا تھا، اور فریقین میں جب تحریری معاہدہ ہو جاتا تھا، تو اس کو قانونی درجہ حاصل ہو جاتا تھا، اور قاضی کو اس کو عمل میں لانا پڑتا تھا وہ جو چار شرائط برنی نے بادشاہوں کو عمل کرنے کے لیے لکھے ہیں ان میں سے ایک یہ ہو کہ وہ جب کسی ضابطہ کو جاری کرے۔ تو ان میں سے اگر کوئی شریعت کے خلاف ہو تو وہ واپس نہ لیے جائیں، بلکہ جب تک ضرورت ہو اس کو قائم رکھا جاسکتا ہو۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی اسی غیر مذہبی سلطنت کی تاسیس عمل میں آئی، اور بیشتر زبانون میں اپنے کو غیر مذہبی حکمران تصور کیا، انہوں نے اپنی ذات اور مسلمانوں کے لیے دین کی عام پابندی کو لازم کر رکھا تھا، مگر مسلمانوں کے ساتھ اپنے سیاسی برتاؤ میں اس کا لحاظ نہیں رکھا، اس طرح وہ دینداری اور دنیا داری دونوں کو دونوں پلوں پر رکھ کر نظم و حکومت سنبھالے ہوئے تھے اور ان میں سے جو سلاطین دینداری کی طرف مائل ہوتے، ان کا باز کسی قدر جھک جاتا، اور جو ناص و دنیا داری کے رخ کو سامنے رکھتے، وہ اس سمت کو جھک جاتے تھے، یہی طرز ملک سلاطین ہند سے لے کر تیموری سلطنت کے چراغ کے بجھنے تک

قائم رہا، تیموری دور میں دین داری و دنیا داری کے دونوں مسوں کو دو حکمرانوں عالمگیر اور اکبر نے اپنے اپنے دوروں میں اپنے کردار سے زیادہ نمایاں کر دیا تھا اور اسی لیے ان دونوں کی بادشاہی کا طرز ایک دوسرے کے بالکل برعکس تھا با این ہمہ پورے اسلامی دور میں کسی ایک حکمران کا بھی زمانہ ایسا مشکل سے مل سکتا ہے جس کو ہم خالص اسلامی حکومت سے تعبیر کر سکتے ہیں اور جس میں ہم عہد صدیقی و ثانی کی مثالیں دیکھ سکتے ہوں، بلکہ میاں اسلامی حکومت کے بجائے مسلمان بادشاہوں کی حکومت قائم تھی جس میں جب حکمرانوں اور محکموں میں ارتباط بڑھا تو دونوں کو یکساں حیثیت کے شہری حقوق حاصل ہو گئے اور حکومت کا کوئی عہدہ یا منصب محض ہمسلمان ہونے کے سبب سے کسی کے لیے بند نہیں رہ گیا۔

ہندستان کی حفاظت | ملوک سلاطین اپنے دور میں حکمرانی میں مغربی سرحد کی اہم خدمت انجام دیتے رہے، اس دور میں وسط ایشیا میں بے درپے انقلابات آئے اور ان کی لہریں دریائے سندھ تک بھی پہنچیں۔ مگر ان سلاطین نے ان کی موجوں کو بکھیر دیا اور پنجاب تک کے علاقہ کو مضبوطی سے زیر نگین رکھا، ان کا یہ کارنامہ منسل سلاطین کے کارناموں سے بڑھا ہوا تھا، اس لیے کہ مغلوں کے قتل میں ہندوستان اور قندھار کا علاقہ بھی تھا اور انھیں آگے بڑھ کر ہندستان کی سرحد کی حفاظت کا موقع حاصل تھا۔

حکومت کا ڈھانچہ | اس لیے ان سلاطین دہلی کی مرکزی حکومت پر ملکی حفاظت و مدافعت کا عظیم بار تھا، اور اسی لحاظ سے ان کے غیر معمولی معبارف بھی تھے اور مرکزی حکومت سب سے زیادہ فوجی اخراجات ہی پر صرف کرتی تھی۔

اس دور وسطی میں مسلمان سلاطین کی سلطانی کا استناد خلفاء کی منظوری سے حاصل ہوتا تھا، ہندستان کے یہ سلاطین بھی خلفاء سے اپنا رسمی رشتہ قائم رکھتے تھے اور رسماً خلیفہ المسلمین کو سب پر تفوق حاصل تھا، اور یہ سلاطین گویا اس کی طرف نیا بے حکومت کرتے تھے، اس لیے خلیفہ میں خلفائے اسلام کے ساتھ ان کے نام لیے جاتے تھے

حکومت کے شعبے | سلطان کے بعد قدرۃ ذرا کو اہمیت حاصل تھی، جنہیں نظام الملک، موبد الملک، صدر الملک، عین الملک وغیرہ کے خطابات دیے جاتے تھے، لیکن یہ وزراء صرف کشوری امور کے مالک تھے، شعبہ عسکری، شعبہ مال، دیوان انشا، معاملات خارجیہ، اطلاعات اور وزارت انصاف کے شعبے علیحدہ قائم تھے ان کے علاوہ امیر، حاجب، وکیل دار، سارجاندار اور کبھی نائب مملکت کے عہدہ دار مقرر ہوئے، پھر آخر میں نیابت کے عہدے مستقل کر دیے گئے جس میں نائب وزیر، نائب وکیل عہدہ دار تھے۔

فوج | فوج کی کئی قسمیں تھیں، ایک تو شاہی فوج تھی جو ملک اور خصوصاً سرحد کی حفاظت پر مامور تھی، دوسرے صوبائی فوجیں صوبہ داروں کے ماتحت تھیں، کبھی مشرک کے وقت بھرتی ہوتی تھی، فوج کے افسروں کو تنخواہیں دی جاتی تھیں، (البتہ جاگیریں سپرد تھیں، البتہ قائم فوج کے سپاہیوں کی تنخواہیں، جو مہاجرین کہلاتی تھیں مقرر تھیں) **آئین و عدالت** | قانون شریعت بنیادی آئین سمجھا جاتا تھا، مگر ضرورت کے مطابق اس کے خلاف عمل ہوا کرتا تھا، ہندوؤں کے لیے ہندو کوڈ کے مطابق قوانین نافذ تھے، خصوصاً پرسنل لاء میں انہیں کامل آزادی حاصل تھی۔ صدر جہاں کا عہدہ ہندوستان کی مرکزی عدالت کے چیف جسٹس کے لیے تھا امراء و وزراء سے رتبہ و احترام میں اس منصب کا درجہ اونچا تھا، چنانچہ مورخین نے فہرست میں شاہزادوں کے بعد ان کے نام لکھے ہیں وہ صدر جہاں کے علاوہ قاضی نفاذ، قاضی ملاک، یا شیخ الاسلام بھی کہے جاتے ہیں، عدالتی نظام بغیر ان کے تقریر کے سارے اختیارات اسی کو حاصل تھے۔

پھر اس کے ماتحت عہدہ دار تھے، دیوانی کے مقدمات قاضی اور فوجی کے مقدمات امیر دار سماعت کرتے تھے کوٹوال اور محتسب پولیس کا کام کرتے تھے۔ زکوٰۃ کا نظم بھی قائم تھا اور دوسرے محاسن بھی لیے جاتے تھے ہمسایہ، تقریبی

اور طوائف سکے کئی قسم کے جاری تھے۔ ہندوستان کے عہد اسلامی میں زکوٰۃ کا نظام کے عنوان سے اس مجموعہ میں ایک مستقل تحریر علیحدہ مندرج ہے،

ڈاک کا نظم | ڈاک کے نظم کا بڑا عمدہ دار برید ممالک، کہا جاتا تھا، اس کا صدر دفتر بانیہ تخت میں تھا اس کے ماتحت رستوں کا معقول نظم قائم رہتا تھا۔ صوبوں کا نظم | صوبوں کا نظم اس طرح قائم تھا، کہ صوبہ دار اپنے حدود کے کامل ذمہ دار ہوتے تھے، کبھی نائب والی بھی مقرر ہوتے تھے صوبوں میں بھی چھوٹے پیمانہ پر حکومت کے وہ سب شعبے موجود تھے، جو مرکز میں قائم تھے اس زمانہ میں صوبوں کے لیے اختیارات کی اصطلاح قائم تھی، صاحب اقتدار کو عدالتی نظام میں دخل دینے کا اختیار حاصل نہ تھا، صوبہ دار تختہ زکوٰۃ وال کی مدد سے نظم و انضام قائم رکھتا تھا اور مرکزی حکومت کی طرف سے منتظمیہ دسکہ جاری رہتا تھا، کبھی باجگزار صوبے اپنا سکہ علیحدہ بھی جاری کرتے تھے۔

سلاطین کا طرز | مورخین نے مملوک سلاطین کے شاہانہ طرز و دوامانڈ کی نہایت **بود و ماند** | دلکش تصویر کھینچی ہو، سلطان کے گرد مندہا نقیب و جاوش پیادہ و سرنگ امرار و فوجی سوار جمع رہتے تھے، اور ایسا دبہ بچایا رہتا تھا کہ کبھی بڑی بڑی سلطنتوں کے امراء سفر اور خاک پوسی، یعنی سلام کے وقت شدت تاثر سے لڑکھڑا کر گرتے اور بے ہوش ہو جاتے تھے، اس طریقہ سے رعبد و دبہ قائم کر کے فتنہ انگیزی کو روکنا مقصود تھا، حالانکہ خود پرستی و عظمت منائی کے یہ طریق اسلام اور اس کی تعلیمات کے منافی تھے، لیکن ملین خود کہتا ہے کہ ان کو جائز اس لیے رکھا گیا ہے کہ قیام امن و عدل میں ان سے مدد ملتی ہو۔ مملوکوں کی دوسری ان سلاطین کا خاص شیوہ رہا، تیرہ روزہ روزین میں وینداری کو راہ دینے کا جذبہ بھی رکھتے تھے، لیکن انھوں نے اپنی حکومت کو اسلام کی اشاعت کا ذریعہ نہیں بنایا۔

اسلام کی اشاعت | اس دور میں اسلام کی اشاعت ضرور ہوئی، مگر وہ حکومت کے بل پر ہونے کے بجائے مسلمانوں کے ہندوستان کی منتشر آبادیوں میں

گھل مل کر رہ بس جانے سے ہوئی، ہندوؤں میں ”مورتی پوجا“ پر عقیدہ کمزور ہوا گیا تو حید اور سادات انسانی کے جذبات کی ان میں پرورش ہوئی۔ ہندوؤں کے مختلف فرقوں نے بعض اس زمانہ میں اور بعض آگے چل کر توحید کی تعلیمات کو اصول کے طور پر مانا اور ویشی، شودرا، کھتری اور برہمن کی تفریقوں کو مٹایا، صوفیہ کرام شمالی ہند کے گوشہ گوشہ میں پہنچ چکے تھے، اور اسلامی تصوف کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام کو فروغ ہوتا جاتا تھا، خصوصاً خانوادہ چشتیہ نے وہ خدمات انجام دیے جو سلاطین دہلی سے انجام نہ پاسکے، کلاہ تشری رکھنے والے درویش صفت امیر اور خواجہ حسن نے سلطان نظام الدین کی چو کھٹ چومی۔

اس دور میں علمائے دین بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے اور تہمتیں انجام دیتے تھے، مسجدیں اور مدرسے ان کی سیادت میں مہمور تھے۔

علوم کی ترقی | جیسا کہ اوپر گزرا مملوک سلاطین نے علوم کی ترقی میں غیر معمولی دلچسپی لی، ضیاء الدین برنی نے ہر ایک سلطان کے عہد کے بیان میں شعراء، علماء، فضلاء، فقہاء، محدثین وغیرہ کی طویل فہرست درج کی ہے۔ تذکرہ کی کتابوں میں مختلف مدارس کا حال ملتا ہے۔ اس دور میں جو علمی تعلیمی ترقیاں ہوئیں ان کا ذکر اجالا اوپر گزرا اور تعلیمی ترقیوں کا تفصیلی بیان اس مجموعہ کے مستقل مقالوں میں علیحدہ آیا ہے۔

ایک نئے کلچر کی تخلیق اور | ہندوستان کے شمالی حصہ میں اس دور میں ایرانیوں، افغانیوں اور ترکوں نے عربوں کے تمدن سے آمیزش انسانی آبادی کے طبقات کے ہندوؤں کی سوسائٹی میں یہاں ایک طبقہ علمی قائم

کر لیا تھا، اور پھر ہندوؤں میں سے ایک بڑا طبقہ اسلام میں داخل ہوا۔ اور جیسا کہ گزرا وہ تمدن کے نیابت مملکت کے مناسب تک پہنچا اس طرح شمالی ہند میں ایک ایسے کلچر کی بنا پڑی جس میں عرب تمدن آمیز ایرانی افغانی، ترکا کلچر میں ہندی کلچر کی آمیزش ہوئی اور ایک نئے کلچر کی تشکیل عمل میں آئی، دوسری طرف سندھ میں عربوں کے غالب اثرات سے ہندی کلچر کی آمیزش سے ایک جداگانہ کلچر کی تشکیل ہو رہی تھی، اس طرح شمالی ہند

کے نئے کلچر میں ایرانی اور سندھ کے نئے کلچر میں عربی اثرات نمایاں تھے، ملوک سلاطین کے دور میں شمالی ہند اور سندھ و ملتان کے ان دونوں کلچروں کو ایک دوسرے سے ملنے کا موقع ملا۔ اور ایک نیا ہندوستانی کلچر عالم وجود میں آیا، اور سوسائٹی میں طبقہ اعلیٰ کے وہ مسلمان جو مختلف نسلوں کے تھے اس کلچر کے روح رواں رہے۔ اس سوسائٹی میں اہل سیف اور اہل قلم کی دو قسمیں تھیں۔ اہل سیف میں ارباب حکومت اور اہل قلم میں ارباب علم و ادب تھے عدالت و قضا کا نظم موخر الذکر طبقہ ہی کے قبضہ میں تھا تیسرا گروہ "عوام" اور "خلع" کا تھا، تجارت کا طبقہ ان ہی میں سے تھا، جن میں ملک التجار بھی ہوتے تھے اور امتیازی شان حاصل کرتے تھے، عوام کا بڑا طبقہ کاشتکاری اور کارخانوں میں کام کرتا تھا، مذہبی حیثیت سے ملک میں سنی شیعہ، صوفیہ اور نامسلمانوں کا تھا، شیعوں میں کاغذی طبقہ موسوم بہ ملاحدہ قرامطہ تھا، اسی طرح سنیوں میں حنفی و شافعی دونوں تھے تجارتی ترقی | اس عہد میں ہندوستان کے تجارتی تعلقات ایران و عرب سے قائم تھے، حالانکہ ملوک سلاطین کے قبضہ میں کوئی بندرگاہ نہ تھی مگر تجارت بھی غرض پر تھی، مختلف قسم کے کارخانے قائم تھے، جن میں سامان تیار ہوتا تھا، زرعی ترقی اس ملک کی جان تھی، حکومت ان دامن قائم رکھ کر اور کسانوں کو آسانیاں مہیا کر کے زراعت کو ترقی دیتی تھی۔

اندرون ملک میں بہتوں کا معقول نعم قائم تھا، تجارتی راستے زیادہ تر درمیانی تھے بحری و بری راستوں اور ان کے وسیلوں کا نظم قائم رکھا گیا تھا۔ جن سے ملک میں غیر معمولی تجارتی و صنعتی ترقیاں عمل میں آئیں۔

ہندوستان کی مرکزیت ہندوستان کی تجارتی و صنعتی ترقیوں اور فریخ باہیل کا شہر ایاہوا کا ایشیا عالم اسلامی میں | اور دوسرے اسلامی ملکوں سے لوگ نقل و حرکت کر کے آنے لگے اور مختلف

صناعات، کاریگری اور اہل حرفہ اس ملک میں آباد ہو گئے۔ اس تمدن کا سبب اہم مرکز خود پایہ تخت ملی تھا، چنانچہ اس دور کے خاتمہ کے چند سال بعد جب ۱۳۳۳ھ میں تہوہریاح ابن بطوطہ ہندوستان آیا تو اس کی غورانی زبان پر

”ہماری کوہ صفا بلاد ہند بلکہ تمام مشرق و دنیا کے شہروں پر تفوق و ترجیح حاصل ہو و

ہندستان آٹھویں صدی ہجری میں

ابوالعباس احمد قلعندری دہلوی نے ۱۸۵۷ء کی مشہور کتاب صبح الاعشی عربی علم ادب میں
 لا زحل شہرت رکھتی ہو اس کا موضوع فن انشا ہے، لیکن اس انشا سے مقصود انشا پروری
 نہیں ہو گیا کہ اب سمجھا جاتا ہو بلکہ اس مجموعہ علم و فن سے مقصد ہو جس کی واقفیت ایک شاہکا
 سکریٹری کے فرائض کیلئے ضروری ہو، اور اس لیے مصنف نے اہل انشا کی عام علمی
 علمی ضروریات کے اقتضا کے لحاظ سے اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں ایک ایسا وسیع رہبر
 اختیار کیا جس کی بدولت اس کا یہ تصنیف زہر و فن ادب کا ایک گراں گاہیہ تحفہ بنی بلکہ مختلف
 علوم و فنون کا بھی ایک دلاویز مجموعہ بن گئی ہو۔ یہ کتاب تاریخ و سیر بھی ہو، اور لغت و ادب بھی
 تفسیر و حدیث بھی ہو، اور فقہ و آقا بھی، عالم اسلامی کا جزا فیہ بھی ہو اور اسلام کی تمدنی ترقیوں
 کا آئینہ بھی، فن انشا کے اصول و تواریخ، مختلف ممالک اسلامی میں اس کے مختلف حالات و کیفیات
 زبان عربی کی تمام خصوصیات اور عہد جاہلیت سے آٹھویں صدی ہجری تک تمام عالم اسلامی
 میں اس کی تدریجی نشر و اشاعت، دیوان انشا کا قیام اور یہی مناسبت سے خلافت اسلامیہ کا
 تمدن و خلافت کے اصول و شرائط، خلفائے اسلام کے مفصل حالات، تمام عالم اسلامی میں ان کا
 نفوذ و اثر، اور پھر اسی ضمن میں مشرق و مغرب کے تمام ممالک اسلامیہ کے جغرافیائی حدود، ان کی
 حکومتوں کا اجمالی تذکرہ، اور خصوصاً مختلف ممالک کے تہذیب و تمدن، معاشرت اور عام طرز
 بود و ماند کے حالات نہایت اختصار اور جامعیت سے مرتب کئے گئے ہیں۔

اس لیے یہ کتاب گویا ایک بحرِ خفا رہی۔ اس موقع پر اس کے اس ٹکڑے کے سامنے لانا
 ہو۔ جہاں اس میں ممالک اسلامیہ کے ذیلی میں ہندوستان کے عام حالات بیان کئے گئے ہیں۔
 صبح الاعشی کا مصنف قلعندری مصر کا رہنے والا تھا، اور یہیں دیوان انشا کا انشائی
 مقرر رہا۔ ۱۸۵۶ء میں قلعندری دہلیت مصر میں پیدا ہوا، اور ۱۸۸۷ء سے اس کی
 علمی و عملی زندگی کا آغاز ہوا۔ ۱۸۹۷ء سے دیوان انشا مصر سے منسلک ہوا، اور یہی عہد میں

اس نے صبح الاٹھی کی تالیف کی ابتدا کی اور سترہ میں اس سے فارغ ہو گیا۔

اس بے قاعدہ نے ممالک اسلامیہ کے ذیل میں ہندستان کے جو حالات فراہم کئے ہیں، وہ دراصل آٹھویں صدی ہجری سے متعلق ہیں۔ ہندستان کے یہ حالات یہاں لکائی مرتبہ تاریخ کی صورت میں نہیں ہیں، بلکہ اس نے سرزمین ہند کا نقشہ کھینچ کر اس کے ایسے خط وخال نمایاں کئے ہیں، کہ آٹھویں صدی کے ہندستان کا ایک مرتع تیار ہو گیا ہوگی جس میں اس کے عام تہذیب و تمدن و معاشرت کا پتہ چلتا ہو۔ اور ہندستان کی اسلامی حکومت کے نظام و طریق حکومت کا ایک ایسا نقشہ سامنے آتا ہو جو ہندستان کی عام فارسی تاریخوں میں اس مرتبہ شکل میں موجود نہیں۔

اس بے قدرتی طور پر ہندستان کے ان حالات کے متعلق قلعشہ نے دو آخذ میں ایک عرب سیاستوں کے جغرافیہ کی کتاب میں اور دوسرے ہندستان کے بعض ایسے اہل علم کے بیانات جو ان ممالک اسلامی تک پہنچتے تھے ہندستان کے اہل علم میں سے شیخ مبارک بن محمود الانباتی (کھبائے شیخ سرانج ہندی) شیخ عبدالرحمن الریاء الہندی وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، یہ وہ زمانہ تھا، جب محمد تعلق نے مصر کے عباسی خلفاء کی بیعت کر لی تھی اور اس تعلق سے مصر و ہند میں گہرے تعلقات پیدا ہوئے تھے۔

قلعشہ نے ہندستان کے مذکورہ میں اولیٰ یہاں کا مفصل جغرافیہ دیا ہو، اس ضمن میں یہاں کے شہروں خصوصاً بایزیت دہلی کے حالات نہایت دلچسپ ہیں، پھر ہندستان کے اقتصادی مباحث ہیں، اس میں بیاسی کا عام پیداوار، حیوانات، مصنت و حرمت اور تجارت وغیرہ کے تذکرے کے ساتھ یہاں کے سکنے اور زرخ وغیرہ کو تفصیل سے درت کیا ہو۔ ویرلین اسلام کا ذکر ہے اور محمد بن تعلق شاہ کا تذکرہ کر کے اس کے عہد کے مفصل نظام حکومت کو پیش کیا ہو، اور خصوصیت کے ساتھ اسی کے طرز حکومت اور لوازم شہری کو تفصیل سے دکھایا ہو۔

ہندستان کے ان حالات کا آغاز ”انظر الان“ سے شروع کرتا ہو، اولاً ہند کا اچلا قادر عرب جغرافیہ نویسوں صاحب ممالک الاقطار اور صاحب تحفۃ الالاباب محمد بن عبدالمجید اندلی وغیرہ کے اقتباسات سے کرایا ہو اور پھر شیخ محمد بن محمود انباتی وغیرہ کی روایت سے

حالات بیان کئے ہیں، غرض اس میں ہندستان کے متعلق قیمتی معلومات انحصار کے ساتھ یکجا ہو گئے
اور اس لائق ہیں کہ انھیں اردو میں کمی خاص ترتیب کے ساتھ قتل کی جائے، ذیل کی سطروں میں
اسی خدمت کو انجام دیا گیا ہو:

ہندستان کا تعارف قلعندری نے ہندستان کا تعارف صاحب مساکرہ الاصدار کی
زبان سے حسب ذیل شاندار الفاظ میں کر دیا وہ لکھتا ہے:-

”ہندوستان ایک عظیم الشان ملک ہے اس کے حدود کی وسعت، دولت و ثروت
کی بھنائے اور فرماں روا یان ہند کا جاہ و جہم، شان و شوکت، اور خدم و حشم تمام روئے
زمین میں یکتا و بیگانہ ہے، یہی وہ خطہ ارض ہے، جس کے سمندر و موتیوں سے بھرے ہوئے،
طبقات زمین سونے کی کانوں سے پٹے ہوئے پہاڑ، یا قوت و الماس سے مالامال،
دادیاں عود و کافور سے بھرپور اور جنگل، باغی اور گیندے سے بے ہوئے ہیں، یہیں
کی چند تلواریں اپنی آب واری میں روز ازل سے مشہور ہیں، اور پھر زرخ کی ازانی
شکر کی غیر محدود تعداد، اور باشندگان ہند کا علم و حکمت اور دانائی اور فرزائیگی
تعارف سے مستغنی ہے۔“

اس کے بعد قلعندری نے ہندوستان کو دو اقلیموں، اقلیم سندھ اور ہند میں
تقسیم کیا ہے، پہلے اقلیم سندھ کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:-
اقلیم سندھ اقلیم سندھ کے حدود اربعہ یہ ہیں،

مغرب میں حدود کرمان اور صحرائے عربستان، جنوب میں صحرائے مابین کرمان
و بحر ہند، مشرق میں بحر فارس اور شمال میں حدود ہند،

منصورہ پایہ تخت سندھ سندھ کا پایہ تخت منصورہ ہے، یہ سندھ کا مشہور
ترین شہر ہے، اس کا قدیم نام ”مینورہ“ ہے، منصورہ

کی وجہ تسمیہ مختلف بیان کی جاتی ہے، بعض لوگوں کا بیان ہے، کہ جب اسلامی لشکر یہاں
داخل ہوا، تو سپہ سالار کی زبان سے ”نصرا“ نکلا، اور اسی لفظ سے منصورہ اور منصور
سے ”منصورہ“ نام پڑ گیا، لیکن جہلی کی روایت اس سے بالکل جدا گانہ ہے، یعنی یہ کوئی

قدیم شہر نہیں بلکہ خلیفہ عباسی المنصور کے عہد میں عربی نصف المشرق بہ ہزار درم دے اس کو آباد کیا ، اور اسی نے خلیفہ وقت کے نام سے اس کو موسوم کیا ، لیکن مؤخر الذکر روایت صحیح نہیں ہے ، حضرت الامام مولانا سید سلیمان ندوی نے اس پر مفصل بحث کی ہے ، اور ان کی تحقیق سے یہ بنی امیہ کے زمانہ میں محمد بن قاسم کے بڑے عہد کے ہاتھوں تعمیر پا چکا تھا

منصورہ نہایت عظیم الشان شہر ہے ، طول بلدہ ۷۵ درجہ ۳۰ دقیقہ اور عرض ۲۲ درجہ ۲۲ دقیقہ ہے ، دریا کے ہران کی فلیج اس کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے ، جس سے ایک جزیرہ کی شکل پیدا ہو گئی ہے ، یہاں کی آب و ہوا نہایت گرم ہے ، درخت بہت کم اگتے ہیں ، صرف گھوڑا درگنے وغیرہ کی پیداوار ہے ، یہاں سیب کے مانند ایک پھل نہایت ترش ہوتا ہے ، جو ”الیمومہ“ کہا جاتا ہے

سندھ کے شہر ”اقلم سندھ میں چند شہر خاص انبیاز رکھتے ہیں ، اور وہی سندھ کے شہر قابل ذکر ہیں ، ان میں زیادہ شہرت دیبل ، بیرون سندھ ، ملتان ، اور آندہ وغیرہ کو حاصل ہے ،

دیبل (ٹھٹھ) منصورہ سے ۶ منزل پر واقع ہے ، شہر زیادہ کچھ بڑا نہیں ، گرمی سخت پڑتی ہے ، بھرہ وغیرہ سے اس کے تجارتی تعلقات قائم ہیں ، بصرہ سے گھوڑیں آتی ہیں ، اور یہاں سے متاع دیبل بھیجی جاتی ہے ، تل وغیرہ کی پیداوار زیادہ ہے بیرون یہ دیبل اور منصورہ کے درمیان میں ہے ، یہاں مسلمانوں کی خالص آبادی ہے ، بوریکان بیرونی صاحب کتاب الهند اسی طرف شرف انساب لکھتا ہے ”لیکن قلعہ ندی کا یہ بیان صحیح نہیں ہے ، یہ شہر بیرون نہیں ، نیروں ہے ، جیسا کہ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب ”عرب و ہند“ میں یہ تحقیق کی ہے ، افسوس صاحب کی تحقیق کے رو سے حیدر آباد سندھ کا قدیم نام نیروں تھا ، ہو سکتا ہے کہ وہی شہر ہو

باقی اور بچان بیرونی کے انتساب کے متعلق قلعشندی نے جو کچھ لکھا ہے، وہ سرے سے صحیح نہیں، اور بچان بیرونی "ہندوستانی" نہیں بلکہ "خوارزمی" تھا، البیرونی کا یہ انتساب خوارزم کے "بیرونی تعلق" کو ظاہر کرتا ہے، سمحانی نے اپنی کتاب الانساب میں اور بچان کے اس نسبت سے منسوب ہونے کا تذکرہ خاص طور پر کیا ہے، اور یہی لائق اعتماد ہے، وہ لکھتا ہے:-

بذہ النسبتہ الی خارج خوارزم خان ہماں کیون من یہ نسبت خارج خوارزم کی طرف ہے، وہاں جو شخص
خارج البلد ولایکون من نعمہ یقال لہ "فلان بیرونی" شہر سے باہر رہتا ہے اور اندرون شہر کا نہ ہو اس
یقال فلان بیرونی است والشہور بذہ النسبتہ الی کے لیے کہا جاتا ہے کہ "یہ بیرونی ہے" یعنی فلان
بچان الخیم البیرونی بیرونی است اور اور بچان الخیم بیرونی ہی طرف منسوب ہو
سردوسان، یہ دریائے ہیران کے مغرب میں نہایت خوب صورت شہر ہے، مضافات
میں اچھے اچھے گاؤں آباد ہیں،

مولتان اکثر کتابوں میں داؤ کے ساتھ "مولتان" لکھا ہوا ہے اور بعض لوگ "ملتان" بھی لکھتے ہیں، اس کو اور بچان بیرونی نے شہر سندھ میں اور ابن مقل نے ہند میں شمار کیا ہے، یہ منصوبہ سے پچھوٹا شہر ہے، ملتان کے ماتحت ایک لاکھ ۲۶ ہزار فریے آباد ہیں، اس کے ایک طرف کرمان کی سرحد ہے، اور دوسری طرف منصوبہ کی سرحد اس کے اور غزنی کے درمیان صحت ۶۸ فرسخ کا فاصلہ ہے،

آزور یہ تقریباً ملتان ہی کے برابر شہر ہے، اس میں جو شہر تپاہ قائم ہیں، دریائے ہیران پر واقع ہے، اس کی آبادی خالص اسلامی ہے، منصوبہ کے ماتحت ہے، دونوں کے درمیان ۲۰ فرسخ کا فاصلہ ہے، غالباً اس کا صحیح نام المور ہے، اور عربوں نے کہیں اس کو "الرد" بھی لکھا ہے،

اسی طرح اقلیم سندھ میں چند دوسرے مشہور شہر کرمان، تیز، طوران، اہدہ وغیرہ

ہیں، جن کے مفصل حالات صاحب صبح الاعشی نے تفصیل سے لکھے ہیں، جنہیں یہاں نقل کرنا چنداں ضروری نہیں،

اقليم ہند | اقليم دوم، اقليم ہند ہے، تقويم البلدان میں اس کے حدود اربعہ یہ ہیں:

حدود اربعہ | ہندوچین تقويم البلدان میں اس کی شمالی سرحد ندکوہ نہیں، لیکن سالاک الالبصاریں اس کے شمال میں بلاد ترکستان کو بتایا گیا ہے،

دریا | یہاں چھوٹے بڑے تقریباً ایک ہزار دریا ہوں گے جن میں سے بعض دریائے نیل کے برابر وسیع ہیں، اور بعض اس سے چھوٹے ہیں، یہاں کے بڑے بڑے شہر بالعموم کسی دریا کے ساحل پر آباد ہیں،

آب و ہوا | یہاں کی آب و ہوا در موسم نہایت معتدل ہے، نہ زیادہ سرد ہے، نہ زیادہ گرم، بلکہ اس کا ہر ایک موسم گویا فصل بہار ہے، ہمیشہ نہایت لطیف اور خوش گوار ہوا کے کھونٹے آتے رہتے ہیں، چار مہینے مسلسل بارش ہوتی ہے، جو بالعموم موسم گرما کے بعد اس کے آخر میں شروع ہو جاتی ہے،

چاہیہ تخت | حکومت ہند کے دو پایہ تخت ہیں، ان میں سے پہلا پایہ تخت دہلی ہے، اور دوسرا دواکیر (دیوگیر دکن جہاں محمد تغلق نے اپنے زمانہ میں پایہ

تخت کو منتقل کیا تھا)

دہلی ہندوستان کا پہلا پایہ تخت ہے، اس کو دہلی بھی کہتے ہیں، یہ ہفت اقليم میں سے اقليم ہفتم میں واقع ہے، طول بلد ۲۸ درجہ اور ۵۰ دقیقہ، اور عرض ۲۵ درجہ ۵۰ دقیقہ ہے۔

یہ دوے زمین کا ایک بہت بڑا شہر ہے، یہاں کی زمین پتھر ملی ہے، اینٹ کی فصیل قائم ہے، جو حاکم کی فصیل سے (جو دنیا کی بڑی فصیلوں میں سمجھی جاتی تھی) بھی زیادہ بڑی ہے، دریا (جننا) سے کچھ دور پر آباد ہے، یہاں سے تقریباً ایک فرسخ پر ایک دریا بہتا ہے، جو فرات سے بھی چھوٹا ہے، گرمیوں کے زمانہ میں بارش ہوتی ہے، باغ زیادہ نہیں ہیں،

خصوصاً انگو ریا کل نہیں پیدا ہوتے ، اس کی ”جامع مسجد“ میں ایک مینار ہو ، جو تمام دنیا میں اپنی آپ مثال ہو ، سنگ سرخ کا بنا ہوا ہو ، جس میں تقریباً ۲۰ میٹر چھیاں ہیں ،
خصوصاً اس کی بلندی خاص طور پر قابل ذکر ہو ، جو تقریباً اسکندریہ کے مینار کے برابر
ہوگی ، شیخ برہان الدین بن خلیل بزی کو فی کا بیان ہو ، کہ یہ ۶۰۰ فٹ بلند ہو ۔

دلی دراصل متعدد شہروں کے مجموعہ کا نام ہو ، ان کی مجموعی تعداد ۲۱ ہو ، ان
میں سے ہر ایک شہر کے لیے جدا گانہ نام ہیں ، ان میں ایک دلی بھی ہو ، پھر سب کے مجموعہ
کو بھی دلی کہتے ہیں ،

پوری دلی تقریباً ۲۰ میل کے دور میں ہوگی ، یہاں کے مکان ، پتھر اور اینٹ کے
ہوتے ہیں ، چھتیس لکڑی کی ہوتی ہیں ، سڑکوں پر سنگ مرمر کی طرح کا ایک قسم کا سفید پتھر
بچھایا گیا ہو ، مکان بالعموم دو منزلہ سے زیادہ نہیں ہوتے ، بلکہ اکثر مکان ایک منزلہ
ہیں ، مکانوں میں سنگ مرمر بچھانے کا حق بہ جز سلطان دلی کے اور کسی کو حاصل نہیں ،

یہاں ایک ہزار مدارس قائم ہیں ،
مدارس ، اسپتال اور خانقاہیں جن میں سے صرف ایک مدرسہ خوافیوں
کا ہو ، بقیہ تمام مدرسے احناٹ کے ہیں ، اسی طرح ۷ اسپتال ہیں ، جو دارالشفاء کہلاتے
ہیں ، تقریباً دو ہزار خانقاہیں ہیں ، جہاں زائرین کا ازدحام لگا رہتا ہو ، بازار نہایت
کشادہ اور وسیع ہیں ، جاہ جاہام قائم ہیں ،

شاہی محل دلی سارے ہندوستان کا دارالسلطنت اور سلطان ہند کی جائے
قیام ہو ، مستقر سلطانی نہایت عالی شان ہو ، ایک وسیع سلسلہ
محلات قائم ہو ، جن میں سلطان اور حرم سلطانی کے جدا گانہ مسکن ہیں ، اسی طرح سلطان
کی خواہں اور دوسرے پیش خدمتوں کے لیے بھی نہایت خوب صورت عمارتیں ہیں ، توہین
وامراؤ کو مستقر سلطانی میں رہنے کی اجازت نہیں ، اور نہ محل خاص میں بہ جز اجازت

خاص اور کار خاص کے کبھی کوئی باریاب ہو سکتا ہو، اگر کبھی ضرورت پیش آتی ہو، تو لوگ شاہی محل میں بلائے جاتے ہیں، اور کام کے ختم ہوتے ہی لوٹ آتے ہیں، شاہی محل کے تین طرف مشرق، جنوب، اور شمال میں گرداگرد خوب صورت باغ لگے ہوئے ہیں، اور مغرب کی طرف ایک پہاڑی کے خوش نما قدرتی مناظر ہیں،

دولت آباد | دو اکبر دیوگیر دیوگرام“ دولت آباد کے نام سے مشہور ہوا،

یہ ہندوستان کا دوسرا پایہ تخت ہے، دو اکبر دیوگیر، نام کا ایک قدیم شہر تھا، اس کی محمد غلق شاہ نے نئے سرے سے تعمیر کرنا شروع کیا، اور قبتہ الاسلام نام رکھا، لیکن اپنے حین حیات میں اس کو با تکمیل تک نہ پہنچا سکا،

سلطان محمد بن تغلق شاہ نے اس کی بنا ایک بالکل جدید طریقہ پر ڈالی تھی، مختلف قسم کے لوگوں کے لیے جداگانہ محلے قائم کیے تھے، مثلاً فوج کا ایک مخصوص محلہ تھا، وزراء کے لیے ایک جداگانہ محلہ، اہل انشا کے لیے ایک الگ آبادی، اور پھر اسی طرح قضاۃ علماء مشائخ، اور فقراء کے لیے الگ الگ محلے قائم کیے گئے تھے، پھر ہر ایک محلہ کے باشندوں کی ضروریات کی مناسبت سے مسجدیں، حمام، اور بازار کا مختلف اسلوب پر اہتمام کیا گیا تھا، اور ہر محلہ میں مختلف کارگر اور صنایع، رنگ برنگ رنگ ساز، سجاد، سجاد، اور دباغ وغیرہ بسائے گئے تھے، تاکہ کسی ایک محلہ کے رہنے والے کو کسی دوسرے محلہ میں جا کر خرید و فروخت کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے، گویا ان میں سے ہر ایک محلہ اپنی اپنی جگہ مستقل ایک چھوٹا سا شہر تھا،

ہندوستان کے تین خطے | اس کے بعد مصنف نے سارے ہندوستان کی آبادی کو عمومی طور پر تین قسموں اور خطوں میں تقسیم کیا ہے،

قسم اول ملاو جزائر (گجرات)، قسم دوم بلاد بنار (لیبار)، اور قسم سوم بلاد معربہ، قسم اول کے ممتاز شہروں میں ہلوارہ یا ہنروارہ (ہنروالہ) کھنباہ، تانہ (تانا)،

صومناٹ (سومناٹ)، سدان، ناگور، جالور، اور موری کو شمار کیا ہے، پھر ان میں سے ہر ایک کی جاسے وقوع طیل بلد اور عرض بلد کے ذریعے سے، اور ہر ایک کے اہم

خصوصیات بتائے ہیں ،

نہاوارہ (نروالہ) کی جاسے وقوع وغیرہ بتانے کے بعد لکھتا ہو ، یہ شہر کھنیاہت سے بڑا ہو ،
کھنیاہت کے متعلق لکھتا ہو ، کہ اس کو "انہات" بھی کہتے ہیں ، اور اسی سے "انہاتی" نسبت آتی ہو ، شیخ ہمارک انہاتی اسی طرف منسوب ہیں ، پھر جائے وقوع بتانے کے بعد
کہتا ہو ، یہ بہت بڑا شہر ہو ، مکان انیٹوں کے ہیں ، اور شہر میں پید سنگ خام کچھے ہوئے
ہیں ، اسی طرح نانہ ، نقانہ (نزد بمبئی) کے متعلق کہتا ہو ، یہ نہایت تجارتی شہر ہو ، اس
کی زیادہ آبادی ہندوؤں پر مشتمل ہو ، اور مسلمان بھی ان کے ساتھ رہتے ہیں ، عرب تاجروں
کی یہاں کثرت سے آمد و رفت ہو ، اور اسی لیے اس کا نام تاجروں کے طبقہ میں ہر خاص
و عام کی زبان پر ہو ، "مانشی" سے اس کی نسبت کو ظاہر کرتے ہیں ، ہندوستان کا مشہور کپڑا
"شباب تانسیہ" یہیں بنا جاتا ہو ،

سومناٹ کے متعلق کہتا ہو ، اس کو بھی تجارتی حیثیت حاصل ہو ، اور یہ زیادہ تر
"بلادلار" کے نام سے مشہور ہو ، اس کی زیادہ شہرت اس بت کی وجہ سے ہو ، جس کو
محمود بن بکتگین نے فتح کے وقت توڑ ڈالا تھا ، پھر اسی طرح سندان ، ناگور ،
جالور ، اور منورمی کے حالات بیان کیے ہیں ، جالور کے متعلق کہتا ہو ، یہاں کی
آبادی نہایت وفا شعار ہو ، کہا جاتا ہو کہ جالور نے سلطان دلی سے کبھی بغاوت نہیں کی

قسم دوم بلاد میںینبار (ملیبار) کے مشہور شہروں میں ہنور ، باسردر ، مخرور
(منگلور) ، تندپور ، خالیات (چالیات) ، شکلی اور کولم (موجودہ ٹراونکور میں داخل ہو
وغیرہ ہیں ، انھوں نے شہر میں مسلمانوں کا ایک مخصوص محلہ ہو ، جس میں جامع مسجد بھی ہو ،
ورنہ اکثر شہروں میں ہندو آباد ہیں ، اور اکثر شہر بھی غیر مسلم فرماں رواؤں کے قبضہ میں
ہیں ، میںبار (مالابار) کا پورا خطہ نہایت سرسبز و شاداب ہو ، باغ بہ کثرت ہیں ، اور
ہر قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں ، اس کے تجارتی تعلقات بھی دوسرے ممالک سے بہت
اچھے ہیں ، اور مسافروں اور تاجروں کی عام آمد و رفت جاری رہتی ہو ،

بلاد مجہر میں چند مشہور شہر ہیں ، جن میں پیرداول (پیردھول) کو زیادہ شہر

حاصل ہو، یہی یہاں کا پایہ تخت ہو، یہاں گھوڑوں کی درآمد بہت زیادہ ہو،
ہندوستان کے ان تین خطوں کے ماوراء چند ایسے شہر رہ جاتے ہیں جو خاص طور پر
قابل ذکر ہیں، ان میں سے ماہورہ (مٹھرا)، لوہور (لاہور)، اور قنوج خصوصیت سے قابل
تذکرہ ہیں

ماہورہ (مٹھرا) کے سر بہ فلک قلعے بہت شہرت رکھتے ہیں، انھیں زیر کرنا سخت دشوار
ہو، یہاں خالص برہمنوں کی آبادی ہو،
لوہور (لاہور) بہت بڑا شہر ہو، اور بہت کچھ نفع بخش ہو۔ یہاں سے ممتاز اہل علم کی
ایک جماعت پیدا ہوئی ہو

قنوج لہادر کا دار الحکومت ہو، ہندوستان کے بڑے شہروں میں شمار کیا جاتا ہو، لوگوں
میں اس کی آبادی اور دولت و ثروت کے متعلق مبالغہ آمیز داستانیں مشہور ہیں، کہا جاتا
ہو، کہ یہاں تین سو بازار صرف جوہروں کے ہیں، والی قنوج کے محل کے سامنے ڈھائی
ہزار باغی، جھومتے رہتے ہیں، سونے کی کانیں بہ کثرت ہیں، تجارت کا عام بازار گرم
رہتا ہو، کشمیر اسی کے ماتحت ہو،

اسی طرح ہندوستان کا ایک خطہ قامرون کا مروپ یعنی آسام کے پہاڑوں سے گھرا
ہوا ہو، بہ وسیع سلسلہ کوہ ہو، جو ہندوستان اور چین کے درمیان مائل ہو، (سلسلہ
کوہستان چالیہ سے مقصود ہو)

ولایات ہند | حکومت ہند کی تقسیم میں ہندوستان کل ۲۲ اقلیموں میں تقسیم ہو، اور
یہ سب اقلیم فرماں روا کے دلی کے ماتحت ہیں، قاضی سرالچ الدین
ہندی نے سب کو نام بہ نام گنایا ہو، وہ یہ ہیں، اقلیم دہلی، اقلیم دو اکیر (دیوگیر)
اقلیم لتان، کرائی (کرکراں علاقہ سرحد)، اقلیم سامانا، سیوستان (سیستان) و جا

۱۰ مصنف نے یہ معلومات کسی ابتدائی عربی جغرافیہ سے لیے ہیں، حالانکہ آٹھویں صدی ہجری میں یہ حالت
تمام تر بد چکے تھے، ۱۱
۱۲ اقلیم کی تعداد ہند میں ۲۲ تھی ہو، اور تین میں ۲۲ درج کیا ہو۔ اس لیے ۱۰ کے بجائے ۱۱ لکھا گیا۔

ہاشی (ہانسی)، سترتی، منبر (کارومنڈل)، تلنگ^{۱۱}، کجرات (کجرات)، بدلون^{۱۲}
 رہایون، عوض (اودھ)، قنوج^{۱۳}، لکھنؤ (بنگال)، بہار (بہار)، کرہ^{۱۴}
 کرہ (یعنی دوآبہ آباد)، ملاوہ^{۱۵} (مالوہ)، لہاڑ (لاہور یعنی پنجاب)، اقلیم کلاؤڈ
 جاجنگر (جاجنگر مونگیر وغیرہ)، تلج^{۱۶} (تلنگ)، اورچ میسویں اقلیم دورسند (جاں
 اب میسور کی ریاست واقع ہے)،

پھر ان تمام اقلیموں میں ایک ہزار دو (۱۰۰۲) شہر آباد ہیں، اس کے بعد ان شہروں
 میں کس قدر قریب ہیں، اس کے اعداد و شمار معلوم نہیں، البتہ قنوج کے متعلق معلوم
 ہے، کہ اس کے ماتحت ۱۲ لاکھ گائوں آباد ہیں،

اس کے بعد قلعہ سدی نے جزائر ہند اور ہندوستان کے رستوں کا ذکر کیا ہے،
 پھر اس جغرافیہ تقسیم کے بعد یہاں کے حیوانات اور عام پیداوار وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے،
 ان حالات میں سب سے دل چسپ بیان یہاں کے جانوروں کے متعلق ہے، لکھتا ہے۔
 یہاں گھوڑوں کی دونسیں ہوتی ہیں، ایک عربی اور دوسری برازین
حیوانات (معمولی گھوڑے)، لیکن برازین میں سے اکثر جانور بے کار ہوتے ہیں،
 اور اسی وجہ سے ہمسایہ ملکوں پاکستان، بحرین، یمن، اور عراق وغیرہ سے گھوڑے
 منگائے جاتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں عربی گھوڑے بڑی بڑی قیمتوں پر
 فروخت ہوتے ہیں،

خچر اور گدھوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کے متعلق باشندگان ہند کی مخصوص ذہنیت
 کا اس طرح تذکرہ کرتا ہے،

یہاں خچر اور گدھے ہوتے ہیں، لیکن ان کی سواری محبوب ہے، اگرچہ عوام کبھی
 کبھی سوار ہو جاتے ہیں، لیکن معرزین اور راہل علم میں سے کوئی کبھی بھی خچر پر سوار نہیں ہوتا
 لیکن گدھے کی سواری تو سخت ذلت آمیز اور باعث ننگ سمجھی جاتی ہے، اس لیے یہ سب
 بوجھ اٹھانے کے کسی کام میں نہیں لائے جاتے، اور معرزین اور خوہس کے طبقے تو گدھوں
 کو بار برداری کے کام میں لانا بھی پسند نہیں کرتے، گدھوں کے بجائے دیسی گھوڑے اور

بیل پر بوجھ لادتے ہیں ،

گائے ، بیل بھی کثرت سے ہیں ، اور کاموں کے علاوہ ان پر بوجھ بھی لادتے ہیں ،
اونٹ کم ہوتے ہیں ، صرغ سلاطین ، خوانین ، امراء و وزراء اور اکابر سلطنت کے
یہاں بہ طور شان امتیاز رہتے ہیں ،

چوپایہ جانوروں میں ان کے علاوہ بھینس ، بکری ، مینڈھاہو ، پرندوں میں
مرغیاں ، کبوتر ، اور جھنی جانوروں میں ہاتھی اور گینڈے کثرت سے ہیں ، اور ان
کے علاوہ جنگلوں میں ہر قسم کے درندے بھی پائے جاتے ہیں ،

اس کے بعد یہاں کی پیداوار کا تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہو ، اور
یہاں کے ہر قسم کے غلے ، پھل ، بھول ، میوے ، اور سہری
ترکاریوں ، وغیرہ کو نام بہ نام پوری تفصیل سے درج کیا گیا
ہو ، اور پھر اسی سلسلہ میں مختلف صنعت و حرفت اور پیشہ والوں کا تذکرہ کیا ہو ، جس میں
ارباب صنائع داخل ہیں ، اس کے بعد ہندوستان کے سکوں کا تفصیل سے ذکر آیا ہو ،
سکوں کے متعلق لکھا ہو ۔

یہاں چار قسم کے درہم رائج ہیں ، ایک ہشت گانی (ساادی آٹھ آنہ) ،
کے ہو ، کہا جاتا ہو ، کہ یہ مصر کے نقری درہم کے مساوی ہوتا ہو ، دونوں میں
ہشت کم فرق ہو ، ہندوستان میں آٹھ ضیل کا ایک ہشت گانی ہوتا ہو ، اور ایک حیل (ساادی
ایک آنہ) چار فلس (پیسوں) کا ہوتا ہو ، یعنی ۳۲ پیسوں کا ایک ہشت گانی ، ایک دوسرا سکہ
درہم سلطانی ہو ، یہ دو گانی بھی کہا جاتا ہو ، مصری درہم کا چوتھائی ہوتا ہو ، اور حیل
کا ایک درہم سلطانی ہوگا ، گویا آٹھ پیسوں کا ایک درہم سلطانی ہوگا ، قیسر اسکے
شست گانی ہو ، یہ ہشت گانی کا نصف درج ہوتا ہو ، اور درہم سلطانی سے تین
درہم ہوں گے ، چوتھی قسم کا سکہ دوازدہ گانی ، یہ بھی ہشت گانی کا نصف درج ہوتا
ہو ، گویا شست گانی کے مساوی ہوتا ہو ، اور پھر ہشت گانی کے آٹھ درہم مل کر ایک
تنگہ (تنگہ ساادی ایک روپیہ) ہوتا ہو ،

پھر بیس سو سونے کے سکے شروع ہوتے ہیں، سونے کے سکوں کا حساب مثقال سے ہوتا ہے، تین مثقال کا ایک تنکہ ہوتا ہے، تنکہ سونے اور چاندی دونوں طرح کے رائج ہیں، سونے کا تنکہ، تنکہ سرخ اور چاندی کا تنکہ پسید (مساوی تقریباً ڈھائی روپیہ) اور پھر ایک لاکھ تنکہ کا ایک لک (لاکھ) ہوتا ہے، اور یہ بھی سونے اور چاندی کے لحاظ سے سرخ و پسید کہا جاتا ہے،

یہاں کارطل ستر (سیر) کہا جاتا ہے، جو ۷ مثقال کا ہوتا ہے، اور پھر چالیس سیر پیمانہ کا ایک من ہوتا ہے، یہاں تمام خرید و فروخت وزن ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے، ناپ (کیل)، کا طریقہ رائج نہیں ہے،

نرخ | ہندوستان میں عام نرخ نہایت ارزاں ہے، ایک ہندی عالم قاضی القضاۃ کا بیان ہے، کہ دہلی میں کام کاج کرنے والی باندیوں کی قیمت ۸ تنکہ (روپیہ) سے زیادہ نہیں ہے، اور جو باندیاں کام کاج بھی کر سکتی ہیں، اور ام دلہ بھی بنائی جاسکتی ہیں، وہ ۵۰ تنکہ میں مل جاتی ہیں، یہ تو بایہ تخت کا حال ہے، ورنہ دوسرے شہروں میں اس سے بھی انداز قیمتوں پر فروخت ہوتی ہیں، خود سراج الدین ہندی نے ایک غلام صرف ۴ درہم میں خریدا تھا، لیکن اس ارزانی کے باوجود ہندوستان میں بعض لونڈیاں اپنے حسن و جمال کی قیمت میں بیس ہزار تنکہ (روپیہ) سے بھی زیادہ پاتی ہیں، اور لوگ نہایت کشادہ دلی سے یہ قیمتیں ادا کرتے ہیں،

شیخ مبارک انباتی نے ایک بیان میں ہندوستان کے عام نرخ کا تذکرہ کیا ہے، جس سے آٹھویں صدی کے ہندوستان کی اقتصادی حالت کا عام اندازہ ہو سکتا ہے، ان کے بیان میں نرخ کا حسب ذیل نقشہ ہے،
(لاحظہ ہو صفحہ ۱۹۸)

۱۵۔ ایک عربی مثقال ایک سو جو کے ہم وزن ہوتا ہے، جو ہندوستان کے موجودہ اوزان میں ۴ ماشہ ۴ رقی کے برابر ہوتا ہے،

نام	مقدار	قیمت	کیفیت
گیہوں	نی من	ڈیڑھ ہشت گانی درہم	یعنی ۱۲ رانی من
جو	" "	ایک	
چادل	" "	پونے دو ہشت گانی درہم	لیکن چادل کی بعض بھی تسمیں سوزیا ڈرائے جیتے ہیں
چنا	" "	نصف " "	یعنی ۴ من
گائے اور بکری کا گوشت	۴ سیر	ایک درہم سلطانی	
بط	ایک عدد	۲ درہم ہشت گانی	
مرخی	۴ عدد	ایک " "	
شکر	۵ سیر	ایک " "	ایک روپیہ
بکری	ایک عدد	ایک تنگہ (آٹھ درہم ہشت گانی)	یہ خوب تن و مندی بکری
گائے	ایک عدد	۲ تنگہ	کی قیمت بکری کی قیمت بہ نسبتاً کم تر رکات کی قیمت
بھینس	ایک "	"	یعنی ۲ روپیہ

اسی طرح پرخ کو تو زود وغیرہ نہایت انداز قیمت پر ملتے ہیں ، اور ہر قسم کے شکاری جانور بھی
سیستے دھوں پر کثرت سے کہتے ہیں ، یہاں گوشت زیادہ تر گلے ، اور بھیڑ کا کھایا جاتا ہے ، حالانکہ
ہینڈھے بھی بہ کثرت ملتے ہیں ، اس لیے سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ لوگ لحم بقسر
کھانے کے زیادہ عادی ہو گئے ہیں ،

صاحب مسالک الابصار نے شیخ نجدی کا ایک بیان نقل کیا ہے :
نرخ کی عام اندازنی جس سے یہاں کے نرخ کی عام اندازنی کا پتہ چلتا ہے ، وہ کہتے ہیں

” میں اور میرے اوتین دوستوں نے دلی میں گائے کا گوشت ، روٹی ، اور کھجی نہایت سیر
ہو کر کھایا ، اور چاروں آدمیوں کے پورے کھانے کی قیمت ایک جیل یعنی حدود چار سیر تھی ،
اس کے بعد ہندوستان کے ملائین اسلام کا اعلیٰ تذکرہ کیا ہے ،

سلطین جس میں ملائین غزنویہ سے شروع کر کے ملائین خیاریات الدین محمود کے
عہد پر ختم کیا ہے ، یہی آخر الذکر سلطان اور قلعہ شندی صاحب صبح الاعشی دونوں ہم عصر تھے ۔

سلطان محمد بن تغلق شاہ | اس کے بعد ان سلاطین اسلام میں سے اپنے دور
یعنی آٹھویں صدی ہجری کے فرمان رواے ہند
سلطان محمد بن تغلق شاہ کے عہد کو کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے، کیوں کہ شیخ مبارک
انباتی وغیرہ اسی عہد میں گذرے ہیں، اور اسی کے دربار سے وابستہ تھے، محمد بن تغلق
شاہ کے عہد حکومت کے یہ حالات ان ہی کے بیانیوں سے ماخوذ ہیں، اس عہد حکومت
کے حالات بیان کرتے ہوئے پہلے حکومت کے فوجی نظام اور عمال حکومت پر روشنی
ڈالی گئی ہے، پھر سلطان کے عام مشاغل دربار، سپروشکار اور طریقہ حکومت کو بیان
کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں لکھتا ہے:-

شاہی فوج | سلطان محمد بن تغلق شاہ (جلوس ۶۲۵ھ وفات ۶۵۲ھ)
کی شاہی فوج نولاکھ سے زیادہ ہو، جس میں ترکی، ایرانی،
اور ہندوستانی وغیرہ مختلف قومیں ہیں، فوج نہایت ذرق برق لباس میں لباس
اور نہایت شان و شوکت سے عینی گھوڑوں پر سوار رہتی ہے، شاہی فوج کے
عہدے بہ ترتیب یہ ہیں، خوزین، لوک، امراء، سپہ سالار اور سپاہی،
ان تمام عہدے داروں کے ماتحت مختلف تعداد میں فوج ہوتی ہے، جس کا نقشہ
حسب ذیل ہے،

(۱) خان (۱۰۰۰۰) دس ہزار سوار (۲) ملاک ایک ہزار سوار
(۳) امیر ایک سو (۴) سپہ سالار ایک سو سے کم
خاص بارگاہ سلطانی میں ۸۰ سے زیادہ خزانین حاضر رہتے ہیں، چھوٹے عہدہ
سپہ سالار وغیرہ بارگاہ سلطانی میں خود حاضر ہونے کی جرأت نہیں کر سکتے، او
حسب ضرورت وہ بھی بلند مرتبہ عہدہ داروں کے فرائض انجام دیتے ہیں،

سلطان حالت جنگ میں | میدان جنگ میں سلطان کے سر پر سات حیر لگائے
جاتے ہیں، جن میں سے وہ خصوصیت کے ساتھ

نہایت مرصع مطلق اور مذہب ہوتے ہیں، جنگ کا نقشہ یوں ہوتا ہے، سلطان خود قلب فوج میں ہوتا ہے، اور اس کے گرد گردانہ و ملّا اور ان کے بعد تیر انداز پرے جمائے کھڑے ہوتے ہیں، پھر سلطان کے دو بازوؤں پر ہینہ میسرہ بنائے جاتے ہیں، اور اس کے سامنے ہاتھیوں کا جھنڈ ہوتا ہے، ہاتھیوں پر برجوں سے ڈھکے ہوئے آہنی ہودج رکھے جاتے ہیں، جن پر تیر انداز سوار رہتے ہیں، اور پھر ان ہی برجوں کے ہر سمت میں سوراخ بنے ہوتے ہیں، جن سے تاک تاک کر نشانے لگائے جاتے ہیں اور ان ہی ہودجوں میں روغن لفظ ہوتا ہے، جو شیشہ کی نلیوں سے دشمنوں پر اچھالا جاتا ہے جس سے فتنے پیدا ہوتے ہیں۔

اس شاہی فوج کے علاوہ ایک متعین تعداد ملازمین ملازمین بارگاہ سلطانی

بارگاہ کی ہوتی ہے، جو امتثال امر کے لیے ہمہ وقت

محل شاہی کے گرد موجود رہتے ہیں:-

ترکی غلام	دس ہزار (۱۰۰۰۰)	خواجہ سرا	دس ہزار (۱۰۰۰۰)
خزانہ دار	ایک ہزار (۱۰۰۰)	بشمقدا	ایک ہزار (۱۰۰۰)
ہرکاب غلام (بادی کا ڈ)	دو ہزار (۲۰۰۰)	یہ اسلحہ سے آراستہ ہر مذ	ساتھ رہتے تھے،

شاہی فوج اور ملازمین بارگاہ کی تمام تنخواہیں دیوان سلطانی سے ادا ہوتی تھیں

عمال شاہی میں ایک وزیر اعظم ہے، جس کے چار سرکاری زکاتیں ہوتے ہیں، ہوگی زبان میں دبیر کے جاتے ہیں، اور پھر ہر دبیر

کے ماتحت ۲۰۰۰ ہوتے ہیں، صیغہ عدالت شاہی میں سب سے بڑا عہدہ دار قاضی قضاۃ ہے، جو نہایت بلند مرتبہ رکھتا ہے، اس کے ماتحت محتسب، شیخ الشیوخ اور ۱۲۰۰ اہل علم ہیں،

ان کے علاوہ سلطان کے عام درباری اور حاضر باش عمدہ دار اور اہل مناصب حسب ذیل ہیں:-

نام	تعداد	کیفیت
بازدار	۱۰۰۰	شکار کرنے والے جانوروں (باز وغیرہ) کو
سواق شکار ہنگانے والے	۳۰۰۰	گھوڑے پر اٹھائے ہوئے ہیں، شکار ہنگانے والے ہوتے ہیں
ندیم (مصاحب)	۵۰۰	
مغنی و مغنیات	۱۲۰۰	ان میں سے ایک ہزار غلام فن موسیقی پر پورا
شعرا	۱۰۰۰	کمال رکھتے ہیں، عربی، فارسی، اور ہندی زبان میں شاعری کرتے ہیں

جاگیر اور تنخواہیں | ان تمام عہدے داروں، اہل مناصب، اور درباری

توسلین کی مختلف جاگیریں اور تنخواہیں مقرر ہیں، جو خاص دیوان سلطانی سے ادا ہوتی ہیں، ممتاز عہدے دار اور اہل مناصب کی تنخواہیں اور جاگیریں حسب ذیل ہیں:

نام عہدہ	جاگیر یا تنخواہ	کیفیت
نائب کبیر	جاگیر ایک صوبہ	جو وسعت میں عراق کے اندر
نان	تنخواہ ۲ لاکھ تنگہ (روپیہ)	

امیر " ۳ ہزار سے ۲۰ ہزار تنگہ نام،

سپر سالار ۲۰ ہزار روپیہ

سپاہی اور چھوٹے عہدہ دار ایک ہزار تنگہ سے ۱۰ ہزار تک،

ملوک ایک ہزار تنگہ سے ۵۰ ہزار تک

غلام دس (۱۰) تقریبی تنگہ (ایک تنگہ ڈھائی روپیہ یا ماہانہ

۲ من گیہوں اور چاول اور ۳ سیر گوشت روزانہ

ارباب قلم میں سے حسب ذیل عہدہ داروں کی حسب ذیل تنخواہیں اور جاگیریں ہیں:

وزیر اعظم جاگیر ایک صوبہ جو وسعت میں عراق کے مثل ہو،

دبیر " ۳ شہر جو اپنی آمدنی کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہوتے ہیں،

نشی کبیر (سید ملک) تنخواہ ۱۰ ہزار تنگہ

مناصب حسب حیثیت و مرتبت کھڑے ہوتے ہیں، بیٹھنے کی اجازت صرف صدر جہاں یعنی قاضی القضاۃ اور خوانین کو ہوتی ہو، اور ان کے دیر بھی اپنے اپنے دفاتر منبھالے موجود ہوتے ہیں،

دربار کے افتتاح کے موقع پر ایک نقیب بہ آواز بلند پکارتا ہو: ”مظلومین اپنی فریاد سنائیں“ ”اہل حاجت اپنی ضرورتیں پیش کریں“، جیسے کوئی شکایت ہو، یا ہر وہ شخص جو حاجت مند ہو اس کے لیے اذن عام ہو کہ حاضر حضور ہو جائے، ”نقیب کے خاموش ہونے ہی اہل غرض ہلاک کھٹ سامنے آجاتے ہیں، اور سامنے کھڑے ہو کر نہایت صفائی سے حالات بیان کرتے ہیں، اثنائے بیان میں کسی کو کسی کے روکنے کی مجال نہیں، حالات سن کر سلطان خود فرمان قلم بند کرتا ہو،

سلطان کے سلسلہ رسل و رسائل اور پرچہ نویسی کا انتظام | سلسلہ رسل و رسائل نہایت عمدہ ہو، اور اس کی مختلف قسمیں ہیں، مثلاً مالک

کی عام رعایا کے درمیان چند ایسے افراد مخصوص ہوتے ہیں، جو عام حالات سے آگاہی حاصل کرنے پر مامور ہوتے ہیں، اور وہی لوگ اپنے اعلیٰ افسروں تک ہر قسم کی خبریں پہنچاتے ہیں جو بہ تند و تیز سلطان تک پہنچا دی جاتی ہیں،

دور دراز ممالک سے سلطان تک جلد تر خبر پہنچانے کا انتظام نہایت معقول ہو،

تمام ممالک سے قصر سلطانی تک سچستہ سرگس بنائی گئی ہیں، جن کے ذریعہ سے مصروف شام کی طرح ڈاک کا نہایت عمدہ انتظام ہو، اگرچہ ان ممالک میں ڈاک کا انتظام اس لیے زیادہ بہتر ہو، کہ آبادیاں ایک دوسرے سے دور نہیں ہیں، لیکن ہندوستان کی حالت اس سے مختلف ہو۔ وہاں نہایت دور دور پر آبادیاں قائم ہیں، لیکن اس دشواری کے

باوجود ہر چار فرلانگ پر ایک مکان بنا ہوا ہو، اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنے کے لیے دس دس ہرکارے مقرر ہیں، جو خطوط، فرامین، اور دوسری مرسلہ اشیاء نہایت تیزی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے ہیں، اور پھر ہی ترتیب سے نہایت سرعت کے ساتھ وہ ڈاک قصر شاہی اور قصر شاہی سے دوسرے مقام تک پہنچ جاتی

ہو، ڈاک کے اس راستہ میں ہر جگہ مناسب موقع سے مسجدیں، بازار اور کنوئیں موجود ہیں۔

شاہی سفر بڑے تزک و احتشام سے انجام پاتا ہو، ایک شخص گھوڑے پر سوار تاج شاہی پر چتر لگائے رہتا ہو، سلاح دار زرق برق

لباس میں ملبوس اپنے چکیلیں ہتھیلیاں سنبھالے ہوئے سواری کے پیچھے ہوتے ہیں، دہلی میں

تقریباً ۱۶ ہزار خدام بایادہ رہتے ہیں، سواری کے آگے طبل بجاتا رہتا ہو، طبل میں

۲۰۰ نقارے، ۴۰ کوس، ۲۰ بوق، اور ۱۰ جنگا ہوتے ہیں، سلطان کے ساتھ

دوسرے اعیان حکومت اپنے اپنے امتیازی جھنڈوں کے ساتھ ہم رکاب ہوتے ہیں

بعض خدائیں کوسات سات جھنڈوں کے رکھنے کی اجازت ہوتی ہو، ان اعیان

حکومت کے چند دیگر امتیازات خصوصی بھی ہوتے ہیں، مثلاً خدائیں عام طور پر دس

کوئل گھوڑے اپنے ہم رکاب رکھ سکتے ہیں، اور امراء کو صرف ۲ کوئل گھوڑوں

کی اجازت ہوتی ہو،

شکار میں سلطان کی بالکل جداگانہ شان و شوکت ہوتی ہو، وہ خود تو

شکار نہایت معمولی لباس میں ملبوس رہتا ہو، لیکن ایک لاکھ سوار اور دو سو ہاتھی

اس کے ہم رکاب رہتے ہیں، شکار کے سلسلے میں "قابل نقل و حرکت" محل خاص طور پر تیار کر

کے قابل ہو، یہ نہایت شان و شوکت کے ساتھ آراستہ دیرینہ قصر ہوتے ہیں، جو

میدان میں دو منزلہ کھڑے کیے جاتے ہیں، اور محل کی پوری عمارت زرکار ریشمی پردوں

سے ڈھلی ہوتی ہو، اس کا سامان دو سو اونٹوں پر بار بھرتا ہو، اور دیگر خیمہ و خرگاہ

جو شکار کے لیے مخصوص ہیں، اس کے علاوہ ہیں، لیکن جو سفر محض تفریح کی خاطر ہوتے

ہیں، ان میں تقریباً تیس ہزار سوار اور ایک ہزار کوئل گھوڑے ساتھ ہوتے، جو جو اہل

و با قوت کے طبقوں سے آراستہ ہوتے ہیں،

محلات شاہی بیس سے ایک عظیم الشان قصر

میں حکومت کا صدر دفتر ہو، بارگاہ سلطانی

میں کسی کو ہتھیار بند حاضر ہونے کی اجازت

سلطان و عمال سلطانی کے

معمولات و امور

نہیں، یہاں تک کہ معمولی چھتری بھی ہاتھ میں نہیں رکھی جاسکتی، سلطان خود سات دروازوں کے اندر بیٹھتا ہو، باریاب ہونے والوں کو پہلے ہی دروازہ پر سواروں سے اتر جاتا پڑتا ہو، صرف چند مخصوص اہل مراتب چھ دروازوں تک سوارا سکتے ہیں، لیکن یہ محض معدودے چند افراد کی خصوصیت حاصل ہو، پہلے دروازے پر بوق و طبل کا اہتمام ہوتا ہو، جب معزز عمدہ دار حاضر بارگاہ ہوتے ہیں، تو ان کی شان و انیاز کے لیے وہ بجائے جاتے ہیں، قصر شاہی کا ساتواں دروازہ صرف ایک مرتبہ کھلتا ہو، لوگ جیسے جیسے آتے جاتے ہیں، ساتویں دروازے پر کھڑے ہوتے جاتے ہیں، جب شرف حضوری رکھنے والوں میں سے ہر ایک شخص آجاتا ہو، تو خاص اہتمام سے وہ ساتواں دروازہ بھی کھول دیا جاتا ہو، تو سب لوگ ایک ساتھ باریاب ہو کر آداب شاہی بجالاتے ہیں، پھر جمہ اہل مناصب کو بیٹھنے کی اجازت عطا رہتی ہو، وہ حسب مرتبت نشستوں پر بیٹھ جاتے ہیں، اور بقیہ تمام اشخاص سر جھکائے کھڑے رہتے ہیں، باریابی کے ان آداب و مراسم کی ادائیگی کے بعد ہر شخص اپنے اپنے دفتر میں اپنی اپنی جگہوں پر چلا جاتا ہو، اور روزانہ کے کام میں مصروف ہو جاتا ہو، ان عمال شاہی میں سے وزیر اعظم، قاضی القضاۃ، اور دیروں کی نشستیں علیحدہ کمروں میں سلطان کی نگاہ سے اوجھل ہوتی ہیں،

اس کے بعد مختلف حاجب اپنے اپنے فسر اعلیٰ کی خدمت میں آتے ہیں، اور اباب مظالم اور مظلوموں کے تمام مقدمات کی مسلیں تفصیل سے پیش کرتے ہیں، پھر وہ فسر اعلیٰ ان تمام مسلوں کو سلطان کے سامنے پیش کرتا ہو، اور سلطان مطالعہ اور غور و خوض کے بعد اپنے احکام ثبت کرتا ہو، پھر سلطان کے اٹھ جانے کے بعد حاجب اعلیٰ تمام کاغذات و بیروں کے رد و پیش کرتا ہو، اور وہی احکام سلطانی کو نافذ کرتے ہیں، سلطان شاہی دفتر سے اٹھ کر ایک دوسری بزم خاص میں آتا ہو، یہاں علماء و ماہرین فن، اور اباب ادب جمع رہتے ہیں، اور سلسلہ بحث و مناظرہ جاری ہوتا ہو، اور پھر سب لوگ یہیں سے کھانے پر جمع ہوتے ہیں، اس کے بعد ہر شخص اپنی اپنی اقامت گاہ

پر چلا جاتا ہو ، اور سلطان قصر شاہی میں جا کر آرام کرتا ہو ،

محمد بن تغلق شاہ کا عہد حکومت | شیخ مبارک انبائی سلطان محمد بن تغلق شاہ
کے شان و شوکت ، جاہ و جلال اور خدم

و حشم پر عام طور سے یوں تبصرہ کرتے ہیں ،

”مسند شاہی اپنے عظمت و جلال اور تو انین شاہی اپنے عدل و انصاف اور نظام مملکت
اپنے ضبط و نظم میں ساری دنیا میں بے نظیر ہیں ، دنیائے اس سے پہلے صرف دو نظارے
دیکھے تھے ، ایک سکندر ذو القرنین کے وقت میں اور دوسرے طاہر شاہ بن
الپ ارسلان کے عہد میں ، اور اب وہی شان و شوکت ، جاہ و جلال اور کرد و فر
محمد بن تغلق کے عہد حکومت میں ہندوستان میں نظر آتا ہو“ ،

(دمبر سنہ ۶۲۰ھ)

یہ دیکھا جاتا ہے کہ جو شخص مسلسل کام کرتے کرتے تھک جاتا ہے وہ کبھی وقت و فحشہ کام چھوڑ کر کسی ہنسیاری حرکت میں مشغول ہو جاتا ہے جس سے اس کی پچھلی مشغولیت اور اس کے بعد کے کرنے والے کام میں ایک فصل پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے اس کی تھکن دور ہو جاتا ہے، اور وہ اپنے قویٰ کو سمیٹ کر نئی قوت اور تازگی سے کام شروع کر دیتا ہے، جو حال افراد کا ہوتا ہے، وہی جماعتوں اور قوموں کا ہے، قوموں کی زندگی مسلسل طور پر اپنی جدوجہد میں لگی ہے، اور اجتماعی حیثیت سے کسی راہ پر جا رہی ہے، اس لیے اسے بھی سید اکرے اور اس میں نئی قوت اور تازگی پیدا کرنے کے لیے ایک کروٹ لینے کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ وہ بھی اپنی پچھلی و آئندہ زندگی میں فصل پیدا کرے، اور نئے جوش اور دلولہ سے نئی راہ پر چلنے کے لیے تیار ہو جائے، اسی روز فصل کو مختلف قوموں اور ملتوں میں مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، اور جشن کی، نورت میں دھوم دھام سے منایا جاتا ہے،

عیدین کے احکام | اسلام میں اچھلی ہاتھوں کی طرح سال کے دو موقعوں پر جشن کے یہ دن مقرر کیے گئے ، اور جس طرح پچھلی ہاتھوں میں ان کی تومید ، ست اور دین کے بعض اہم واقعوں کی یاد منانے کے لیے وہ دن مقرر تھے ، اسی طرح اسلام نے بھی دو اہم موقعوں کی یاد منانے کی ضرورت میں مناسک کا حکم دیا ، دو دنوں عید فطر اور عید اضحیٰ ہیں ، اس کے علاوہ عام نے ان دونوں عیدوں کے منانے میں مسلمانوں کے لیے

مختلف قسم کے دینی، معاشرتی، اور اجتماعی فوائد ملحوظ رکھے ہیں، مثلاً
 (۱) مسلمانوں کے لیے قومی و ملی حیثیت سے سب سے زیادہ مبارک دن وہ ہے
 جس دن قرآن پاک اس زمین پر اتر اس کے ذریعہ سے باطل مٹا گیا، اور
 حق کا بول بالا ہوا۔ جہل کی تاریکی پھٹ گئی، اور علم کی روشنی پھیلی، اور انسان
 نے سیدھی اور سچی راہ پر چلنا سیکھا، اس لیے اس کو قومی مسرت کا باعث قرار دیا
 گیا، روزے اس ماہ مبارک میں فرض کیے گئے جس میں قرآن پاک نازل ہوا
 اور پھر ان کی ادائی کے شکر میں جشن عید منانے کا حکم دیا گیا، فرمایا:-

ولتکبروا لله علی ما هدانا لکم (بقرہ - ۲۲)

(۲) عید اضحیٰ کے ذریعہ سنت ابراہیمی کی یاد تازہ کی جاتی ہے کہ انھوں نے حق کی
 راہ میں اپنی عزیز اولاد کی گردن پر اپنے ہاتھ سے جھری پھیر دینے میں تامل
 نہیں کیا، اور دنیا کو سبق سکھایا کہ حق کے آگے عزیز ترین اولاد تک کو قربان کر دینا
 چاہیے، اور اسی قربانی سے حق کے علم بردار نے فردوسی طاقت پر فتح پائی، اس لیے
 بے مثال فدایت کے اعزاز میں اس دن کو مسلمانوں کے لیے خوشی کا دن قرار
 دیا گیا، ارشاد ہوا:-

وقد بینا بذبج عظیم (صفت)

(۳) دین فطرت کا ظہور غرب کی بے آب و گیاہ زمین سے ہوا تھا، خاتم المرسلین حضرت
 محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر اس دین کو پایہ تکمیل تک پہنچایا،
 اور کہیں خدا کا جو سب سے پہلا گھر بنایا گیا، دینی حیثیت سے اس کی مرکزیت کی تصدیق
 فرمائی، اور استطاعت کھنے والوں کے لیے اس کی زیارت کرنا فرض ٹھہرایا، حکم
 دیا گیا،

والله علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً

(آل عمران ۱۰)

(۴) بیت اللہ کے حج میں مختلف ملکوں اور گروہوں کے ایک جگہ جمع ہونے اور دین

اور دنیا کے مسئلوں پر تبادلہ خیال کرنے سے اسلام کو اجتماعی حیثیت سے فائدہ پہنچانے ، مسلمانوں کی باہمی اصلاح کرنے اور مختلف ملکوں کے مسلمانوں کی ضرورتوں سے ایک شریک کے باخبر ہونے کے موقع حاصل ہونے کے امکانات رکھے گئے۔

فاجعل افئدة من الناس تهوى اليهم (ابراہیم - ۶)

(۵) اسلام نے عالم گیر مسادات اور برادری اور انسانی ہمہ دلی کی دعوت دی ہے عیند کے تہواؤں کے ذریعہ سے اس نے اس مقصد کے حاصل کرنے کی کوشش بھی کی ہے، ان تہواروں کو امیر اور غریب ، دولت مند اور فقیر سب کے لیے یکساں خوشی کا دن یا اور ان موقعوں پر ان دونوں طبقوں کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کی کوشش کی جتن میں ہم رنگ ہو کر ملنے جلنے کے موقعے ہم پہنچائے ، امیروں کی دولت میں سے اس خاص موقع پر ایک مقرر رقم غریبوں کے لیے نکالنے کا حکم دیا ، عید فطر میں صدقہ ، فطر کے نام سے ہر استطاعت رکھنے والے پر غلہ کی ایک مقدار یا اس مقدار کی قیمت نقد رقم کی شکل میں نکال کر غریبوں میں بانٹنے کا حکم دیا ، عید اضحیٰ میں قربانی کے گوشت میں سے ایک حصہ غریبوں کے لیے خاص کر دیا ، اور تاکید کی کہ اگر وہ حصہ انھیں دے نہ دیا جائے ، تو اصل قربانی ادا نہ ہوگی ، شریعت نے عیدین کے تہواروں میں یہ وراسی قسم کی بہت سی مصلحتیں نہاں کھی ہیں ، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ان مصلحت پر اجمالی نظر ڈالی ہے ، فرماتے ہیں :-

عیدین کی بنیاد یہ ہے کہ ہر قوم میں ایک دن ایسا ہوتا ہے جس میں وہ زینب زینت کرتی ہے ، اور اپنے گھروں کی زینب زینت میں نکلتی ہے ، یہ ایک ایسی روش ہے جس سے عرب عجم کی کوئی قوم خالی نہیں ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو اہل مدینہ دو دنوں میں کھیل کود کرتے تھے ، آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ دو دن کیسے ہیں ان لوگوں نے کہا کہ ہم زمانہ جاہلیت میں ان دونوں دنوں میں کھیل کود کرتے تھے ، ارشاد ہوا کہ خدا نے ان کو ان دونوں سے بہتر دنوں سے بدل دیا ، اور وہ دو دن عید اور بقر عید کے دن ہیں ۔

کہا جاتا ہے، کہ وہ دونوں دن نوروز اور ہر جان کے تھے، لیکن وہ اس لیے بدل دیے گئے، کہ لوگ جو عید مناتے ہیں، اس کا سبب یا تو یہ ہوتا ہے کہ اس وقت شاعرین کا بول بالا ہوتا ہے، یا کسی پیشوائے مذہب کی توقیر مقصود ہوتی ہے، یا اسی قسم کا کوئی اور سبب ہوتا ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہوا کہ اگر اہل مدینہ کو اسی روش پر چھوڑ دیا گیا تو اس سے یا تو کسی جاہلی اخراج کا بول بالا ہوگا، یا اناتوں کا جاہلیت کی کسی مذمت کی ترویج ہوگی۔“

اس لیے آپ نے ان کو ایسے دو دنوں سے بدل دیا جن سے ملت ابراہیمی کے شعائر کا بول بالا اور ان دنوں میں زریف زمینیت کے ساتھ ذکر خدا اور اطاعت الہی کے چند بوج بھی شامل کر دیے تاکہ مسلمانوں کا اجتماع محض نہ ہو بلکہ لیے نہ ہو ورنہ ان کا کوئی اجتماع اعلیٰ کلمۃ اللہ سے خالی نہ ہو ان میں ایک ن تو وہ ہے جب وہ لوگ روزہ فایض ہو چکے ہیں اور ایک قسم کی زکوٰۃ ادا کر چکے ہیں اس لیے ایک تو طبعی خوشی ہوتی ہے، کہ جو چیز امن پر خالق تھی، اس سے فرغت حاصل ہو گئی، اور فقیروں نے صدقات لے لیے، دوسرے عقلی مسرت ہوتی ہے، کہ خدا نے جو چیز ان پر فرض کی تھی اس کے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی، اور ان کے اہل دخیال کو دوسرے سال تک کھرا دن پر احسان فرمایا۔“

دوسرا دن وہ ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمعیل کو ذبح کرنا چاہا، لیکن خدا نے اول اون پر احسان کیا، کہ ان کے بدلے ایک دوسرا فدیہ لے لیا، اس طرح اس دن ملت حنیفیہ کے پیشواؤں کی یاد تازہ ہوتی ہے، اور خدا کی راہ میں جان و مال کی قربانی اور صبر کا ان سے سبق لیا جاتا ہے، ان دنوں میں نمرہ تکبیر خاص طور پر بلند کرنے کا حکم دیا گیا، کیوں کہ اس میں عاجیوں کی مشابہت ان کی عزت اور وہ جس حال میں ہیں اس کی طرف شوق کا بھی اظہار ہوتا ہے، اس لیے تکبیر کرنا سنت ہے، اور خدا نے اس آیت میں اس کا حکم دیا ہے، وَاذْكُرْ اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىکُمْ یعنی خدا نے تم کو رزق کی جو توفیق عطا فرمائی ہے، یہ اس کا شکر کرو۔

اس لیے قربانی کرنا اور ایام منی میں باؤڑ بند کھیر کرنا مسنون فرمایا، اور جو شخص قربانی کرنا چاہتا ہو، اس کے لیے یہ سب کچھ فراہم کیا کہ بال نہ منڈوئے اور نماز اور خطبہ کو مسنون کیا تاکہ مسلمانوں کا کوئی اجتماع خدا کے ذکر اور شعائر دین کی سرپرستی سے خالی نہ ہو،

اس کے ساتھ شایع نے شریعت کے مقاصد میں سے چند چیزیں اس میں ملا دیں وہ یہ کہ ہر ملت کے لیے ایک جگہ نوذکر ضرورت پڑتی ہو، جہاں جمع ہو کر وہ اپنی شوکت اور اپنی تعداد کی کثرت کی نمائش کر سکیں اس لیے تمام لوگوں کو عید گاہ میں جانے کو مستحب کیا گیا، یہاں تک کہ بچوں، بوڑھی عورتوں، جوان اور کم سن لڑکیوں کے ٹھکنے کی بھی اجازت دی گئی، اور اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ جانے اور آنے میں لستے ملتے تھے، تاکہ مختلف ہتوں کے لوگوں کی نظر سے مسلمانوں کی شوکت کا نظارہ گزرے، اور یہ کہ عید کی اصل ذریعہ و ذریعہ تھی، اس لیے خوش پوشی اور لگانے بچانے کے تعزیری مسلمانوں کی اجازت دی گئی۔

عیدین کے موقع پر تعزیری
 اسلام کی عملی زندگی میں اہل ولایت تعزیری مشغلوں کی گنجائش نہیں،
 اگرچہ یہاں اقتباس بالابن شاذانہ گذرا، عید کے موقع پر ہشتائی طریقہ
 مشاغل اور ان کو حشریم پوشی
 ان مشاغل کی طرف سے حشریم پوشی کی گئی ہو، حشریم پوشی کا اپنی عید کے دن
 گانا بجانا حضرت عائشہ صدیقہ کما تاشا دیکھنا، اور حضرت علیؑ اللہ علیہ وسلم کا تاشا دکھانا، حدیث کا شہرہ
 و قہر ہو، امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو کتاب العیدین میں ایک خاص باب بندھ کر راج کیا ہو،
 پھر امام بخاری نے اہل ہلام کے لیے عید منانے کا طریقہ کے عنوان سے ایک
 اسلام میں عید منانے کا طریقہ باب بندھا ہو، اول اس میں حسب میل و تہین راج کی ہیں،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو، انھوں نے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ
 دیتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا کہ آج کے دن ہم سب سے پہلے جو کام شروع کریں گے، وہ یہ کہ ہم نماز پڑھیں گے،
 پھر ہم دہس جا کر قربانی کریں گے، جس نے ایسا کیا اس نے ہمارے طریقہ کو پورا کیا،

حضرت عائشہ سے روایت ہو کہ انھوں نے کہا کہ اؤ بڑھائے اور ہمارے پاس انصار کی دو بانیاں ہنشاہ

گاہی تھیں، جو انصائے ہواٹ کی لڑائی کے متعلق کہے تھے، اوپر دونوں باندیاں مغینہ نہیں تھیں، دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ نے کہا ”یہ بیٹھانی ہر میر رسول اللہ کے گھر سے“ اور وہ دن عید کا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ سے جواب میں، فرمایا ”اے ابو بکر! ہر قوم کے لیے عید کا دن ہوتا ہے، یا یہ فرمایا کہ ”یہ ہماری عید کا دن ہے“

حافظ ابن حجر نے ان مثنویوں پر غنا اور ابو لبیب کے رد میں یہی بحث کی ہے، تاہم انہوں نے یہ قرار کیا ہے کہ ان مثنویوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ عید میں خوشی کا ظاہر کرنا دین کے شعائر سے ہے۔

عید منانے کی اصلی نصابیت | حجتہ اللہ البالغہ، صحیح بخاری اور فتح الباری کے ان قبباسوں سے یہ اندازہ ہوگا، کہ مسلمانوں کے ان دونوں تہواروں میں دو چیزیں

شامل ہیں۔

(۱) دین اور شعائر دین کو سر ملنے کرنا۔

(۲) اجتماعی حیثیت سے جشنِ مسرت منانا، چنانچہ مسلمان اپنی ترقی کے نام میں جب ان کی سلطنت کو عروج تھا، پوسے جوش و خروش سے عید مناتے تھے، اور اس میں ہلام کے تہواروں کے حقیقی منشا کے پہلو نمایاں نہ ہوتے تھے، اگرچہ دولتِ ثروت کی بہتات سے ابو لبیب بظہری منشا غلہ و قوت کا پہلے بچ گئے تھے، مگر پھر بھی ہلامی تہواروں کے دو کے حقیقی منشا نظر انداز نہ ہوتے تھے، مسلمان مومنین اور یہاں جس نے مختلف ملکوں کے حالات میں ہاں عید منانے کے طریقوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے، خصوصاً مکہ معظمہ، دمشق، مصر، اور خراسان وغیرہ میں عید کے جشن بڑی دھوم دھام سے منائے جاتے تھے، عید سے ایک دن پہلے ہزاروں بچے کپڑے خلعت کے طور پر تقسیم کیے جاتے، عید کے دن سلاطین بچے تڑکے احتشام سے شاہی محل سے نکلنے کے واسطے اس کی شکل میں عید گاہ جاتے، وہیں ان کو روبرو ہنقد کرتے، امراء سے نذر قبول کرتے، اور غریبوں میں ہزاروں لاکھوں روپیے تقسیم کر دیتے، عید کی دعوت بڑی دھوم دھام سے ہوتی، اور فقراء میں کھانے تقسیم کر دیتے، ہزاروں کبریاں اور بیٹھوں کی قربانی کی جاتی، اور گوشتِ حوتوں میں خرچ ہوتا، اور غریبوں میں بانٹا جاتا، تھوڑے تھوڑے فرقوں کے ساتھ مختلف ملکوں میں یہی طریقہ رائج تھے،

ہندستان میں عید کے ہتوار | مشہور مسلمان سیاح ابن بطوطہ آٹھویں صدی ہجری میں سلطان محمد بن تغلق کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا، اس نے یہاں کی عید کے جشن کے چشم دید حالات اپنے سفرنامہ میں لکھے ہیں، جن سے ہندستان کے عید اسلامی میں مسلمان سلاطین کا عید کی خوشی منانے کے طریقوں کا حال معلوم ہوتا ہے، ہندستان کی تاریخ نے لی جی رکھنے والوں کے لیے اس کا مطالعہ دل چسپ ہو گا۔

خلعت کی تقسیم | چنانچہ دوسرے اسلامی ملکوں کی طرح ہندستان میں بھی سلطان عید کے خلعت سے خاص دوام کو سرفراز کرتا تھا، اور خلعت عید کی صبح طلوع ہونے سے پہلے لوگوں کے پاس بھیج دیا جاتا تھا تاکہ وہ شاہی خلعت میں لبوس ہو کر عید کے مراسم میں شریک ہو سکیں، ابن بطوطہ لکھتا ہے :-

”سلطان نے عید کی رات کو امیروں، خواہوں، سلطنت کے معززوں، حاشیہ نشینوں، عہدہ داروں، نقیبوں، افسروں، غلاموں اور پرچہ نویسوں کے پاس دستور کے مطابق عمومیت کے ساتھ خلعت بھیجی،“

عید کا شاہی جلوس | اس کے بعد اس نے عید کی صبح سے شب تک دل چسپ نظارہ قلم بند کیا ہے، وہ لکھتا ہے

جب عید کی صبح آئی تو سب ہاتھی ایشی جھولوں اور سونے اور جوہرات سے سنوایے گئے ان میں سے ۱۶ ہاتھی خاص شاہی سواری کے لیے تھے ان کو ٹی سوار نہیں ہو سکتا تھا، بلکہ ہر ہاتھی کے اوپر جوہرات سے صغیر شیم کا چتر تھا، اور تیرہ سونے کے ٹھوس ڈنڈوں میں لگے ہوئے تھے اور ہر ہاتھی پر جوہرات کی مچھنی لگی ہوئی تھی، ان میں سے ایک ہاتھی پر بادشاہ سوار ہوتا ہو بادشاہ کی سواری کے آگے غلاموں کی پادشاہ صف ہوتی ہے، جو مسروں پر مٹلا کلاہ شاہیہ پہنتے بہتے ہیں اور ان کی کمر میں بھی مٹلا پٹی بندھی رہتی ہے، غلاموں کی صف کے بعد تقریباً تین سو کی تعداد میں نقیب ہوتے ہیں، جو پوستین کی مٹلا کلاہ اوڑھے بہتے ہیں، اور ان کی کمر میں مٹلا پٹی ہوتی ہے اور ان کے ہاتھوں میں سونے کے دستہ کی چابک ہوتی ہے، پھر قاضی القضاۃ، صدر جہان، کمال الدین غزنوی، قاضی القضاۃ صدر جہاں ناصر الدین خوارزمی اور دوسرے تمام

عرافی، شامی، ہمسری، اور مغربی قضاۃ ایک ایک باقی پر سوار ہوتے ہیں، پھر موزوں کی صورت پر پھیل جاتے ہیں، جو بلند واز سے بکیر رکھتے جاتے ہیں۔

سلطان جلوس کی اسی ترتیب کے ساتھ شاہی محل سے نکلتا ہے، محل کے سامنے نوچیں

اس کی منتظر رہتی ہیں، ہر امیر اپنا اپنا لشکر اپنی اپنی نوبت اور علم کے ساتھ لیے علیحدہ کھڑا ہوتا ہے، سلطان جب باہر آتا ہے تو اس کے آگے آگے وہی لوگ ہوتے ہیں، جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اور سلطان کے پیچھے اس کے خدام، علم بردار، نوبت بردار، نقارچی، باجے والے اور اس کے خادموں کی جماعت ہوتی ہے۔

جلوس میں ان سب کے بعد سلطان کے بھائی مبارک خان کی سواری، اس کے خدام و ختم اور لاؤنٹنر کے ساتھ ہوتی ہے، پھر اسی ترتیب سے سلطان کا بھتیجا بہرام خان اور اس کے خدام و ختم، پھر چار واد بھائی کا غیر وزع خدام و ختم شاہی خاندان کے بعد وزیر اور امراء کا نمبر آتا ہے، وہ (ہاں) ترتیب بہت سے امراء کے نام ہیں، اپنی اپنی حیثیت اور مرتبہ کے لحاظ سے یکے بعد دیگرے جلوس میں شریک ہوتے ہیں، ان میں سے جن لوگوں کو نوبت و نقارہ رکھنے کا حق حاصل ہے، وہ نوبت و نقارہ کے ساتھ اور جو اس مرتبہ تک نہیں پہنچے ہیں، وہ نوبت و نقارہ کے بغیر ہوتے ہیں، نیز ان میں ہر شخص زدہ پوش ہوتا ہے

جب یہ شاہی جلوس عید گاہ کے دروازے پر پہنچتا ہے،

شہنشاہ ہندستان عید گاہ میں

تو سلطان عید گاہ کے دروازہ پر خود باقی سے اترتا ہے، اور امام نواز پڑھنا کر خطبہ پڑھتا ہے جس میں سلطان شریک ہوتا ہے،

اور اگر عید ہوتی ہے، تو نواز کے بعد سلطان قربان گاہ میں آتا ہے

شہنشاہ کا قربانی کرنا

اور ایک نیزے سے اونٹ کو خر (قربانی کرتا ہے، اس وقت وہ ایک بیٹی چارواڑ لیتا ہے، تاکہ خون کی چھینٹوں سے کپڑے خراب نہ ہونے پائیں، پھر سلطان قربانی کے بعد شاہی محل میں اس چلا جاتا ہے

عید کے دن محل پر بی غریبوں سے بھایا جاتا ہے، پورے محل میں فرش بھایا جاتا ہے، صحن میں بہت بڑا شامیانہ سجھ بار کہ (بارگاہ) کھتے ہیں،

عید کا دربار

بعد سے سوئے کھبوں پر کھڑا کیا جاتا ہی، اور اس کی چاروں طرف اس سے لگے ہوئے نیچے کھڑے کئے جاتے ہیں، اس شانِ سیانہ کے اندر جگہ جگہ پر معنوی و زخمت لگائے جاتے ہیں جن میں کھیلے ہوئے پھول اور کلیاں بتائی جاتی ہیں، ان درختوں کی تین قطاریں ہوتی ہیں، اور ان کے بیچ میں سوئے کا بڑا تخت بچھایا جاتا ہی، اس پر بیٹھی گدے بچھائے جاتے ہیں جس میں جو ہر اسٹکے ہوتے ہیں، یہ تخت خاص سوئے کا ہی، اس کا طول ۳۲ بالشت اور عرض ۱۰ بالشت ہی، یہ تخت الگ الگ ٹکڑوں کا بنا ہوا ہے، جو بچھاتے وقت جوڑ دیے جاتے ہیں، ان میں سے ہر ایک ٹکڑا اس قدر دھنی ہو، کہ اس کو کوئی آدمی مل کر اٹھاتے ہیں، اس تخت کے

اوپر کسی کچھائی جاتی ہی، اس پر سلطان ملوہ فردزہوتا ہی

تخت کے پاس سوئے کی ایک میٹھی رکھی جاتی ہی، یہ بھی تین ٹکڑوں کی بنی ہوئی ہی، جو ایک دوسرے سے ملائے جاتے ہیں، اس میٹھی میں تین خانے ہیں، اس میں محمد و جنبر اور لالہ بچی ملا کر دربار میں خوشبو کرتے ہیں،

بارگہ کے تین دروازے لگتے ہیں، اول دروازے پر حاد الملک سر تنہ کھڑا ہوتا ہی، دوسرے دروازے پر ملک یکہ اور تیسرے پر پوسٹ بفر۔ ان کے دائیں بائیں دوسرے امراء کھڑے ہوتے ہیں، بارگہ کا کووال طغی ہی، اس کے ہاتھ میں سوئے کی چھڑی ہوتی ہی، اور اس کے نائب کے ہاتھ میں چاندی کی، یہ دونوں درباریوں کو ان کی اپنی اپنی جگہ پر بٹھاتے ہیں، اور دونوں کو درست کرتے ہیں، وزیر اور کاتب اس کے کچھ کھڑے ہوتے ہیں، حاجب بلال و نقیب بنی اپنی جگہ پر ہوتے ہیں، اور غلاموں کے ہاتھوں میں چاندی سوئے کے گلاب پاش ہوتے ہیں، وہ حاضر ہی ہنگام بھر کھڑے رہتے ہیں،

جس وقت سلطان تخت پر قدم رکھتا ہی، حاجب و نقیب بلند آواز سے بسم اللہ کہتے ہیں، پھر لوگ سلام کرنے (مجاہد اللہ) کے لیے کیے بعد درگاہ حاضر ہوتے ہیں، سب سے پہلے قاضی القضاۃ آتا ہی، اس کے بعد خطباء، علماء، مشرفاء، مشائخ، شاہی خاندان کے اکل معززین، وزراء، قاضین، لشکر وغیرہ رہاں پر حمد وں کے نام بتدریب میں آتے ہیں اور اسی ترتیب سے مجرا بجالاتے ہیں،

دربار میں جشن عید کی نذریں | دربار میں شاہی آداب کے مطابق نذر پیش کی جاتی ہیں

چنانچہ بڑے بڑے جاگیردار بشیرومالوں میں ہتھکڑیاں باندھ لاتے ہیں، اور ان میں ان کے نام کا پرچہ بھی لکھا ہوا رہتا ہے، وہ ان رومالوں کو سونے کے ٹکے ملشت میں جو اسی غرض سے سلطان کے سامنے رکھا رہتا ہے، رکھ دیتے ہیں، اس طریقہ سے بہت بڑی رقم جمع ہو جاتی ہے اور سلطان جبے بخش کرنا چاہتا ہے، دیتا ہے۔

یعنی یہ نہیں شاہی خزانہ میں داخل نہیں کی جاتی تھیں، بلکہ سلطان ان رقموں کو مختلف لوگوں میں داد و دس کے طور پر تقسیم کر دیتا تھا، اور جشن عید کی خوشی میں بیڑوں کی حبیب غریبوں کی احتیاجیں سلطان کے توسط سے پوری ہوتی تھیں۔

طعام محل قصور سردار | دربار کے شاہی مراسم کے ادا ہونے کے بعد کھانے کا انتظام دعوت اور محل قصور سردار کیا جاتا تھا، اور کھانے سے فایز ہونے کے بعد گانے والوں کے طائفے آتے تھے، اور دریا تک قصور سردار کی محفل بھی رہتی تھی، اس کے بعد بار برخواست ہو جاتا تھا، چنانچہ ان بطور لکھتا ہے۔

”سلام ہو چلتا ہے، تو کھانا آتا ہے، اور سرگرم لوگوں کے سامنے رکھا جاتا ہے۔۔۔ پھر گانے والوں کے طائفے آتے ہیں، اور اپنے قصور سردار کا کمال دکھاتے ہیں۔۔۔ پھر مصر کے وقت شروع ہوتا ہے پھر دوسرے واقعہ کے بعد اسی ترتیب سے دربار لگتا ہے، اور قصور سردار کی محفل گرم ہوتی ہیں تیسرے دن شاہی خاندان کے لوگوں کے کھانے ہوتے ہیں، اور ان کو بھی جاگیر عطا کی جاتی ہیں، چوتھے دن غلام آزاد کیے جاتے ہیں پانچویں دن بانیوں کے آزاد کرنے کی باہمی آتی ہے، چھٹے دن غلاموں کو بانیوں کے نکاح ہوتے ہیں اور ساتویں دن خیرات تقسیم کی جاتی ہے جو بڑی مقدار اور تعداد میں تقسیم ہوتی ہے،“

اس عید کے پہلا ہی ہند میں عبدین کے ان مراسم میں اگرچہ شاہانہ شان و شوکت کی غیر معمولی تلاش اور مصرفانہ تکلفات کی جھلک نظر آتی ہے، بائیں ہند اسلام کے تہواروں کے منانے میں شامع علیہ السلام نے جو حقیقی مصاحح نہیں رکھے تھے اور جن کا اجمالی تصور اور پیش کیا گیا، ان کے کچھ نہ کچھ دھندلے نقوش ان شاہانہ مراسم میں بھی موجود تھے جو اب ہماری معاشرتی زندگی میں گویا خواب خیال بن چکے ہیں

(فروری ۱۹۳۸ء)

”پٹھان اور غل کی صلیت“

(مولانا عبدالمجید صاحب دہلوی (مدیر صدق لکھنؤ) اپنے ایک گرامر نامہ میں فرماتے ہیں ”صدق میں ایک سوال کیا آیا ہے“ مجھے عرصہ سے غل اور پٹھان کی تحقیق کی ضرورت ہے، انھوں کا خیال ہو، کہ جن مسلمانوں نے ہندوستان کو فتح کیا، ان کو فتح ثانی یا فتحان کہتے تھے، یہی رفتہ رفتہ پٹھان ہو گیا، بہر حال سوال یہ ہو کہ ان دونوں قوموں کی وجہ تسمیہ کیا ہو؟ اور ان کا سلسلہ نسب کیا ہے؟ جواب اس کا خواہ معارف ہی میں ملے، خواہ صدق کے لیے لگ آ جائے، بہر حال مجھے اطلاعات جلد مل جائے تو بہتر ہے،“

نیز جناب محمد اعظم صاحب (جہلم) کا ایک تنفساڑا تھا کہ ”کیا ترک، کرمانی، غل، تٹار ہی پانڈنی قومیں ایک ہی اصل سے ہیں یا علیحدہ علیحدہ ہیں“

ان تنفساڑوں کے جواب میں جو کچھ عرض کیا گیا، وہ درج ذیل ہو

لفظ پٹھان کی وجہ تسمیہ | لفظ پٹھان کی وجہ تسمیہ کے تعلق مختلف اقوال منقول ہیں جن میں سے بعض کا بے حقیقت ہونا ظاہر ہے، جیسے فرشتہ کا بیان کہ چون کہ

افغان پڑنے میں اگر آباد ہوئے تھے، اس لیے وہ پٹھان کہ گئے، حالانکہ پٹھانوں کے متعلق معلوم ہو، کہ وہ پہلے شمالی مغربی ہند کے میدان پنجاب سندھ میں آباد ہوئے تھے، شمالی مشرقی میدان میں وہ اس کے بہتوں کے بعد آئے تھے، اسی طرح مرسلہ سوال نامہ میں پٹھان کی وجہ تسمیہ فتح خان یا فتحان جی بیان

کا گئی ہو اس کو بھی اسی قسم کی ایک بے اصل روایت سمجھنا چاہیے،

پٹھانوں کو افغان بھی کہا جاتا ہو، اور اس سے یہ سمجھا جاتا ہو، کہ پٹھان دراصل یہی ہیں، جو افغانستان سے آئے ہیں، اس لیے افغان اور پٹھان دونوں ہم معنی لفظ قرار پاتے ہیں، اور اسی لیے ہند

میں پٹھاؤں کی حکومت کو افغانی حکومت سے موسوم کیا جاتا ہو، لیکن بعض لوگوں نے ان دونوں کے

مفہوم میں اطلاق میں فرق کر لیا، اور افغان سے چند مخصوص قبائل درانی وغیرہ کو مراد لیا ہو، اور

پٹھان سے ان تمام قبائل کو موسوم کیا ہے، جو پشتو زبان بولتے ہیں،

حقیقت یہ ہو، کہ اس قوم کو افغان کے نام سے ابتدائے شریعی طور پر غیر لکھوں نے موسوم کیا

پھر رفتہ رفتہ دریائوں اور بعض دوسرے پٹھان قبائل نے اپنے کو افغان کے نام سے موسوم کر لیا، اور باقی ماندہ دوسرے قبائل غلزی، آفریدی، ٹلش، شیرانی، اور تہرانی وغیرہ مثل سابق کے پٹھان کے جاتے رہے، کیوں کہ محققین کے نزدیک اس قسم کی کوئی تقسیم کسی تاریخی یا اہتی بنیاد پر کبھی نہیں کی گئی، بلکہ اصلیت کے اعتبار سے ان دونوں کا قدیم قومی نام "پشتان" (Pash-tan) یا پٹھان (Pakhtan) تھا جو مقام پشٹانار (Pakhtanawar) یا پٹھانوار (Pakhtanawar) کی طرف منسوب تھا، اور یہی قدیم لفظ آج کے چل کر تلفظ میں پٹھان بن گیا،

اس لیے ان دونوں قسم کے قبائل دریائوں اور غلزیوں وغیرہ میں افغان اور پٹھان کے جانے میں کچھ فرق ہو، وہ آگے چل کر اعتباری طور پر اختیار کر لیا گیا، ورنہ نسل و نژاد کی تاریخی ثابت کی بنیاد پر ابتدائے ان میں باہم کوئی امتیاز نہیں تھا،

البتہ جب آگے چل کر ان میں سے بعض کے وطن میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی، اور ان میں سے بعض قبائل مغرب سے مشرق کی سمت قدماء کو غیرہ کے علاقوں میں آکر آباد ہو گئے، تو ان کی اور دوسری قوموں کی آبادی مخلوط ہوئی، اس وقت انھیں ان دوسری قوموں سے ممتاز کرنے کے لیے خاص طور پر ان کے قدیم نام پٹھان سے موسوم کیا گیا، کہوں کہ یہ لوگ برہان (گند بار) قدماء میں ہندوستانی آبادی سے آکر ملے تھے، اور ان ہی ہندوستانیوں سے انھوں نے پشتو زبان سیکھی تھی، کیوں کہ یہ زبان بھی پراکرت ہی کی ایک شاخ ہے، اور شاید ان ہی کی نسبت سے پشتو سے موسوم ہوئی ہو، اس طرح یہ سمجھا جاسکتا ہے، کہ وہ افغانستانی جو مغرب سے مشرق کی سمت میں آگئے وہ لوگ اگرچہ مغربی افغانستانیوں سے نسل میں تو متحد رہے، مگر وطن میں ان سے اختلاف پیدا ہو گیا، اور اب پٹھان کا نام جو ان دونوں گروہوں کا قدیم قومی نام تھا، خاص طور پر ہندوستان اور اس کی سرزمین، اس نو آباد گروہ کے لیے مخصوص ہو گیا، ورنہ قدیم قومیت کے اعتبار سے ہر افغانستانی قوادہ و مغربی افغانستان کا ہو یا مشرقی کا یا ہندوستان کے شمالی میدان کے مغربی حصہ میں آباد ہو یا ہندوستان کے جنوبی حصہ میں، وہ پٹھان ہی، اور اس لحاظ سے ان میں کا ہر گروہ اس نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے، اس مجموعہ میں ایک مقالہ پٹھانوں کی تاریخ کے عنوان سے بھی ہے، اس سے اس سلسلہ

لنگوس مزید معلومات مل سکتے ہیں، خصوصاً ایسی فارسی اور اردو کی کتابوں کا پتہ چلے گا جن میں بچانوں کی قومیت، نسل، وطن، اور سیاسی کارناموں کا خاص طور پر ذکر آیا ہو، مناسب یہ ہو کہ مزید معلومات کے لیے اسی کی طرف رجوع کیا جائے،

مغل کی وجہ تسمیہ | باقی ہے مغل تان کا بچانوں سے کوئی تعلق نہیں، امیر تیمور کا شاہی خاندان جس نے ہندوستان میں حکومت کی، نسل ترک تھا وہ لوگ مغل اس لیے کہے گئے، کہ امیر تیمور کا یہ قدیم ترکی قبیلہ دراصل منگول سے وہیہ تھا اس لیے مغل کے قدیم نسل و وطن کی ساری داستان وہی جو منگول کے نام سے تاریخوں میں ملتی ہو، منگول یا منوگل کے لغوی معنی ”جو ان مرد“ یا ”روہی“ قوم کے بیان کیے گئے ہیں یہ قوم دراصل لنگوسی قبیلہ پر مشتمل تھی، لنگوسی ایک قدیم ترکی قبیلہ ساشر یا کلاں کے ممتاز قبائل میں سے تھا۔

اس لفظ منوگل یا منگول سے لفظ مغل بنا ہوا، چونکہ اورگان کا عربی میں غین سے کام لیا جاتا ہے، دو معاصرین محمد ناہندوستان کے مؤرخین نے ”منگول“ اور ”مغل“ میں ایک اصطلاحی فرق قرار دے لیا تھا، منگول کا اطلاق صرف ان صحراؤں پر غیر مسلم خانہ بدوش لوگوں پر کیا جانے لگا جن کا سردار چنگیز خاں تھا، اور مغل کا لفظ صرف ان مسلمان ترکوں کے لیے وقف کر دیا ہے، جنہیں سلاطین تیموریہ کہا جاتا ہے، اس لیے ہندوستان میں مغل وہی ہیں جو یہاں کے حکمراں مغلیہ خاں وادہ سے سلسلہ تعلق رکھتے ہیں، لیکن ان سرحدی بچانوں کو جو اسی سلسلہ تک ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں کاروبار کرتے تھے، عوام مغل کہتے تھے، اس کو امر واقعہ اور تاریخی حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہ تھا، یہ محض ان کا ایک عرفی نام ہے جس سے ان کی شہرت ہو گئی ہو،

مغل ترک و تاتاری کی اصلیت | (الف) قدیم تاریخ کے بیان کے مطابق ہجر خروہ کو ارال، التائی، خطائی، اور ہالیہ کے درمیان جو وسیع خلاء ارض ہے، جس کے ایک حصہ کو آج بھی ترکستان کہا جاتا ہے، اس میں وہ تمام ممالک داخل ہیں، جہاں تاتاری قوم آباد تھی، ترک، تاتاری اور مغل اسی خطہ ارض

پٹھانوں کی تاریخ کے ماخذ

یہ مقالہ جناب ایس کے مالدار داغور پورہ انک کے
ایک استفسار کے جواب میں لکھا گیا ، انھوں نے دریافت
کیا تھا کہ :-

مجھے پٹھانوں کی تاریخ سے خاص پس ہو ، اور چاہتا ہوں کہ اس کی تلاش کروں ، مگر اچھوڑی
واقعت میری جستجو کی رہنمائی نہیں کر سکتی ، براہ کرم مطلع فرمائیے کہ پٹھان اور افغان کی مکمل و
واضح تاریخ موجود ہے اگر تو کوں سی ہو ،

پٹھان قوم کا مفہوم | ہندوستان میں پٹھان قوم کے مفہوم میں بہت پیدا ہو گئی ہے ، بعض
یورپین مورخین مثلاً جنرل برگر (BRIGGS) وغیرہ کی غلطیوں
سے ہندوستان کے عہد وسطیٰ کے وہ مسلمان سلاطین جو مغلوں سے پہلے گزے ہیں ، عام طور پر پٹھان
سمجھے گئے ، جو حضرت غلطی ہو ، ان سلاطین کے بیشتر فائو ادے ترکی نسل سے تعلق رکھتے تھے ، صحیح
معنوں میں جس پٹھان خاندان نے ہندوستان پر حکومت کی ، وہ سورہ یعنی شیر شاہی خاندان ہو
البتہ سوہیوں سے پہلے لودھیوں کا زمانہ گزر رہا ہے ، جن کو سلاطین افغانستان شمار کیا جاتا
ہو ، بلکہ کہا جاتا ہو کہ احمد شاہ ابدالی سے پہلے خود افغانستان میں کسی افغانی نسل حکمران کا وجود
نہیں ہو ،

اس لیے جہاں تک پٹھانوں کی تاریخ ملکیت کا تعلق ہو ، وہ ان ہی خان وادوں کی
سیاسی تاریخ پر مشتمل ہو ، جنھیں نے تھوڑے زمانہ تک ہندوستان اور افغانستان میں حکمرانی
کی ہو ، ان میں سے ہندوستان کے سورہ خاندان کی تاریخ دراصل شیر شاہ کی تاریخ ہو ،
اور اسی سلسلہ میں افغانوں اور پٹھانوں کا ذکر آتا ہو ، شیر شاہ کے حالات کے آخذ کی دو قسمیں
ہو سکتی ہیں ، یعنی

افغانی مورخین کی کتابیں | ایک تو وہ مورخین ہیں جو نسل افغان یا پٹھان تھے ،

دوسرے وہ مورخین ہیں جو اس نسل سے تعلق نہ رکھتے تھے، ان میں سے اول الذکر مورخین کی نسلی و قبائلی ہمدی قدۃ شیرشاہ اور اس خاندان کے ساتھ تھی، اور مؤخر الذکر مورخین میں کچھ لوگ ایسے تھے، جو سوریوں کے حریف مغلوں کی سلطنت سے وابستہ تھے، اور ان کے پیش نظر ان ہی کی تاریخ مرتب کرنا تھا، اس لیے ان کا لہجہ سورویوں اور شیرشاہ کے متعلق ہر حال خوش گواری نہیں ہے؛

ان میں سے اول الذکر کتابوں میں تھے اکبر شاہی معروف بہ تاریخ شیرشاہی (عباس سروانی، مخزن افاغمنہ نعمت اللہ) اور تاریخ داؤدی (عبداللہ معیاری افغانی تاجیک) اگرچہ اکبر کے زمانہ میں اسی کے حکم سے لکھی گئی، لیکن اس کا مصنف عباسی ۱۔ تاریخ شیرشاہی

سروانی افغان تھا، اس کی شادی شیرشاہ کے خاندان میں ہوئی تھی، شیرشاہ کے عہد حکومت کے چالیس سال کے بعد اس نے اس کتاب کو لکھا، ایسے لوگ موجود تھے، جو شیرشاہ کے ساتھ وقائع میں شریک تھے، نیز بہت سی افغانی روایتیں گھروں میں موجود تھیں، عباس سروانی نے ان ہی کاخذ سے یہ تاریخ مرتب کی، اگرچہ افغانی روایتوں میں طب دیاس کی آمیزش ہو چکی تھی، بایں ہمہ شیرشاہ کے متعلق مستند معلومات کا یہ بہترین ذریعہ سمجھا جاتا ہے، الیٹ نے کتاب کے مباحث کی تلخیص اپنی تاریخ میں درج کی ہے،

نعمت اللہ کی معروف تصنیف ہے، یہ عہد جہانگیری میں تصنیف ہوئی ۲۔ مخزن افاغمنہ

یہ تاریخ خان جہانی مخزن افغانی کے نام سے بھی مشہور ہے، اس لیے کہ یہ خان جہان لودی کی ہدایت سے لکھی گئی، اور اس کا آخری باب خان جہان ہی کے حالات پر مشتمل ہے، الیٹ نے اس کا بھی مفصل تذکرہ کیا ہے، دوران نے بھی اس کتاب کا انگریزی ترجمہ تاریخ افغان کے نام سے ۱۳۳۵ء میں شائع کیا ہے، دوران کے ترجمہ اور برٹش میوزیم کے اصل نسخہ میں جو فرق ہے، اس کا تذکرہ دیو نے نسخہ کے حال میں لکھا ہے، بہر حال گویا یہ افغانوں کی تاریخ پر ایک مستقل تصنیف ہے، جس میں ان کے نسب، خاندان، اور افغان حکمران خاندانوں

۱۔ تاریخ ہندائیت ج ۲ ص ۱۳۰-۱۳۴، ۲۔ ۱۱ ص ۵۵، ۳۔ ۱۱ ص ۶۷، ۴۔ ۱۱ ص ۱۱۵

فارسی، برٹش میوزیم ج ۱ ص ۲۱۰

کے سیاسی احوال بیان کیے گئے ہیں ،

۳۔ تاریخ داودی کا مصنف عبد اللہ کے نام سے موسوم ہو ، یہ بھی جہانگیر کے زمانہ میں لکھی گئی ، اس میں سلطان بہلول لودھی ، سکندر ابراہیم ، شیر شاہ ، اسلام شاہ محمد عادل ، اور داؤد شاہ کے زمانہ حکومت کے حالات قلم بند کیے گئے ہیں ، المیٹ نے اس کے کچھ مضامین اپنی تاریخ میں ترجمہ کر کے نقل کیے ہیں ، اور ریو نے بھی نرسٹ محفوظا فارسی برٹش میوزیم میں تذکرہ کیا ہے ،

۴۔ افسانہ شامان اس کا مصنف ایک افغان محمد کبیر بن شیخ اسماعیل خربا روز اسد شیخ نقیل اللہ حقانی ، ہو مصنف کا بیان ہو ، کہ اس کے جد بزرگوار اکبر کے زمانہ میں ایک افغانی روحانی پیشوا تھے ، جو راجگیر (بہار) میں متوطن تھے ، اور جنھوں نے پنجاب میں وفات پائی ، مصنف کا بیان ہے ، کہ اس نے یہ کتاب اپنے نوجوان لڑکے محمود کی موت کا غم غلا کرنے کے لیے لکھنی شروع کی ، جس نے اس کو ۶ برس کی عمر میں مار گرایا گی سے اپنا ناک داغ مفارقت دیا تھا ، رو کا بیان ہو ، کہ مصنف نے اس کتاب کو تاریخ کے طرز پر لکھنے کے بجائے دل چاہے انداز اور شگفتہ عبارت میں انشاد و حکایات کے رنگ میں لکھا ہو ، اس میں حسب ذیل شخصیتوں کے حالات قلم بند کیے گئے ہیں ، کالا لودھی (پہر بہلول لودھی) بہلول ، سکندر ، ابراہیم ، شیر شاہ ، اسلام شاہ عالی ابراہیم ، سکندر سور ، کالا پہاڑ اور داؤد لودھی

غیر افغانی مورخین کی تصنیفات کی ہیں ، ایک تو مغل سلاطین ، بہلولوں ، میں پٹھانوں کا ذکر کر کے غیر افغانی مورخین کی تصنیفات کی ہیں ، ایک تو مغل سلاطین ، بہلولوں ، اکبر وغیرہ پر جو خاص طور پر لکھی گئی ہیں ، اور ان میں شیر شاہ اور دوسرے سلاطین سورہ کے واقعات کا ذکر آیا ہو ، دوسرے ہندوستان کی عام تاریخیں ہیں جن میں دوسرے خان دادوں کے سلاطین کی طرح افغان سلاطین کا بھی ذکر آیا ہے ، اور ان کے لیے بھی ابواب قائم کیے گئے ہیں ، یہ تاریخیں عام طور پر معروف و مشہور ہیں ، مثلاً ترک آبادی ، ہالوں نامہ ، گلبدن بیگم ، اکبر نامہ

ابو الفضل، تاجرخ رشیدی، مرز محمد حیدر، تذکرۃ واقعات جوہر نقابجی، طبقات اکبر شاہی
نظام الدین احمد، منتخب التواریخ عبدالقادر بدایونی، آئین اکبری ابو الفضل، تاجرخ ورثہ
خلافتہ التواریخ سبحان راے، منتخب اللباب خوانی خان، زبدۃ التواریخ نور الحق مشرقی،
تاجرخ نورنامہ، لب التواریخ راے بندر بن، منتخب التواریخ حک جیون داس،
تحفۃ الھند لرام، حقیقت ہائے ہندوستان کبھی نرایں نفیق وغیرہ،

یورپین مؤرخین کی تصنیفات میں بھی بعض کتابیں

یورپین مؤرخین کی تصنیفات

خاص افغان سلاطین کے حالات میں ہیں، اور

افغان سلاطین پر

بعض ہندوستان کی عمومی تاریخیں ہیں، ان میں

سے ایک رنگالی مورخ کی تصنیف پٹھاؤں کے سلسلہ میں خاص اہمیت رکھتی ہے، کہ وہ
رنگالی شیر شاہ اور محمود شاہ اور بھائیوں کی لڑائیوں کا چشم دید گواہ ہے، پروفیسر کار
نے اس کا تعارف کرایا، اور کالی کرخن قانون گو مصنف "شیر شاہ" کے ناخذ میں ہے،
اسی طرح رچرڈ ٹیل کی "شیر شاہ ایک نئے زاویہ سے" *A new view*

of Sher Shah Suri جو ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی، اور دوسری ایچ،

ڈبلو، بیلو کی "افغانستان کا جائزہ علم الاقوام کے رو سے" - *An essay*
- *very into the Ethnography of Afghan*
- *nistan*.
ہو جو ۱۹۱۹ء میں بھی ہو قابل ذکر ہیں،

ان کے علاوہ افغنشن، ار، اکن، تھامس، الیٹ وغیرہ کی تاریخ ہند میں، اسی
طرح انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (سور) وغیرہ میں بھی ذکر آیا ہے،

ہندوستان میں شیر شاہ پر دو قابل ذکر کتابیں انگریزی زبان
شیر شاہ پر چند اور کتابیں

میں نکلی ہیں، ایک تو مذکورہ بالا کالی کرخن قانون گو
پروفیسر رام جس کا لچ دہلی کی "شیر شاہ" ہے، یہ شیر شاہ پر معیاری تصنیف سمجھی جاتی ہے،
مصنف نے آخر میں اپنے ناخذ کی فہرست بھی دی ہے، دوسری کتاب سر ذوالفقار علی خاں
کی "شیر شاہ سوری" ہے، جو ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی ہے، یہ ایک مقالہ ہے جسے مصنف

نے سلسلہ میں پنجاب ہٹا رکھل سو سائشی میں پڑھا تھا،
 اردو میں اس سلسلہ میں صرف دو کتابیں قابل ذکر ہو سکتی ہیں، ایک محمد علیہ اسلام خا
 پنشر سب جج کی "نسب افافنہ" ہو، جس کو مصنف نے بڑی محنت اور تلاش و تحقیق سے
 لکھا ہو، مصنف کے نظریہ کے مطابق افغان نسل اسرائیلی ہیں، اس میں مصنف نے افغانوں
 کے ہندوستان میں آنے اور پٹھان سے موسوم ہونے کا بھی تذکرہ کیا ہو، یہ کتاب سلسلہ
 میں شائع ہوئی ہو، دوسری جناب سید احمد مرتضیٰ کی "مولت شیر شاہی" ہو، جس میں
 شیر شاہ کے سادہ و قانع زندگی بیان کیے گئے ہیں، یہ سلسلہ ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی ہو،
 مختلف زبانوں میں مختلف صوبوں میں مختلف پٹھان صوبہ دار بھی لکھے ہیں، جنہوں
 نے کبھی اپنی خود مختار یا نیم مختار حکومتیں قائم کیں، اور ایک دوسل ناکلن کے خاندان میں
 رہیں، ان کے حالات صوبائی حکومتوں کی تاریخوں میں ملیں گے، جن کی تفصیلات میں طبعاً
 بڑا طول ملے ہو، کسی خاص مقام یا خاص خانوادہ کے متعلق کچھ دریافت کیا جاتا
 تو جواباً کچھ عرض کیا جاسکتا تھا،

(جولائی ۱۹۴۲ء)

گیتا کا منظوم فارسی ترجمہ

جناب ہر پرشاد صاحب گردانی باغ پٹنہ دریافت فرماتے ہیں :-
 گیتا کا فیضی کا منظوم ترجمہ عام طور پر متداول ہے، پیش نظر نسخہ چھوٹی قطع پر لا ہوا۔
 کے کسی پریس سے شائع ہوا ہے، اس میں کتابت کی بعض غلطیاں ہیں، علامہ شبلی نے ترجمہ
 میں فیضی کا تذکرہ کیا ہے، اس کے تالیقات و ترجمہ کو بالتفصیل لکھا ہے، مگر علامہ
 موصوف نے یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ فیضی نے گیتا کا بھی ترجمہ کیا ہے، ازراہ کرم وقت
 نکال کر معارف میں اس پر روشنی ڈالیں، کہ فیضی نے گیتا کا ترجمہ کیا تھا، یا متداول
 ترجمہ فیضی کے نام سے لوگوں نے منسوب کر دیا ہے، عین عنایت ہوگی۔
 اس کے جواب میں لکھا گیا :-

افسوس ہے کہ گیتا کے منظوم فارسی ترجمہ کا ذکر میری نظر سے نہیں گذرا، مرآۃ عالم،
 برائونی، اکبرنامہ اور آثار الکرام وغیرہ میں فیضی کا جو تذکرہ آیا ہے، وہ گیتا کے منظوم ترجمہ
 کے ذکر سے خالی ہے،

لیکن نہ صرف مولانا شبلی مرحوم، بلکہ مقدم موصین نے بھی فیضی کی تصانیف کو نام بہ نام
 نہیں گنا یا ہے، صاحب مرآۃ عالم نے اجمالی حیثیت سے صرف یہ کہا ہے کہ
 گوئید صد و یک کتاب و رسالہ تالیف نمود

پھر چند کتابوں کے نام لکھے ہیں، جو وہی ہیں جن کا ذکر دوسری تاریخوں میں آیا ہے،
 لیکن میرا خیال ہے کہ گیتا کا جو منظوم ترجمہ فیضی سے منسوب لاہور سے شائع ہوا ہے،
 اور جس کا آخری اوڈیشن آرٹ پیر پرائیٹام سے چھاپا گیا ہے، فیضی کی طرف اس کا اہتمام
 صحیح ہے۔

گیتا کے متعلق یہ معلوم ہے کہ دراصل یہ مہابھارت ہی کا ایک حصہ ہے جس کو مہابھارت
 مرآۃ عالم ص ۴۴۳ (تلی)،

سے اس حیثیت سے الگ کر لیا گیا ہو، کہ اس میں سرری کرشن جی کے اقوال قلم بند ہو گئے ہیں
اگرچہ مولانا شبلی مرحوم نے مہاجرات کے فارسی ترجمہ میں اس کے منظوم ترجمہ کا ذکر
نہیں کیا ہو اور صرف اسی قدر لکھنے پر اکتفا فرمایا ہو، کہ

”سفسفہ میں اکبر نے حکم دیا کہ ٹپے ٹپے گنواں پنڈت مسیح ہوں، اکبر وہ عبارت کا طلب
نقیب خان کو سمجھاتا جاتا تھا، اور وہ فارسی میں ترجمہ کرتا تھا، پھر عبدالقادر دہلوی
ملاخیری وغیرہ کو الگ الگ ٹکڑے سپرد کیے، دو فن فیضی کے حصہ میں آئے،
لیکن ملا عبدالقادر نے جہاں اس کا تذکرہ کیا ہو، اس میں فیضی کے قلم سے اس کے منظوم
ترجمہ کا ذکر بھی آیا ہو وہ کتاب ہو،

”بعد ازاں شیخ فیضی مامور شد کہ نظم و نثر بہ نوید و آن ہم بیشتر از دو فن صورت نیافت^{۵۷}
فیضی نے یہ فارسی ترجمہ مہاجرات کے فارسی نثر کے ترجمہ کو سامنے رکھا کہ از نثر شروع کیا
تھا، لیکن وہ اس کو مکمل نہ کر سکا، الیٹ نے لکھا ہو،
”پھر شیخ فیضی پاکیزہ نظم و نثر میں اس کو جہاں ترجمہ کے ذریعہ منتقل کرنے پر مامور کیے گئے لیکن
وہ دو حصوں سے زیادہ مکمل نہ کر سکے،^{۵۸}

گیتا کے نثر میں فارسی ترجمہ کے نسخے ایک سے زیادہ انڈیا آئنس، بنگال، ایشیا ناکس سائٹی
اور بانگی پور میں موجود ہیں، ان میں سے ایک ترجمہ ابو الفضل کا بھی کیا ہوا ہو، اس میں آغاز
کتاب کی یہ عبارت ہمارے لیے مفید مطلب ہو،

۵۷ خراجہ ج ۳ ص ۶۹ ۵۸ دہلوی ج ۲ ص ۳۲۱ ۵۹ تاریخ ہند الیٹ ج ۵ ص ۵۲۷
۵۷ فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آئنس ج ۱ ص ۱۵۹ بنگال ایشیا ناکس سوسائٹی ورک نمبر ۲۳۱
ص ۴۵۷ و کتاب نمبر ۶۹۲، بانگی پور ج ۱۶ ص ۱۲۹ ۵۸ بعض مفسرین نے اس ترجمہ کے ابو الفضل
کی طرف انتساب کو صحیح نہیں سمجھا ہو، لیکن چار سے زائد ایک ان کی یہ رائے صحیح نہیں ہو، مہاجرات کے
مختلف حصوں کا ترجمہ مختلف اہل علم نے کیا تھا، اگر ابو الفضل نے اس کے اس حصہ کو فارسی میں منتقل
کیا ہو، جو گیتا پر مشتمل تھا، تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، خصوصاً جب کہ دیا جہ میں ابو الفضل
کی یہ عبارت بھی موجود ہو۔

”اب نسخہ گیتا کے در انکشاف سرائے قدرت و دالجلال و اکتشاف حقیقت معرفت لازمال ہست
آن را ما حازرت سلطان عادل و برزن کامل..... جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی -
بندہ شیخ ابو الفضل از زبان شکر ت ترجمہ بہ عبارت لسان فرس و عربی و در آورد“
(فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آئنس ج ۱ ص ۵۹)

”گیتا بہ زبان فارسی تصنیف شیخ ابو الفضل علوی از کتاب ہما بھارت کا از فن ششم کہ آں

ہکم پرپ گوئید سری کرشن چودارجن بنیاد“

یعنی یہ رسالہ اگرچہ گیتا کا ترجمہ ہی، لیکن اس کو فارسی میں ہما بھارت کے فن ششم کے سامنے

رکھ کر منتقل کیا گیا ہو، اس لیے اس کو ہما بھارت کے جزوی ترجمہ سے بھی موسوم کر سکتے ہیں

اور چون کہ یہی حصہ گیتا کے نام سے بھی موسوم ہو، اس لیے اس کو گیتا کا فارسی ترجمہ بھی کہہ سکتے

ہیں، بہت ممکن ہو کہ فیضی نے اسی فارسی شعر سے اس کو نظم میں منتقل کیا ہو،

نیز اس منظوم فارسی ترجمہ کا نسخہ بھی جس پر اس وقت گفتگو جاری ہو، بنگال ایٹاناک

سوسائٹی میں موجود ہو، اگرچہ اس میں کوئی دیباچہ نہیں ہو، لیکن اس نسخہ کے سرورق پر ترجمہ کی

حمیت سے فیضی کا نام درج ہو، اور ہمارے نزدیک اتنی شہادت بھی فیضی کی طرف اس کے

انتساب کی صحت کے لیے کافی ہو، اس نسخہ کا پہلا شعر وہی ہو جو مطبوعہ نسخہ میں پایا جاتا ہے یعنی

طرازندہ داستان کہن بدینیاں، بیگندہ طبع سخن

اس نسخہ میں دیباچہ کے موجود نہ ہونے سے بھی اس قیاس کی تائید ہوتی ہو، کہ فیضی

نے دراصل ہما بھارت کے بعض اجزاء کا ترجمہ نظم میں کیا تھا، اور ان اجزاء میں وہ حصہ بھی

تھا، جس پر بھاگوٹ گیتا مشتمل ہو، اور اسی وجہ سے بھاگوٹ گیتا کے منظوم ترجمہ کا ذکر فیضی

کے سوانح میں نہیں آیا ہو، اس قیاس کی تردید اسی صورت میں ہو سکتی ہو، کہ فیضی کے سوانح

میں اس ترجمہ کے انتساب کا ذکر نظر آجائے، اور اس وقت یہ سمجھا جاسکتا ہو، کہ اُس نے

گیتا کے علاوہ نسخہ کو سامنے رکھ کر ترجمہ کیا تھا، لیکن پھر اس پر کسی دیباچہ کا موجود نہ ہونا

عجب خیر ہوگا،

ہر حال خواہ کہیں انفرادی طور پر ذکر مل جائے، یا نہ ملے، فیضی کی طرف اس نسخہ کا انتساب صحیح

ہو، اور اسی وجہ سے ایٹاناک سوسائٹی کے نسخہ میں عمیقہم ہی میں کسی نے اس کے سرورق پر

فیضی کا نام لکھ دیا تھا، اور غالباً یہ منظوم ترجمہ حسن قلمی نسخہ سے پہلی مرتبہ چھاپ کر شائع کیا گیا ہو،

اس پر بھی فیضی کا نام درج ہوگا، فقط

کیا عالمگیر کے عہد میں تاریخ نویسی قانوناً جرم تھی

عالمگیر کی فرد قرار داد جرم میں ایک یہ جرم بھی بیان کیا جاتا ہے، کہ اس نے اپنے مظالم کی پردہ پوشی کے لیے اپنے عہد میں تاریخ نویسی کو قانوناً ممنوع قرار دے دیا تھا جیسا کہ دور حاضر کے ایک ممتاز مورخ ڈاکٹر انیسوری پرشاد صاحب ایم اے ڈی لٹ پروفیسر تاریخ الہ آباد یونیورسٹی اپنی تاریخ ہندوستان میں جو اکول کے اوپر کے درجوں کے لیے لکھی گئی ہے، عالمگیر کے جرم تصعب و تشدد میں ایک اس جرم کا بھی اضافہ کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:-

”اورنگ زیب نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ کوئی اس کے زمانے کے واقعات کا حال نہ لکھے“ مگر

”ایک ہم عصر مسلمان مورخ محمد باشم خفیہ طور سے اس زمانہ کے حالات لکھتا رہا اس لیے وہ خانی خان کہلاتا ہے، اس کی کتاب منتخب اللباب سے اورنگ زیب کے زمانہ کا بہت کچھ حال معلوم ہوتا ہے۔“

چارے ڈاکٹر صاحب نے یہ بیان غالباً اپنے پیش رو انگریز مورخین کی تقلید میں لکھا ہے، بہر حال اس دعویٰ کے یہ تین ٹکڑے ہیں

- (۱) عالمگیر نے اپنے عہد میں تاریخ نویسی کی ممانعت کر دی،
- (۲) محمد باشم خفیہ طور پر اس کے عہد میں اپنی تاریخ لکھتا رہا،
- (۳) اسی خفیہ نویسی کی وجہ سے وہ ”خانی خان“ کہلایا،

واقعیہ یہ ہے، کہ جب محمد باشم کی منتخب اللباب شائع ہوئی اور اس

خانی خان کے مطبوعہ نسخے کے سرورق پر مصنف کا لقب ”خانی خان“ نظر آیا، تو

شیخ میرخوانی (ج ۲ ص ۱۲-۱۶-۲۲-۲۵-۲۷-۳۸ وغیرہ) اور خواجہ کلان خوانی
کفایت خاں وغیرہ (ج ۲ ص ۱۹، ۲۰ وغیرہ)
اور محمد شرم نے کہیں کہیں ان لوگوں سے اپنی رشتہ داری اور نسبت بھی بیان کی ہے،
خواجہ کلان خوانی کے ذیل میں لکھتا ہے:-

خواجہ کلان خوانی کہ نالوی عمر اور قاضی شہداء صالحہ دیوانی ہیں کہ
اور اسی طرح اپنے وطن خواف اور آبائے وطن کے متعلق عالمگیر اور شیخ میرخوانی کے تذکرہ کے
ایک سلسلہ میں لکھتا ہے:-

مؤید سبب چنان جاں فشانی کہ باں ارادت و عقیدت از شیخ میر بہ طور آمد،
پادشاہ قدردان قانہ زاد و پرور نسبت ہمہ مردم خواف و عہد تمام ہم رسید آں قدر کہ
در عمدہ مکان عالمگیر پادشاہ مردم خواف کہ محقر ترین اکھائے خراسان است پیش آمدند و
تو نہ در بیچ عہدے از پادشاہان سلف در نوازیخ بہ نظر نیامده و فی الحقیقت اگرچہ مردم
خواف نسبت ہمہ مردم خراسان در ظاہر درشت و بیہرہ واقع شدہ اند۔ اما اکثر در کاملاً
و درست اند و در طریقہ پاس حق نمک آقا از حجت ثابت قدامت ہی توان محسوب نمود،
چنان چہ منتخب اللباب کے بعد کی تاریخوں میں جن کا وہ ماخذ ہے، کتاب کے مؤلف کا
نام ہر جگہ خوانی خان ملتا ہے، مثلاً آثار الامراء و اب مصمام الدولہ، شاہ نواز خاں میں چند جگہ
اس کا نام آیا ہے، اور ہر جگہ ہی نام مذکور ہے،
دیباچہ میں ماخذوں کی فہرست میں ہے،
”لب لباب تالیف خوانی خان“
ج ۱ ص ۲۶۴ میں ہے:-

خوانی خاں صاحب تالیف لب لباب آورده

اور اسی طرح ج ۱ ص ۴۵۱ میں ہے،

اما خوانی خاں در تاریخ خود زبانی خواجہ مکام جان شاد خاں آورد

اور پھر ج ۳ ص ۶۸۰ میں ہے

خوانی خاں صاحب تایخ منتخب اللباب ... نقل می کرو۔

باقی رہا منتخب اللباب کو عہد عالمگیر کی تالیف
منتخب اللباب کا عہد تصنیف | بتانا ایک ایسی سخت حیرت انگیز غلطی ہے جس کا

از کتاب ہندوستان کی ایک عظیم الشان یونیورسٹی کے پروفیسر تایخ سے مدد و معجب نگینہ
 ہے، اگر تایخ ہندوستان کی تالیف کے وقت منتخب اللباب سامنے موجود تھی، تو اس
 کتاب کا حال اچھے وقت کم از کم کسی نہرست مخطوطات ہی میں اس کو دیکھ لیا جاتا، تو یہ التباس
 دور ہو جاتا، خلا نہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس میں ہے۔

۱۶۲۳-۲۴ء سے پہلے مکمل نہیں ہوئی، اور ٹولف نے ۱۶۲۳ء میں وفات پائی،

وہ منتخب اللباب میں سبب تالیف وغیرہ کے علاوہ کہ جس سے عہد عالمگیر کی وفات کے
 دس برس بعد کی یہ تالیف ثابت ہوتی ہے، جاہر جاہیہ واضح قرآن موجود ہیں، کہ اس کو عہد عالمگیر
 کی تالیف غلطی سے بھی نہیں کہا جاسکتا، خلا عالمگیر کے حالات میں اکثر مواقع پر اس کو خلد کافی
 سے موصوف کیا گیا، اور اس کے برخلاف دیا چہ کے شروع ہی میں جہاں محمد شاہ کا تذکرہ آیا ہے، اس
 کا نام فرمان روئے وقت کی حیثیت سے لکھا گیا ہے، دیا چہ میں ہے

”تاؤد سلطنت عہد بابرک بادشاہ جاہ، جو ان بخت، فرازندہ تاج تخت، خنبر برج

جہاں بانی، گوہر درخ صاحب قرنی، برکش دولت دوبارہ تیموری، ابو الخضر ناصر الدین

محمد شاہ بادشاہ غازی لغایت سنہ ہزار و صدی کہ پرتالیف اس جلد پر درجہ دردت

دو صد سال قری ہر چارہ وہ مظہر ذہنیت افزائے تخت ہندوستان پر صحت کشتہ اند،“

پھر تمام کتاب میں ہے،

”لغایت شروع سنہ چارہ ہر تحریر محلی از سوانح عہد محمد شاہ بادشاہ پر درخت خنبر

تھانی بدایین ہر شرط بقائے حیات و فنا نودن فرصت انجہ اتفاق افتد ہر شرط غیر فرید

دفع و نگار قلم سرخو اہر و منت، ۱۶۵۰ء

کتاب کے آغاز و اتمام کو آپ نے پڑھ لیا، کیا یہ عہد عالمگیری کی عبارت ہو، کہ یہ کہا جاسکے۔ کہ عالمگیر کا ایک ہم عصر سلطان مونیخ محمد ثانی خفیہ طور سے اس زمانہ کے حالات گفتار پر، اور اس لیے وہ غلطی کا گناہار۔

لیکن اگر اس موقع پر ہم اے لائق مونیخ عہد عالمگیری میں تاریخ نویسی کی ممانعت کو ایک ہم عصر سلطان مونیخ کے نام لقب سے ثابت کرنے کے بجائے اس سلطان مونیخ کے بعض بیانات سے ثابت کرتے، تو وہ اولاً اسی فاش تاریخی غلطیوں میں نہ پڑتے، بلکہ یہ ظاہر کسی حد تک وہ ترقی قیاس واقعہ نظر آتا، وہ وہی بیان ہو جس کی طرف ہم بھی اوپر اشارہ کرتے ہیں، منتخب الباب کے دیا جی میں ہو۔

اگرچہ خلافت سوانح پچاہ سال عثمانی بادشاہ جم جاہ بند کا زکوردن، آپ دریا کوڑ
بیرون است خصوص احوال چل سال ادھر حرکت مورخان از سطح آن منوع گذشتہ رفتہ
بیان نہ کشیدہ اند جز بہت ہے پایانی۔

محمد ثانی کا ایک بیان تھا جس سے عہد عالمگیری کی تاریخ کی تدوین کے متعلق کامیابی کا
تھا، لیکن حقیقت اس بیان کو بھی اس الزام سے دور کا بھی سروکار نہیں، اس میں ایک بالکل جداگانہ
واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہو

واقعہ یہ کہ سلاطین مغلیہ کے دربار میں تاریخ نویسی کا ایک سرکاری محکمہ ہوتا تھا،
دربار کے چند اہل قلم تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور تھے، وہ زمانہ بادشاہ اور دربار
کے چھوٹے ٹٹے واقعات اور سلطنت کے حوادث و وقائع کو ترتیب دے کر کتاب
کی شکل میں مرتب کرتے، اور پھر یہ کتاب فرماں فرماتے وقت کے سامنے پیش کی جاتی، وہ جہاں چاہتا اس
میں رد و بدل کر دیتا، چنانچہ توڑک باری، کہز نامہ، جہانگیر نامہ، اور شاہ جہاں نامہ جیسے وہی تمام کی تاریخات
ہیں، جو سلاطین مغلیہ کی نگارنی میں ترتیب پاتی ہیں، اور خود عالمگیر کے ابتدائی محکمہ حکومت کے دس سالوں تک
یہ طریقہ رائج رہا، چنانچہ اس کے ابتدائی وہ سالہ عہد حکومت کی تاریخ عالمگیر نامہ ہو، جس کو منشی محمد کاظم بن
محمد امین نے مرتب کیا ہو، اور دھواشیہ نامک سوانحی سے شاہی ہو چکی ہو، محمد کاظم اس کا مسودہ مرتب کرتا، اور
اس کو عالمگیر خود لا خط کرتا، اور پھر سال بہ سال یہ کتاب ترتیب پاتی جاتی تھی،

لیکن اگر موزانہ دیانت واری سے دیکھا جائے، تو ان کتابوں کی حیثیت کسی آزادانہ تاریخی تصنیف کی نہیں قرار پاتی بلکہ اس کی ایک حد تک ہی حیثیت ہو سکتی ہے، جو آج کل حکومتوں کی سالانہ رپورٹوں کی ہوتی ہے۔ لیکن پھر ان رپورٹوں اور تصنیفوں میں بھی ایک اصولی فرق ہوگا، کہ ان رپورٹوں کی اشاعت و ترتیب کی ذمہ دار خود حکومت ہوتی ہے، اور اس لیے سیاسی و دیگر معاملات حکومت میں حکومت اپنے طریق کار کی حمایت کرتی ہے لیکن خان مغلیہ کے عہد کی وہ کتابیں اگرچہ حکومت کی جانب سے ترتیب پاتی تھیں، اور ان میں اسی کے نقطہ نظر کو واضح کیا جاتا تھا، لیکن ان بیانات کی صداقت اور ان رپورٹوں کی صحت کی تائید ذمہ داری ان ہی مصنفین کے سر ہوتی تھی، اور ایک آزاد موصوف کے نام سے حکومت کی جاوے جا حمایت کرائی جاتی تھی، اسی لیے فیصلہ پاسبانی ہو رہی، کہ حکومت کے مخالف پہلوؤں کے موقوفوں پر ان کتابوں کا تاریخی پایہ اٹھایا گیا ہو سکتا ہے۔

عالمگیر کا جرم | عالمگیر کا اگر کوئی جرم ہو تو یہی کہ اس نے اس مذموم تاریخ نویسی کے سلسلہ کو ایک قلم منوع قرار دے دیا، کہ تاریخیں وہ ہوں گی جو دوسرے ہر قلم نگین نہ کہہ ہوں گی جو حکومت کے زیر سایہ ترتیب پائیں، چنانچہ یہی حکم کے مطابق منشی محمد کاظم کی تالیف عالمگیر نامہ کی ترتیب کا سلسلہ صرف دس برس کے حالات تک پہنچ کر منقطع ہو گیا۔ عالمگیر نامہ انیشیا تک سوانحی سے شائع ہو چکی ہے، اسے دیکھ کر فیصلہ کیا جاسکتا ہے، کہ یہی آزاد نگار موصوف کا تاریخی شاہکار ہے، یا سرکاری فتری سرکاری کھیتونی، کہ جس مخالف حکومت انخاص کے نام تک تحقیر و تذلیل سے لکھے گئے ہیں، اور خصوصاً ”وارانکوہ“ ہر جگہ دارائے برکت کو کے نام سے یاد کیا گیا ہے،

عالمگیر نے ہی غیر مناسب سلسلہ تاریخ نویسی کو مسدود کر دیا، چنانچہ جب عالمگیر کے عہد حکومت کے بعد اسی طرح اس کے نقیب مال حکومت کی تاریخ ”آثر عالمگیری“ متعدد خان کے قلم سے ترتیب پائی تو اس نے اپنے دیا چہ میں اس حقیقت کو واضح کیا وہ لکھتا ہے:-

واضح اذ کتاب با لغت نصاب والا خطاب عالمگیر نامہ متضمن وقائع دہ سالہ دولت ابد

طرازہ ابو العظیمی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی گانشہ

نورہ بدائع نگار محمد کاظم سرخون نجان نادرہ کا رہت و چون خدیو عالم صورت محبتی

دقت ہزار زندگی دقتی را تائیس نہاے باطن مندم براندا آتا ز ظاہر بود اقامت تو بے غش

۱۷ دیہاجہ کاثر عالمگیری لکھی کتب نانہ مند انجمن خان سر کتاب ۱۲۱۲ و ۲۰۲۲ مہرہ نمبر ۵۱ وقت میں نظر نہیں ہے

اسی بنا پر عالمگیری نامہ کے مقدمہ میں صحیح کتاب کا بیان حسب ذیل ہے:-

و چون ہندوگان حضرت اعلیٰ خاقانی بہ مقصداً دہش خدا داد و فطرت بلند و لامہمت
و دعت و صلہ بقا را نازا ظاہر و درینب خواں و قلعہ نہ ناموہ چہ مایس آخر باطن بیشتر
تو مرد نہشت و بداند و بی واقعات وہ سالہ مک حقیقت نیم صاور شد کہ گذارندہ دہستان
مفاخر و مکارم محمد کاظم مصنف کتاب مطاب عالمگیری نامہ من بعد قائل را بقید کتاب
در تیار و در، لهذا وہم ہاں قدر اکتفا نمود ۔۔۔

یہ کہ اس الزام کی اصل حقیقت غریب عالمگیری اپنی خاکساری و فروتنی سے اپنے مفاخر و مکارم کی بزدلان
گوئی کو منتشر کرتا ہو لیکن اس پر الزام یہ آتا ہو، کہ اس نے اپنے عہد کے مظالم کی پردہ پوشی کے لیے تدوین تاریخ
پر عام حکم اتنا جاری کر دیا، اگر یہ واقعہ جزو نا تو ظالم عالمگیر کو اپنے پہلے وہ سالہ جبرائیم کے اظہار کے لیے جواب اور
بھائیوں کے ساتھ اس نے کیے، اپنے ابتدائی وہ سالہ تاریخ کو خاکستر کرنا چاہیے تھا، نہ کہ آئندہ کے وقتاً
کو جس میں مرثیوں کی جنگ کے سوا کوئی اور اہم باب نہیں،

بہر حال اگر حقیقت عالمگیری کے عہد میں تدوین تاریخ کا سلسلہ واقعی روک دیا گیا ہوتا تو کج بہت سی کتابیں
جو عہد عالمگیری پر ترتیب پائی ہیں، عالم وجود میں نہ آئی ہوتیں، ورنہ عالمگیری کے عہد میں پرچہ نویسی و واقعہ نگاری کا
جو نظام قائم تھا، اس سے ممکن نہ تھا، کہ مؤرخین اپنی کتابیں لکھتے اور پرچہ نویس ان سے بے خبر ہوتے یا سچے
اس وقت یورپ اور ہندوستان وغیرہ کے مختلف کتب خانوں میں عہد عالمگیری کی بہ کثرت کتابیں
موجود ہیں، اور سب سے بظرف یہ کہ ان تالیفات میں نہ صرف مسلمان مؤرخین کی کتابیں ہیں، بلکہ اس عہد کے
مستند ہند اہل قلم کی تصنیفات بھی ہیں

عہد عالمگیری کی تاریخ
تصنیفات

ذیل میں عہد عالمگیری کی تاریخی تصنیفات کی ایک فہرست پیش کی جاتی
ہے، امید ہو کہ یہ فہرست ہمارے لائق موضوع کے تمام شکوک و شبہات کو دور
کرے گی، اس سلسلہ میں پہلے مسلمان مؤرخین کی کتابیں درج کی جاتی ہیں،

اور پھر ہندو مؤرخین کی کتابیں درج کی جائیں گی مسلمان مؤرخین کی کتابیں حسب ذیل ہیں:-

۱۔ واقعات عالمگیری مصنفہ امیر خاں، اس میں عالمگیری کی ولادت، شاہزادگی اور ترقی

نشیقی سے شاہ جہاں کی وفات تک کے حالات ہیں ، اس کا ایک نسخہ کتب خانہ دارالمصنفین

۲۔ عجیبہ غریبہ چختیہ عبرتیر یا جبریر بھی کہلاتی ہے ، مولفہ شہاب الدین طالش بن محمد علی احمدیہ کوچ بہار اور آسام کی فتح عالمگیری کی تاریخ ہے ، جو عہد عالمگیری کے ابتدائی سالوں میں پیش آئی ، زمانہ تالیف ۱۰۳۰ھ ،

۳۔ واقعات عالمگیر مولفہ عاقل خاں رازی ، عالمگیر کے ابتدائی سالوں از ۱۰۲۵ھ

۴۔ تاریخ شاہ شجاعی مولفہ محمد مصوم حسن صاحب ، شاہ شجاع کی جنگوں کے حال میں ہے زمانہ تالیف ۱۰۳۰ھ ،

۵۔ آئینہ بخت مولفہ بختا ورخاں ، کتاب کا آغاز تصنیف ۱۰۳۰ھ میں ہوا ، اس میں بابر سے شاہ جہاں کے مختصر حالات اور عہد عالمگیر کے ابتدائی وہ سالہ حکومت کے مفصل واقعات ہیں اور مصنف کے بیان کے مطابق علت غائی اس تالیف کی عالمگیر کے حالات ہیں ، یہ نسخہ ام پور کے کتب خانہ میں موجود ہے اور اس کا مفصل تذکرہ معارف ج ۲۹ نمبر ۴ میں شائع ہو چکا ہے ، بختا ورخاں نے ۱۰۳۵ھ میں وفات پائی ، اور عالمگیر نے خود نما جزائزہ پٹھانی تھی ، آخر عالمگیری ۱۰۶۹ھ پر ۹۵ھ میں ہے ،

۶۔ مرآۃ العالم بختا ورخاں کی ایک دوسری تالیف مرآۃ العالم کے نام سے برٹش میوزیم میں موجود ہے ، اس تصنیف کی تاریخ بھی آئینہ بخت ہے ، منشی احمد علی خاں صاحب مہتمم کتب خانہ رام پور کا خیال ہے ، کہ غالباً بختا ورخاں نے بعد انصرف بابر سے عالمگیر تک کے حالات لکھے ، اور اس کا نام آئینہ بخت رکھا ، پھر اسی کو وسعت دیا ، اور اس کو مرآۃ العالم کے نام سے موسوم کیا۔ اور اس کا تاریخی نام آئینہ بخت "بانی رکھا ، لیکن انڈیا آفس کی فہرست مخطوطات کے مرتب نے اس تالیف مرآۃ العالم کو شیخ محمد بقار ۱۰۳۰ھ ۱۰۳۰ھ کی تالیف قرار دیا ہے ، عجیب نہیں کہ شیخ محمد بقار موصوف کی تصنیف مرآۃ جهان نام سے جس کا ذکر آگے آتا ہے ، اقتباس ہو گیا ہو ، مصفا الدلو

لہ فہرست مخطوطات دہلی ۱۰۳۵ھ ۱۰۳۵ھ فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۱۷۵ دائرۃ آتش تبرکات ۱۰۳۵ھ

شاہ نواز خاں نے آثار الام میں بختاور خاں کا ذکر کیا ہے، اور اس کی تصنیف مرآۃ العالم کو اپنے ہاتھ میں شمار کیا ہے، مرآۃ العالم کا نسخہ دار المصنفین میں بھی موجود ہے

۷۔ مرآۃ جہان نامہ۔ یہ اسی شیخ محمد بقا (مولود ۱۰۲۷ھ متوفی ۱۰۹۲ھ) کی تالیف ہے جس میں عالمگیر کے وہ سالہ حکومت تک کی تاریخ ہے، اور ۱۰۹۲ھ میں مصنف کی وفات کے بعد اس کے بھتیجے محمد فضیح (۱۰۹۵ھ) نے اس کو عہد عالمگیری ہی میں اڈٹ کیا، اندیا آفس میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے،

۸۔ زمیتر التواریخ مؤلفہ عزیز الشہر، یہ تاریخ عام ہے، زمانہ تالیف ۱۰۳۳ھ ہے۔ پرنس میوزیم میں موجود ہے،

۹۔ تنقیح الاخبار مؤلفہ لاجپور بھی عہد عالمگیری کی تالیف ہے، پرنس میر کے عہد ۱۲۵ھ تک کی عام تاریخ ہے، عہد عالمگیر میں ۱۱۷ھ سے اس کی تالیف شروع ہوئی،

۱۰۔ آداب عالمگیری۔ مؤلفہ منشی المہاک شیخ، بوالفتح قابل خاں، یہ کتاب عہد عالمگیری کے سرکاری دستاویزات اور خطوط وغیرہ پر مشتمل ہے، ۱۱۵۷ھ میں یہ مجموعہ کتاب کی شکل میں مرتب ہوا، اور اس کی تاریخ ”گل از باغ جان“ سے طبعیت کی گئی ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ ہمارے کتب خانہ دار المصنفین میں بھی موجود ہے،

۱۱۔ خلاصہ عالمگیر نامہ مؤلفہ حاتم خاں، یہ اگرچہ عالمگیر کے ابتدائی وہ سالہ عہد کی تاریخ ہے لیکن اس دسویں سال کے بعد ترتیب پائی ہے، جب عالمگیر نے محمد کاظم کے عالمگیر نامہ کی ترتیب روک دی تھی، یہ تاہم اسی کا خلاصہ ہے، اور پرنس میوزیم کا نسخہ عالمگیر کے ۴۲ ویں سال حکومت ۱۱۵۷ھ کا مکتوب ہے،

۱۲۔ وقائع نعمت خان عالی۔ اس میں عالمگیر کے حملہ، حیدر آباد ۱۰۹۶ھ کے چند دنوں کے حالات قلم بند کیے گئے ہیں، جو اسی زمانہ میں لکھے گئے تھے، اس کا نسخہ عام طور پر شائع ہے،

۱۳۔ جواہر التواریخ مؤلفہ سلمان قزوینی۔ از ابتدائے آفرینش تا عہد عالمگیر کے حالات

پر مشتمل ہو، لیکن بوڈلین لائبریری میں جو نسخہ ہو، وہ جاملگیر کے عہد تک کے حالات میں ہو، مگر مصنف نے دیا ہے اس عہد عالمگیر تک کی تاریخ کی ترتیب بتائی ہو، اور ترتیب فہرست نے اس کو عہد عالمگیر کی تصنیف قرار دیا ہو، کتاب میں عالمگیر کے نام کے ساتھ "خلد اللہ علیہ" کے الفاظ بھی موجود ہیں، ۱۴ مجموعہ اقتباس تو ایسے مختلفہ۔ یہ بوڈلین لائبریری کا ایک نسخہ ہو، مصنف کا نام درج نہیں، لیکن زمانہ تالیف مشہور ہو، اس میں حسب ذیل تاریخوں کے خلاصے ہیں، تاریخ سلاطین خلافت ترمین سلسلہ علویہ صفویہ مشتمل بر حالات از ۹۵۶ تا ۱۱۸۸ھ، تاریخ بعض افریقا تاریخ قلاع و ولادت و سوایح و واقعات و بنائے مساجد و دروحدات و انبیہ و عمارات و حیاض و باغات و تولد و عروسی شاہزادہ عالی کا مکار مشتمل بر حالات تا ۱۱۸۸ھ، تاریخ سلطنت بادشاہ ظہیر، تاریخ سلاطین سلسلہ علیہ صبا جقران امیر تیمور گورگانی، فتح تاتار کہ مولانا علی کل از برائے حسین نظام شاہ نوشت و تاریخ سلاطین سلسلہ علیہ قطب شاہیہ تا حالات ۱۱۸۸ھ اب ذیل میں عہد عالمگیر کے چند ہندو مورخین کی کتابیں پیش ہیں:-

۱۵ فتوحات عالمگیری مصنفہ سیر و اس قوم ناگزرتوطن بلدہ پٹن، اس میں عالمگیری کی تخت نشینی سے ۳۴ ویں سال حکومت ۱۱۸۸ھ تک کے حالات ہیں، یہ عہد عالمگیری کی تالیف ہو،

۱۶ نسخہ دل کشا مولانا عظیم سین ولد رگھو نندن و اس، یہ عالمگیری کی دکنی معرکہ آرائیوں کی ہزمیہ تاریخ ہے جس میں عالمگیری کی فوج کشی سے شاہ عالم کی تخت نشینی تک کے حالات میں عظیم سین ۱۱۸۸ھ میں پیدا ہوا، اور عالمگیری کی دکنی فوج سے وابستہ تھا، تاریخ کی ترتیب اگرچہ عالمگیری کی وفات کے دو سال بعد ۱۱۹۰ھ میں اتمام کو پہنچی، لیکن اس کا بیشتر حصہ وہ عہد عالمگیری کے عہد حکومت میں جب وہ مختلف مقامات پر جاتا رہا ترتیب دیا ہوا۔ (ریش میونیم)

۱۷ منتخب التواریخ مؤلفہ باب جیون و اس ولد منوہرو اس، اس کا مصنف عالمگیری کے عہد حکومت میں ۱۱۸۸ھ سے اس کا مواد فراہم کرتا رہا، لیکن ترتیب کا موقع نہیں ہے، یہاں تک

کہ سلاطین اس کو قرب کیا (برٹش میوزیم)

۱۸ لب التواریخ ہندو لکھنے والے ہندو اہل پیرائے بہراں، اس میں ہندوستان کے مسلمان فرمانا
شہاب الدین خوری (۱۷۷۷ء) کے عہد سے عالمگیر کے ۱۷۰۳ء میں سال حکومت سلاطین کے حالات
ہیں، عالمگیر کے عہد میں تالیف ہوئی، اور اس کا ایک نسخہ اسی عہد عالمگیر کے ۱۷۰۳ء میں سال حکومت
۱۷۹۸ء کا لکھا ہوا انڈیا آفس میں موجود ہے،

اس کتاب کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس ہندو مصنف نے اپنی یہ تالیف خود عالمگیر کے
نام منون کی ہے،

۱۹ خلاصۃ التواریخ مولفہ سجان رائے، بعض نسخوں میں سجان رائے یا بعض میں سوجن رائے
یہ بھی ہندوستان کی عاتق تالیف ہے، اور عالمگیر کے عہد کے چالیس سال یعنی ۱۶۹۵ء تک کے حالات پر
ختم ہوتی ہے، اور اسی سال یعنی ۱۶۹۵ء میں اختتام کو پہنچی، اور عالمگیر کی خوش قسمتی سے اس ہندو
مصنف نے اپنی یہ تاریخی تالیف عالمگیر کے نام منون کی ہے، اس کا ایک نسخہ کتب خانہ دارالاحسنین
میں بھی موجود ہے، اور اس میں مصنف کا نام سجان رائے متوطن بٹالہ (پٹنالیہ) ہے،

لیکن تاریخی حیثیت سے عہد عالمگیری کی ان تصنیفات سے زیادہ اس عہد کے مجموعہ مکاتیب
دفراین و احکام کو اہمیت حاصل ہے، یہ خطوط احکام حسب ضرورت صادر ہوئے، اور روزانہ
جو حادثات پیش آئے، اور حوادث کے مختلف پہلوؤں میں جو حکمت عملی اختیار کی گئی، اور جو
سیاست ہوتی گئی، یہ خطوط دفراین ان کا صحیح ترین مرقع ہیں، یہ اس عہد کے پوشیدہ سے پوشیدہ
رسل و رسائل کی وہ کڑیاں ہیں جنہیں دور حاضر کی حکومتیں بھی اتنا احتیاط نہیں رکھتی ہیں،
اس لیے عالمگیری عہد کی تاریخ کا حقیقی آئینہ ہی بن سکتی ہیں، کیوں کہ یہ خطوط دفراین جب صادر
ہوئے تھے۔ اس وقت نہ ان کی اشاعت کا خیال تھا، اور نہ انہیں حوادث عالمگیری کے حق و
باطل میں فیصلہ کار قرار دینے کا خیال تھا،

لیکن عہد عالمگیری کے چند سال گزرنے کے بعد جب لوگوں کو ان مکاتیب و دفراین کی ترقیب
کا خیال پیدا ہوا، تو عالمگیر نے اس میں کوئی مزاحمت نہیں کی، اور اسی عہد میں اس قسم کے مختلف
مجموعے تیار ہو گئے۔ اور ان خطوط میں صرف عالمگیر کے مکاتیب نہیں ہیں۔ بلکہ اسی عہد کی اہم شخصیات

شاہ جہاں، پرادوان عالمگیر، شاہزادگان عالمگیر، سیداجی، جے سنگھ، اور مختلف سرکردہ
عالم حکومت کے سربراہان کی فہرست،

یہاں ملحقہ دستوں نے عالمگیر کے سرکاری کاغذات کو استعمال کیا، اور ان سے فراہمی حکام
کے مختلف نمبر سے تیار کیے گئے، لیکن عالمگیر نے ان سرکاری کاغذات سے جمع و ترتیب کرنے
میں منع نہیں کیا۔

نیز خود عالمگیر نے اپنے سرکاری کاغذات کا مکمل و منظم دفتر قائم رکھا، جو اس عہد کی تاریخ میں
نہایت اہمیت رکھتے تھے، چنانچہ اس وقت بھی انڈیا آفس میں عالمگیری عہد کے سرکاری
کاغذات کا ریکارڈ موسومہ اخبارات دربار علی "موجودہ" جس میں عالمگیر کے ۲۲ ویں سال
حکومت تک کے جتنے جہتہ کاغذات ہیں، اور ۲۲ ویں سال حکومت سے عہد آخر تک کی مکمل
کڑیاں موجود ہیں،

ای طرح عہد عالمگیری کے حکمرانوں کے بہت سے مجموعے مختلف مقامات پر آج بھی
پائے جاتے ہیں، جن کے جوڑے سرحد، نانہا، سرکار اور ہماچے دوست سید نجیب اشرف صاحب
نندوی ایم، ایس نے اپنی تالیف میں مکمل درج کیے ہیں، ان مجموعوں کو نہ صرف سلمان اہل قلم
نے جمع کیا ہو، بلکہ ان میں متعدد دہندہ مرتبین بھی شامل ہیں،

اس لیے عالمگیر پر یہ الزام لگانا کہ اس نے تاریخ نویسی کو قانوناً جرم قرار دیدیا تھا، عالمگیر
پر ظلم ہونے کے بجائے خود اپنی تاریخ دانی پر کس قدر صریح ظلم ہے،

(مئی ۱۹۳۷ء)

عالمگیر کے عہد میں مندروں کا انہدام

برطانوی عہد کے ہنگال کی انگریزی درس گاہوں کے نصاب میں ہندوستان کی تاریخ کی جو کتابیں داخل تھیں، ۱۹۴۴ء میں محکمہ تعلیمات ہنگال نے ان میں کئی غیر صحیح و مستندہ مندرج واقعات کی چھان بین کرنے اور ان پر تصحیح و استدراک کے طور پر حوثی تیار کرانے کا فیصلہ کیا تھا، اس سلسلہ میں عالمگیر کے عہد میں مندروں کا انہدام کا باریہ موضوع بھی زیر بحث آیا، اور ڈاکٹر تعلیمات نے اس موضوع کے ماہر سر صید ناتھ سرکار سے رجوع کیا، کہ ان کی تاریخ میں بھی یہ الزامات دہرائے گئے ہیں، موصوف نے جو جواب دیا، ڈاکٹر تعلیمات نے اپنے مکتوب کے ساتھ اس کو اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر کے مصنف علامہ شبلی نعمانی علیہ الرحمہ کے یادگار علمی ادارہ میں بھیجا، وادارہ مصنفین کی طرف سے اس کا جو جواب الجواب بھیجا گیا اس کو عام افادہ کے لیے یہ کہہ کر خارج کیا گیا کہ

گاہے گاہے بازخوان اس قصہ پڑھیں

وہ جوابی مراسلہ یا عنوان بالا پر مقالہ سب ذیل ہے:-

آپ کا ڈی، او۔ (B-283-925) موصول ہوا، آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ

”مولانا شبلی نے جو اردو کے معروف مصنف ہیں، اپنے مقالہ میں جو اورنگ زیب پر

جو، یہ دکھایا ہے، کہ شہنشاہ نے جو چند مندروں کے سمار کرنے کا حکم دیا تھا وہ جواب

میں اس عمل کے تھا، جو ہندوؤں نے مسجدوں کو تہید کیا تھا، اور مختلف جگہوں پر

مسلمانوں کو ہندو بنایا گیا تھا، لیکن لائق مصنف نے برہمنی سے اپنے اس بیان

کی تائید میں کوئی حوالہ نہیں دیا ہے،

آپ نے ازراہ ہرمانی اس مسئلہ کے متعلق سر صید ناتھ سرکار کا مکتوب بھی روانہ فرمایا ہے جس میں

ارشاد فرماتے ہیں کہ

”مہرانی کے آپسری تاریخ اور نگ زیب جلد سوم متعلقات نمبر ۵ ص ۲۸۰ تا ۲۸۱ ملاحظہ کریں، جس پر یہ بھی فارسی تاریخوں کے ترجمے درج ہیں، جو مسلمانوں کی لکھی ہوئی ہیں، ان میں سے خلیفہ اور نگ زیب سے تعلق میں، اور ثابت کرتی ہیں، کہ شہنشاہ نے حکم دیا کہ مندروں کے سب کے سب مندروں کو دیے جائیں اور اس نے اس کی مشق اپنی تختہ نشینی کی پہلے سے شروع کر دی تھی، مولانا شبلی نے اس کی کوئی دہائی نہیں لکھی، کہ انہوں نے اورنگ زیب کے عہد حکومت کی ایسی سرکاری تاریخ کو قابلِ عقیدہ نہ سمجھا جاسکے جس کو محمد سانی نے شہنشاہ کے مقرب مصداق (مہرید خاں) نے عسائیت، اشدک، ہدایت کے مطابق سرکاری کاغذات کی مدد سے مرتب کیا ہو۔ وہ جس میں بیان کیا گیا ہو، کہ

”سرخسہ، اکام، مقام نظام، نظام ناظران کل موجود ہیں۔ سدا درشد کہ در اسن سادہ ہے و دینان دست خوش اندام سازند“ (ص ۱۸۰)

۱۔ سے ثابت ہوتا ہو، کہ ۱۶۵۹ء میں یہ نثران صادر ہو، اگرچہ سند سار کے مابین اور سند گورنر کے مابین پورے فقیرانہ خط میں بت کر دیے جائیں، پڑاں ہی ہر کے جو نہیں تو کی حکم اور ناسیب کے بہت ہی آخر عہد حکومت (ختم عہد سلطنت) میں صادر ہوا، اور اس کی خلائع میں میری کتاب میں موجود ہیں، جو مستند ترین سے صادر ہیں، اور سب کے اندام کا کوئی واقعہ اور نگ زیب

کی تاریخ میں موجود نہیں۔“

تفتیح طلب امور | ان دونوں مطالبوں میں حسب ذیل امور تفتیح طلب نکلتے ہیں :-
۱۔ مولانا شبلی مرحوم نے اپنے ہی بیان کی تائید میں کوئی حوالہ نہیں دیا کہ سند رجاء اباً منہم کیے گئے،

۲۔ اورنگ زیب نے اپنی خاںزادگی کے زمانہ سے مندروں کے سمار کرنے کی مشق شروع کی، پھر اپنے دور حکومت میں کل صدیوں میں مندروں کے انہدام اور مندروں کے مندروں کے بند کرنے کا کام فرمان جاری کیا، اور اسی بنا پر عالمگیری کے زمانہ میں بہت سے مندروں کا

کیے گئے، جن کا ذکر مستند مؤرخین نے کیا ہے، انھیں سرحدِ ذمہ سرکار نے اپنی تاریخ میں جمع کیا ہے،

۳۔ مولانا شبلی مرحوم نے ان مؤرخین خصوصاً محمد سائے کے اس بیان کے بارے نہ کرنے کے وجہ بتائے کہ سترہ اسی مندروں کے مٹانے اور دروسوں کے بند کرنے کا عام منہ مانا جاری ہوا،

اب ذیل میں سلسلہ وار معروضات پیش ہیں :-

مولانا شبلی مرحوم کا بیان | مولانا شبلی مرحوم کے متعلق یہ گھنٹا جھنجھ نہیں کہ انھوں نے عالمگیر کے زمانہ میں مسجدوں کے مٹانے کے بارے میں اس کے خلاف اس کے ہندو بنائے جانے کا ذکر کیا ہے، کہ اس نے اپنے عہد کے ان برکتوں کے جواب میں مندروں کو مٹا کر دیا، بلکہ انھوں نے کبیر کے عہد سے عالمگیر کے زمانہ تک کے ہندوؤں کے طرزِ عمل کا جائزہ لیا ہے، اور دکھایا ہے کہ

”اب ہندوؤں نے علامہ مسلمانوں پر تعدی اور ظلم شروع کیا، تو بہت سے یہاں تک پہنچے کہ ہندو مسلمان عورتوں سے برہمن شادی کرتے تھے، اودان کو گھروں میں ڈال لیتے تھے، اس سے بڑھ کر یہ کہ مسجدوں کو توڑ کر اپنی عمارتوں میں داخل کیتے تھے، شاہ جہاں نامہ عبد الحمید لاہوری جو شاہ جہاں کی شاہجہانیاں لکھی ہوئی اور شاہ جہاں کے حکم سے لکھی گئی ہے، اس میں یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے،“

جہاں چھ اس کی عبارت یہ ہے :-

وچوں را یات حلال بہ حوالی گجرات پنجاب رسیدیم از سادات و مشائخ آں قصبہ متغایہ نمودند کہ پرستش از کف ناپاکا حرارت آست و منہ را در تصرف دارند چند سے از میان مساجد تعدی و عمارات خود آورده بما برکن شیخ محمد کجراتی کہ از سنی دانش برہ در دست داد علی مردم جدید الاسلام بر مقرر شخصیت یافت تا بعد از ثبوت نساؤ مسلمہ را از تصرف کفایہ کرد و مساجد و عمارات آں علما میں جدا سازد، او مطابق حکم ہم عمل آورده ہفتاد و چہ و چارہ ہر منہ را از تصرف کفرہ

فجرہ برآمد و ہر جا کہ مسجد سے دذریعہ عمارت ہندو در آمدہ بود، بعد از تحقیق آن
 را افزا نمود و دوز سے ازاں جا بہ طریق جرمانہ گرفتہ بہ دستور سابق مسجد ساخت ،
 پس ازاں کہ اس ماجرا پر سانس حلال رسیدہ ریغے تضاعفا ذمہ وار شد کہ بہ دستور
 قدیم ہر کہ مسلمان شود مسلمہ را بہ عقد محمد دیا و بگذاشتہ، پس از ورود فرمان مجھے
 از سادات یاد دہی بہ پایتہ اسلام رسیدہ زنان مسلمہ را بہ نکاح مدیہ متصرف
 گشتند و حکم شد کہ در کل ممالک محروسہ ہر حاجتیں واقع شدہ باشند، بدین دستور
 عمل نمایند، چنانچہ اثبات بسیار از دست کفار بر آمدہ و در نکاح مسلمانان درآمدند
 و گروہ از کفار بہ قبول دین پیوستہ از آتش دوزخ رہائی یافتند
 و بہ خانہ ہانندہ گردید و بجائے آن مساجد بنایا رفتہ

کیا شاہ جہاں نامہ کی یہ عبارت مولانا شبلی مرحوم کے مدعا کے اثبات کے لیے کافی نہیں ہے؟
 ۲۔ اندنگ زیب کی شاہزادی کے زمانہ سے آخروں
 حکومت یک مندروں کے سما کیے جانے کے جو وقت
 پیش آئے، ان کی حقیقت سمجھنے کے لیے ان اسباب
 کو ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے، جو وقتاً فوقتاً پیش آتے
 گئے، اور ان کے نتیجہ میں مندروں کا خاتمہ کیا گیا۔

الف۔ شاہ جہاں کے زمانہ میں ہندوؤں کی جو زیادتی
 ہوتی رہتی تھیں، ان کا حوالہ مولانا شبلی مرحوم کی تحریر بالا
 میں گزر چکا، محمد صالح لاہوری نے عمل صالح معروف بہ شاہ
 جہاں نامہ میں اس واقعہ کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے،
 وہ لکھتا ہے:-

چون ظاہر قریب مجرات پنجاب مغرب خیام دولت و اقبال شد، چندے از

سادات و شایخ آں قصبہ معروض واقفان قصبہ سدرہ رتبہ داشتند کہ بعضے از
 کفرہ فخرہ زنان و کینزان مسلمان را در سخت تصرف دارند و گردہ بہ بر خفت خارج
 از دائرہ دینی نیز اند و طریقت اندازہ خود پائے بیرون نہادہ، مساجد داخل عمارت
 خود نمودہ اند، ہندگان حضرت تحقیق حقیقت این امر را بہ شیخ محمود گجراتی کہ دادہ
 بگی و مسلمانان ہر دفعہ معروض خود مروج فرمودہ مقرر ساختند کہ بعض از ثبوت این
 مقدمہ زنان و کینز را از نیا گرفتہ مساجد را از منازل این بے دینان جدا نمود
 حقیقت ہر ض مقدس رساند، چون شیخ آں قصبہ رسید، ہفتاد اہل بیت کمرہ را
 از تصرف آں مردہاں برآوردہ ہر دم متدین پرنہر گار سپرد و چندی مسجد را
 از خانہاں ایشاں فراز ساخت و بے سواد تے کہ نسبت بہ مصحف مجید استخفانے
 از سر نمودہ بود، بعد از انہات اور اگر دن زدند آں گاہ امر اعلیٰ بصد و پست
 کہ در سائر ولایت پنجاب ہر جا ہی صورت بے معنی رو نمودہ با شد منکفلان
 ہماں خرمی و متصدیان خدمت عرفی شرائط تخصیص بحسب سجا آرد و مسلمات را از
 قبضہ تصرف و کار نہی مساجد از خانہ کفار برآوردہ چہ قد مسلمانان در آورند،
 تزیین چار صد ہند بہ طبیب خاطر قائل کتین طیبی گشتہ از تہ دل مسلمانان شدند
 و ہفت مسجد از کفرہ فخرہ برآمدہ بہ ازگی حبادت گاہ اول اسلام گردید، و بہت فضا
 از تیغ و نیا دہر کندہ شد و بجائے آں مساجد و عبادہ اساس یافت ۔

بہ صورت حال شاہ جہاں کے زمانہ میں جو ہر طبقہ میں غیر متعصب حکمران مانا گیا ہو، قائم تھی، اور
 صرف کسی ایک قصبہ کا نہیں بلکہ پورے صوبہ پنجاب میں جاہ جاہ کی مثالیں پائی گئیں، اور یہ
 ایک ایسے صوبہ کا حال تھا، جہاں مسلمان زیادہ تعداد میں آباد تھے، اور جو بہت ہی قریب ہانہ
 میں دار الحکومت رہ چکا تھا، اور ہندوستان کے شہنشاہ کو اکثر یہاں کی آبادیوں سے گزرنے
 کا اتفاق ہوتا رہتا تھا، اسی مناسبت سے ان صوبوں کے مسلمانوں کا حال تصور کیا جاسکتا ہو،
 ہر دار الحکومت سے دور پڑتے تھے، اور جہاں مسلمانوں کی آبادی بھی زیادہ موجود نہ تھی، پھر

شاہ جہاں کے آخری حکمران تھے۔ انکوہ کا دارلعدہ ہوا جس کی ہندو پرستی کوئی بھی پوٹی بات نہیں ہے، ان لیے ہندوؤں کے متغیر مذہبی گروہ کا جبر و تعدی اس زمانہ میں جس حد تک نہ بڑھ گیا ہو کوئی تعجب کی بات نہ ہوگی،

عالمگیر کے عہد میں مسلمانوں میں | تاک کے ایسے احوال میں عالمگیر تخت نشین ہوا، اس نے رعایا کے خفاہ، فرتوں کے مذہبی و سیاسی و معاشرتی حقوق گمراہی پھیلانے والے مرکز متعین کیے۔ اور ہر فرقہ کو کسی دوسرے پر ظلم کرنے سے ڈکا، لیکن ہندوؤں کے مذہبی گروہ کی حالت سے اس نوعیت کے واقعات اپنی شکل بدل کر اس کی شکست کے دور میں بھی پیش آئے، جیسے کہ شاہ جہاں کے زمانہ میں پیش آچکے تھے، اس لیے اس کو بھی اسلحا کا ردائیاں تل میں لانی تھیں۔ جہاں چہ شاہ جہاں کے زمانہ میں اگر تعین یہ معلوم ہو کہ مسلمان عورتوں کو ہندوؤں کے ساتھ نظر میں نہ لیا۔ مسجدوں کو اپنے مکانوں میں داخل کر لیا، اور قرآن مجید کے ساتھ سوادب سے پیش آئے، اور شاہ جہاں نے ان کے اسناد میں جو امی کا ردائیاں کیں، تو عالمگیر کے زمانہ میں ان واقعات نے یہ قالب اختیار کیا، کہ ہندوؤں کے مذہبی مقتدا مسلمان بچوں کو باپ شالوں میں داخل کرنے، اور انہیں مختلف رنگین دے کر دور دور سے بلانے لگے، اور ان کے باپ شالے اور مذہبی مسلمانوں میں کفر و شرک پھیلانے کا ایک ذریعہ بن گئے، اور یہ خطرہ سامنے آیا، کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی نسل کی نسل اسلام کی آغوش سے نکل کر ہندوؤں میں جذب ہو جائے، اس لیے عالمگیر نے اس کا تدارک کیا، اور اسی کے تدارک میں وہ فرمان نافذ کیا، جس کو سرحد و ناخبر سرکایت نے اپنے مکتوب میں نقل کیا ہے،

لیکن انوس ہو کہ سرحد و ناخبر نے صرف بیچ کی عبارت نقل کر دی، اور اس سے اوپر اور نیچے کی وہ عبارتیں چھوڑ دیں جن سے اس فرمان کا اصل منشا ظاہر ہوتا ہو، اور وہ واقعات ظلم میں آئے ہیں جو اوپر بیان کیے گئے، آفر عالمگیر کی وہ پوری عبارت ذیل میں پیش ہے،

بعض خداوندین پرورد سید کہ در صوبہ تھو و ملتان خصوص بناس و مہمان

بطالت نشان در مدارس مقررند یہاں کتب باطلہ بتعالی و اندوزان غیاب طالبان
انہو دو مسلمان مافتاے عبیدہ نے خودہ جہت تحصیل علوم شوم، نذا آں جہا

گرہائی آئید، احکام اسلام نظام بنانا، کل صوبہ جات صادر شدہ حکام اس
 رعایا بے دنیاں دست خوش، ہندو سائنس دان کید کید طور پر، سوتھریس
 درم شیوع مذاہب کفر انیان براندازد۔

اقتباس بالاسے یہ بخوبی معلوم ہوتا ہے، کہ وہ فرمان اپنے ماقبل و مابعد کی تصریحات کی روشنی
 میں صرف ایسے ہی مدرسوں اور مدرسوں کے تعلق ہو، جو مسلمانوں میں بے دینی پھیلانے کا ذریعہ
 بنے ہوئے تھے، ورنہ اگر اس فرمان کا وہ عام اطلاق لیا جائے، جو سرحد و ناتھ سرکار لینا چاہتے
 ہیں، تو اس فرمان کے بعد عہد عالمگیری میں ہندوستان کے اندر کسی ایک مندر یا پاٹ مثلاً کا
 وجود باقی نہ بننا چاہیے، اور یہ معلوم ہو، کہ عالمگیر کوئی ایسا کم زور حکم نہ تھا، کہ اس فرمان کے
 جاری ہونے کے بعد ایک چوتھائی صدی سے زیادہ زمانہ تک وہ حکم راسخ رہا، اور اس
 کے حکم کی تعمیل نہ ہو سکے،

سرحد و ناتھ سرکار کی تلبیس | اس سے صرف عینی و قیاسی طور پر اس فرمان کا وہ عمومی
 اطلاق نہیں لیا جاسکتا ہے، جو سرحد و ناتھ سرکار سمجھانا
 چاہتے ہیں، بلکہ مورخ نے جس تصریحات کے ساتھ اس فرمان کو نقل کیا ہے، اس کا اقتضایہ کبھی
 سمجھا جائے، کہ یہ فرمان صرف ان ہی مندروں اور پاٹ مثلاً کے متعلق تھا، جو مسلمانوں میں
 بے دینی پھیلانے کا ذریعہ بنے ہوئے تھے، اور اسلامی حکومت کا (خواہ اس وقت کوئی بھی حکم
 ہوتا) یہی فرض تھا، جو عالمگیر کے ہاتھوں انجام پایا، اور یہ بعینہ و سیاق واقعہ تھا جیسا شاہجہاں
 کے زمانہ میں دوسرے قالب میں پیش آچکا تھا،

پھر ہی اقتباس بالاسے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے، کہ مسلمانوں میں گمراہی پھیلانے والے اس
 قسم کے مرکوز صرف ٹھکانے اور نشتان میں تھے، تو دوسری طرف بنارس میں، اس لیے تمام صوبوں
 کے حاکموں کے پاس یہ فرمان علی الاطلاق بھیجا گیا، کہ وہ اپنے اپنے صوبوں میں مسلمانوں میں گمراہی
 پھیلانے والے مرکوزوں کی تحقیقات کر کے ان کا تدارک کریں،

باغیوں اور دشمنوں کی عبادت گاہیں | (دب) ہندوستان کے اسلامی عہد حکومت

میں مندریں کے انہدام کی حقیقت سمجھنے کے لیے یہ ذہن نشین رکھنا بھی ضروری ہو، کہ اس زمانہ میں یہ کچھ دستور سا ہو گیا تھا، کہ لڑائیوں کے موقع پر دشمن کی عبادت گاہیں ڈھائی جاتی تھیں، جہاں چہ ہندو اگر کسی مسلمان حکمران پر فتح مند ہوتے، تو مسجدوں اور مصحفوں کی بے حرمتی کرتے، اور انہیں ہر باد کو دیتے تھے، اور مسلمان عورتوں کی عصمت تک محفوظ نہ رکھتے تھے، فہر وزیر شاہ کے زمانہ میں قریب حسن کا نیکو معبر پرستولی ہو گیا تھا، ایک ہندو سرکش کہن اس پر چڑھ دوڑا، اور معبر میں اس نے جو تباہی پھیلادی، شمس سراج عقیف نے اپنی تلخی میں اس کو دسج کیا ہو، گھٹا ہو۔

”بکن مفسد کہ دروغالی معبری با خدا باجمیعت ابنوہ دیلان باخوہ دعبہ
ورآمد قریب حسن کا نیکو زندہ گرفتہ، بعد از گرفتہ کشتہ شہر معبر خود گرفتہ،
ہر تمام معبر کہ شہر مسلمانان بودند خراب گردانیدہ بلکہ عورات مسلمانان ہر دم
ہندو گرفتہ شدہ در شہر معبر کین اقامت کردہ“

اسی طرح اگر مسلمان حکمران کو کسی باغی ہندو آبادی پر فتح ہوتی، تو وہ مفتوحہ علاقہ کے مندروں پر حملے کرتے تھے یہاں تک کہ اگر کوئی ہندو راجہ کسی والی کی مدد کے لیے کسی دوسرے مسلمان حکمران کے مقابلہ میں آتا، تو بھی وہ مفتوح علاقہ کی مسجدوں و مصحفوں کی بے حرمتی سے باز نہ آتا تھا، جہاں چہ ۹۷۶ء میں علی عادل شاہ دکنی نے رام راج والی بجا نگر کو نظام شاہ کے مقابلہ میں اپنی مدد کے لیے بلایا تو رام راج کی فوج کے ہاتھوں خود علی عادل شاہ کے ملک کی مسجدیں اور مصاحف بے حرمتی سے نہ بچ سکیں، اور زندہ سزا تپ بھڑیں، حالانکہ علی عادل شاہ نے معمول کے مطابق بے حرمتی کے حادثے پیش آنے کے خطرہ سے پہلے ہی وعدہ لے لیا تھا کہ کسی موقع پر مساجد و مصاحف کی بے حرمتی نہ کی جائے گی، لیکن موقع کے وقت رام راج اپنے عہد پر قائم نہ رہ سکا جہاں چہ مرقوم ہو کہ

”گھٹا بجا نگر... دست بیدار دراز کردہ... مساجد و معاہدہ سوختہ“

اکبر اور جہانگیر کے عہد میں اسلامی معاہدہ و شعائر کی بے حرمتی کا نقشہ دوسری تاریخوں سے

میں آئے، تو اس احمدی کے علم طریق کے مطابق مندروں کے انہدام کے واقعات کا پیش آنا بھی
 ضروری تھا، سرحد و ناقدہ سرکار نے اپنی تاریخ میں مندروں کی مسماری کے جو واقعات یکجا کیے
 ہیں، اگر ان سب کو انتقاص کے ساتھ دیکھا جائے، تو وہ کسی نہ کسی بغاوت، سرکشی، اور فساد
 کے نتیجے میں ثابت ہوں گے، خلا سرصوصف نے سب سے پہلے اور ناگ زیب کی شاہزادی
 کی یہ مشق، دکھانے کے لیے مرآت احمدی کے حوالہ سے جنتا من مندر کے مسمار کیے جانے کا ذکر
 کیا ہے، جو سرش پور میں واقع تھا، اور سیتا داس جوہری کا تعمیر کردہ تھا، اب یہ دیکھا جاتا
 ہے، کہ اور ناگ زیب ۵۵۸ھ میں گجرات کا والی بن کر وہاں گیا، اور ۵۵۸ھ میں اکاہن و سر
 ام منصب پر بھیج دیا گیا، عبدالحمید لادوی اور صاحب مرآت احمدی لکھتے ہیں، کہ گجرات
 میں اور ناگ زیب کا یہ پورا زمانہ یہاں کے سرکشوں کو زیر کرنے میں گذرا اور اس کے اہتمام میں
 اس کو مزید فوج رکھنی پڑی، غیر معمولی انہماک سے اس نے سرکشوں کو زیر کیا، اور شہنشاہ
 سے خراج تحسین وصول کیا، اس لیے قدرۃ ہی سمجھا جائے گا، کہ اس مندر کی بربادی بھی
 ان ہی بغاوتوں کے زیر اثر عمل میں آئی، بلکہ اس موقع پر نہ صرف ایک مندر بلکہ کئی مندر مسمار
 کیے گئے، جیسا کہ مرآت احمدی میں عالمگیر کے فرمان مورخہ ۲۲ جمادی الاول ۱۰۵۸ھ سے ملتا ہے
 مطابق ۸ نومبر ۱۶۶۵ء سے آٹھ مارچ ۱۶۶۶ء، لیکن سرصوصف نے اس فرمان کو علیحدہ حیثیت
 سے جگہ دیا ہے، اور بت خانوں کے انہدام کے واقعات میں اضافہ کیا ہے، حالانکہ اس
 فرمان میں گجرات کے باغیوں کے ان ہی مندروں کا ذکر ہے، جو گجرات کی صوبہ داری کے زمانہ
 میں اس نے مسمار کرائے تھے، اور جن کو وہاں کے باشندوں نے دوبارہ تعمیر کر کے پوجا شروع کر دی
 تھی، عالمگیر نے اس فرمان کے درجہ ان ہی مندروں کو دوبارہ مسمار کرایا، چنانچہ
 مذکور ہے۔

دہم نہیں بیٹھے از ساکنان محال مرقوم بت خانہا۔ اگر پیش از جلوس وال

بوجہ علمِ ہندم گدیہ بود تعمیر نمودہ بتادراں گذاشتہ پیش ہی نہاید و
 رنگ بامور نامشروعی گردند، ہند اعلم جہاں مطاع لازم الاتباع بہ کرامت
 صدور محیی پدید کہ بت قانہ ہے ہند مدہ الحال مرت
 نمودہ اندینہ ازند۔

مخصوص نے اورنگ زیب کی شاہزادی کی مشق میں صرف کجائے ہی کے یہ واقعات پیش
 کیے ہیں جن کی حقیقت اور پیش کی گئی، اسی طرح ان کے تمام محتسب کیے ہوئے حوالوں پر
 جو عالمگیر کے درحکومت سے متعلق ہیں، نظر ڈالی جائے۔ تو یہی قسم کے واقعات آشکار ہوں گے
 لیکن یہ سطر یہ غیر ضروری طول کبڑ جائیں گی، صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لیے عمومی طور پر صرف
 یہ دیکھ لینا کافی ہو، کہ عالمگیر کے عہد میں مندروں کے انہدام کی زیادہ تر واقعات و پور
 او دے پورا رکھتے دیکھیں پیش آئے، اور یہی مقامات اس زمانہ میں بغاوتوں
 کے اہم مرکز بنے ہوئے تھے،

پرنے ہندو معابد کا وجود
 اور ان پر عالمگیر کے اوقاف

اور نہ اس کے مالک محروسہ کے وہ علاقے جو اس کی عطا
 میں رہتے تھے، اور حیثیت رعایا ان کی جاہ و مال
 اور معابد کی حرمت برقرار رکھنا اس پر فرض تھا،

اس نے جس دن خوبی اس فرض کو انجام دیا، اس سلسلہ میں دکن کی واضح مثال ہمارے سامنے
 موجود ہے۔ کہ وہاں ۳۵ سال عالمگیر نے حکمرانی کی، لیکن کبھی کسی ایک بت خانہ کو بھی ہاتھ نہیں
 لگایا، اور عہد قدیم سے اس وقت تک اور وہ عجیبہ کی ناوریاد گاریں موجود ہیں، پھر
 مختلف مقاموں پر چھپ چھپ کر یہاں ایسے پائے جاتے ہیں، جن میں اس نے مطیع ہند رعایا کے
 مندروں پر بڑی بڑی جاگیریں وقف کی ہیں، ابھی حال میں شہر گلیا کی مشہور عبادت گاہ دودھ
 گیا کے متعلق ایک فرمان کی عکسی تصویر گلیا کے رسالہ ندیم کے ہمارے نمبر ۱۱ میں شائع ہوئی ہے،
 اور اس فرمان کی اصل ہمت بود دھ گیا کے پاس محفوظ ہے، اور اہم سطور کی نگاہ سے گزر چکی ہو،
 اسی طرح عالمگیر کی وہ وقف کی ہوئی جاگیریں کج بھی اسی مندر کے قبضہ میں باقی ہیں، اسی قسم

کا دوسرا فرمان جو بنارس سے متعلق ہو، رائل ایٹیاک سوسائٹی بنگال کے جرنل میں چھپ چکا ہو، اور اب بھی بہ کثرت پڑنے ہندو معاہدہ میں موجود ہیں،

اسلامی حکومت کے حدود میں بت خانے

اصل و امن کے قیام کے بعد عایا کے مقدمات سے تعرض کرنا بھی اسلام کے قانون کے خلاف ہو، اور انہیں اپنے گھروں میں یا پہلے سے بنے ہوئے معبودوں میں اپنے طریقِ عبادت کرنے کی پوری آزادی حاصل ہو، اور غیر مسلموں کی جو عبادت گاہیں اسلامی فتح سے پہلے کی تعمیر کی ہوئی ہوں، ان کو ان کے حال پر باقی رکھنا اور ان عبادت گاہوں کے مخالفوں کے ہاتھوں سے ان کا بچانا، اسلامی حکومت کے فرض میں داخل ہو، اسلام کے دورِ اول میں عہدِ فاروقی میں تمام عراق کی فتوحات میں اس کی بہ کثرت مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں، اور خود ہندوستان میں سندھ و ملتان کی عربی حکومتوں کے عہد میں پورے احترام سے یہ معاہدہ قائم رہا،

اسی کے ساتھ دوسری طرف کسی اسلامی حکومت میں اگر کسی غیر مسلم کی کوئی نئی عبادت گاہ بغیر اجازت تعمیر ہوگی تو اسلامی قانون کے مطابق وہ منہدم کر دی جائے گی، کیوں کہ جو حق میں اسلامی حکومت کو قبول کر لیں گی، انہیں اسلامی قانون کے مطابق ہی مسلمان حکمران سے اپنے تعلقات قائم کرنے ہوں گے، اور قوانین کی پابندی کرنی ہوگی، اسی بنا پر عالمگیر کے عہد میں بھی بعض ایسے مندر ڈھادیے گئے، جو اس قانون کی زد میں آگئے تھے، جہاں چہ عالمگیر کے عہد میں جو بت خانے سمار کیے گئے، ان میں سے اکثر موقعوں پر ان کے نوادرات ہونے کی تصریح موجود ہے، اور اس قانونِ اسلامی پر عمل درآمد صرف بدنام عالمگیر کے عہد ہی میں نہ تھا، بلکہ شاہ جہاں تک کے عہد میں موجود تھا جس کے متعلق ہمائے غیر مسلم مؤرخین بھی حسن ظن رکھتے ہیں، چنانچہ منتخب البابِ خوانی خان میں مسئلہ کے واقعات کے ضمن میں مذکور ہے:-

از قاصد صوبہ بہار بعض رسید کہ ہندو شیش بت خانہ نوادرات مسار و مصالح نہا ساجد شدہ

عالمگیر کے عہد میں پرانے
مہندروں کا احترام

بھیر بھی ذکر کیے جانے کے لائق ہو کہ عالمگیر کے عہد میں
اگر ایک طرف بعض نئے مندر ڈھائے گئے، تو دوسری
طرف اس نے پرانے مندروں اور ان کے پرانے پتھروں

کے حقوق کی حفاظت کے بھی فرماں جاری کیے، جہاں جہاں ۱۷۰۹ء کی آخری سترہ کو بنائے
کے ناظم ابو الحسن کے نام اس نے ایک فرمان جاری کیا تھا، جس کی عکسی تصویر کا مرید (نکلتہ) یہاں
شائع ہوئی تھی، نیز کرنل ڈی سی فلت نے بھی انگلستان سے اس کو شائع کیا، اور اس کا
ذکر مرموصوف نے بھی اپنی تاریخ میں کیا ہے، اس فرمان میں وہ تبصرے لکھتا ہے۔

خریت غرا کے مقدس قانون کے مطابق گونے مندر میں بنائے جاسکتے مگر پرانے مندر
کو توڑا ہی نہیں جاسکتا، ہمارے گوش گزار یہ خبر مہرئی ہو کہ بعض محال ازراہ جہر و تد

تعبہ ہندو اس کے آس پاس کے دوسرے مقامات کے ہندوؤں اور
برہمنوں پر جو قدیم بت خانوں کے پر دہت ہیں، تشدد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ برہمنوں

کو ان کی پر دہتی سے الگ کر دیں، جس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا،
کہ یہ یہاں سے پریشان ہو کر صوبہ میں مبتلا ہو جائیں، اس لحاظ سے (ابو الحسن) کو حکم

دیا جاتا ہے، کہ اس فرمان کے پونچھتے ہی ایسا انتظام کر دے کہ کوئی شخص تھا سے
علاقہ کے برہمنوں اور دوسرے ہندوؤں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ کرے،

اور ان کی تشویش کا باعث نہ ہو تاکہ یہ جماعت بہ دستور سابق اپنی اپنی جگہ
پر اور اپنے منصبوں پر قائم رہ کر اطمینان قلب کے ساتھ جاری دولت خداداد

کے حق میں مصروف دعا رہے، اس باب میں تاکید فرمائی جاوے۔

جس عالمگیر کے قلم سے یہ فرمان صادر ہوا ہے، اس کے حلقی یہ یاد رکھنا کہ اس کا مندر
کہ اس نے تمام ناٹوں کو علی الاطلاق حکم دے دیا، کہ سب مندر ڈھادیے جائیں، اور انہوں
کے سب مندر سے بند کر دیے جائیں،

مولانا شبلی کا شکوہ
۳۔ سرحد و ناتھ سرکار فرماتے ہیں، کہ مولانا شبلی نے اس کی کوئی وجہ نہیں لکھی، کہ کیوں اور تاک زریب کے عہد کی ایسی سرکاری تاریخ کو قابل یقین نہ سمجھا جائے، مولانا شبلی مرحوم نے

خود اعتراف کیا ہو، کہ عالمگیر نامہ کا مسودہ خود عالمگیر کو دکھالیا جاتا تھا، اور اس کا عالمگیری مستوفی ساقی کی تصنیف ہو، جو عالمگیر کا عہد دار تھا، اور دوس برس اول کے حالات اس نے صرف عالمگیر کے عہد سے لکھے ہیں، اور اسی کو مختصر کر دیا ہو، البتہ مولانا مرحوم کو اس مورخ سے شکوہ ضرور ہو، کہ اس نے سوشل کے اس زیر بحث فرمان کو جس میں ناظروں کو سندوں کے ڈھانے کا حکم دیا گیا ہو، ایسے عمومی احکام میں لکھا ہو، کہ بظاہر دھوکا دیتا ہو، کہ عمومیت کے ساتھ پوری سلطنت مغلیہ کے ہندوؤں کو بد رسوں اور مندروں کو ڈھانے کا حکم دیا گیا، اگرچہ اس مورخ کی لکھی ہوئی جرات کے بڑھنے کے بعد یہ شکار ہو جاتا ہو کہ لیکن وجہ سے یہ حکم دیا گیا تھا اور اس کی کیا غرض تھی؟

اب سرحد و ناتھ سرکار جیسے فاضل روزگار مورخ کے مکتوب بالاس بیچ سے اسی عبارت کو غور میں پیش کرنے دیکھ کر یہ کہہ سکتا ہو کہ اس مورخ سے مولانا نے مرحوم کا یہ شکوہ، شکوہ سچا تھا، (ستمبر ۱۳۳۷ء)

تکملہ بحف
مذکورہ بالا مقالہ کے شائع ہونے کے تقریباً چار سال کے بعد آل انڈیا ہسٹری کانگریس کے سالانہ اجلاس میں بعض مورخین کی طرف اس سے موضوع کا ذکر دوبارہ چھیڑا

گیا اور معارف ماہ فروری ۱۳۳۷ء کے خذرات میں راقم سطور نے اس پر تبصرہ کیا، مناسب ہو کہ یہ مقالہ کے مکمل کے طور پر اس کو بھی ذیل میں پیش کر دیا جائے، اس میں لکھا گیا۔

پچھلے دسمبر کے مہینہ میں آل انڈیا ہسٹری کانگریس کا سالانہ اجلاس ٹہپہ میں منعقد ہوا جس کی سرزمین مظالموں کے خون کی ہونے سے اس وقت تک لالہ زارقی، ضرورت تھی کہ اس مناسبت سے اس تاریخ کے ایسے مناظر دکھائے جاتے جو ایک دوسرے سے نفرت کرنے والوں کو باہم ملاتے، اور وہ تاریخ کے آئینہ میں اپنے اسلاف کی صورتیں دیکھ سکتے کہ دیکھی شہر و لشکر کی زندگی گزار چکے ہیں اور اس دلیل میں اچھے ٹریدینوں کی طرح مل جل کر رہ چکے ہیں، لیکن انھوں نے اس اجلاس میں نہ

صرف زندگی کے ان اعلیٰ اخلاقی تصورات کو فراموش رکھا گیا، بلکہ ایک سے زیادہ مقرروں اس موقع پر بھی اسی بدنام عالمگیر کی ہندو کشی و مگرئی کے پامال افسانہ کو دہرائے بغیر نہ سکے،

عالمگیر کے قدیم محسن | اوچر چند سال کے اندازہ کی یاد تازہ کرنے کا سہرا عالمگیر کے قدیم محسن سرحد و ناٹھ سرکار کے سر پر، ناظرین کو یاد ہو گا کہ سلطنت میں محکمہ بنگال کے محکمہ تعلیم نے تاریخ کی درسی کتابوں کی چھان بین کا دلوہ کیا تھا، اس سلسلہ میں عالمگیر کے دور میں مندروں کے انہدام کی پارہ راستان بھی زیر بحث آئی تھی اور ڈاکٹر حکمتہ تعلیم نے اس موضوع کے ماہر موصوف کی طرف رجوع کیا تھا، موصوف نے جواب میں محمد سانی کی تاریخ عالمگیری کی ایک عبارت اخذ کر کے دکھایا تھا، کہ عالمگیر نے مشنہ میں ملک کے سب صوبوں میں مندروں کے دھماکے کا حکم علی الاطلاق بھیجا تھا، حکومت بنگال نے اس مراسلہ کو دارالصفین میں بھیجا تھا، اور قائم مقام کو اس کا جوابی مراسلہ بھیجنے کا موقع ملتا تھا، جس میں تاریخ عالمگیری سے اس موقع کی پوری عبارت اخذ کر کے دکھایا گیا تھا کہ موصوف نے بیچ کی ایک عبارت کو لے کر اپنا غائب کرنا چاہا اور محدثہ دراصل اس فرمان کا تعلق ٹھٹھہ لٹان اور خصوصاً بنارس کے چند ایسے مندروں سے ہے جہاں تھاکوں فتنہ و فساد کا مرکز بنے ہوئے تھے، اور جن میں مسلمان بچوں کو لے جا کر پیر پوجی کی تعلیم دی جاتی تھی، نہ یہ کہ وہ کوئی علی الاطلاق عالمگیری فرمان تھا، یہ مراسلات مقالہ کی صورت میں سادھت ماہ ستمبر ۱۸۲۲ء میں شائع کر دیے گئے تھے،

سرحد و ناٹھ سرکار کے | ہسٹری کانگریس کے اجلاس ٹینس میں ڈاکٹر پریاتاسرن نے پانچویں ویں اجلاس میں جو ریفرنس پیش کیا تھا اس کی تاریخ میں دعویٰ ہے کہ جو مع | ہسٹری کے عنوان سے شائع ہوا، اس میں عالمگیری کی رحمت پسند و تنزل پذیر سیاسی حکمت عملی، اور ہندوؤں کے ساتھ اس کی انتہائی غفلت و خوارگی کو دل کوئی کہ بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:۔

دوسری بات بھی علم میں لائی کہ بعض اہل علم کی طرف سے چند تحقیقات بھی رہی ہیں لائی گئی ہیں، جن سے معلوم ہوا ہے کہ چند اہم مراکز جیسے بنارس کے مند تھے، ہندوؤں کی طرف سے مفسدانہ سازشوں کے اڈوں کے طور پر فعال کیے جاتے تھے، ان کے خلاف

شاہنشاہ نے ہتھال میں علی اقدم کیا اور اس کو اب اس کے تعصب کی خدمات میں پیش کیا جاتا ہو،

لیکن یہ بات فراموش نہیں کی جا سکتی کہ ان مندروں کے بے رحمانہ انہدام کی کوئی تھوڑی شکل سے بھی جا سکتی ہو جن کو شہنشاہ نے شاہزادگی ہی کے زمانہ میں دھایا تھا، اور اسی طرح مختلف قسم کے تعزیری اقدامات وہ ہندوؤں کے خلاف کرتا رہا، اور پھر کیا یہ سوال نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ضروری اور قرین دانش مندی تھا کہ آدمیوں کے ایک گروہ کو کھینچا کی مزار ان مقدس آثار پر تاراجی جائے، جو پورے ملک کی ایک عظیم اکثریت کی عقیدت و ارادت کا گاہ تھے، کیا ہندوؤں کے مذہبی احساسات کو بے مروتی سے بے خیال چھینٹ بھینٹ کر کسی اور طرح بھینٹیں نہیں لایا جا سکتا تھا؟

فحشی کی بات ہے کہ اس تحریر میں سر محمد ذنا تھہر کا رکے اس دعویٰ سے تو رجوع کر لیا گیا جو انھوں نے مسلمانوں کے اُس فرمایا کو پورے ملک کے مندروں کے انہدام کے لیے حکم عربی کے طرز پر قرار دے دیا تھا، پھر اگر ”عظیم اکثریت“ کے افراد ان عمارتوں کی تقدیس کو بے قرار رکھنا چاہتے تو ان مجرموں کو اجازت نہ دیتے کہ وہ ان کو مفاسد کا مرکز بنائیں ایسے موقع پر اُس زمانہ میں جس کی بھی حکومت ہوتی، وہ ایسے ملکوں کو اس زمانہ کی عام روش کے مطابق برباد کرنے کی کوشش کرتا اس معاملہ میں عالمگیر کے عزیز و حکمرانوں اور عالمگیر کے طرز عمل میں کوئی فرق نہ تھا، کہ عالمگیر کو خاص طور پر مصلحتوں کیا جائے،

شاہزادگی کے زمانہ | عالمگیر کی شاہزادگی کے انہداموں کو ایک سے زیادہ مرتبہ نمایاں کیا جا چکا ہو مگر کہیں چین نہیں سوچتے کہ اگر یہی مذہب حکومت کے لیے داغ ہو تو اُن کے مدد شاہ جہاں کا وہیں داغ دیا جاتا ہو، عالمگیر نے

شاہزادگی کے زمانہ میں گجرات کے مندروں کو دھائے تھے، ان میں سے ہر واقعہ کی تحلیل کی جا چکی ہو اس کی تہیں کوئی نہ کوئی بغاوت، شورش اور سرکشی پائی گئی ہو، آخر دکن کی جامعہ خالی بھی تو رہی ہو، عالمگیر نے وہاں ۱۵ سال حکم رانی کی، وکن قدیم ہند کی تہذیب، کلچر اور تعمیر کا گواہ ہو، اگر تعصب کی وہ آگ جس کی تپش ہمارے زمانہ کے مومنین اب تک محسوس کرتے ہیں عالمگیر کے دل میں واقعی ملتی ہوتی تو آج دکن میں قدیم ہند و تہذیب و تمدن کے آثار کا نشان باقی نہ رہتا تھا ان کی ہلکا

کی انصاف سے، بعدِ وضعی پڑتی ہو، اس سے عقلی طور پر نہ صرف ان یورپی موفین کے
سید اکروہ تاثرات کی اصلاح ہوتی ہو، بلکہ یہ بھی آشکارا ہوتا ہو کہ عالمگیر لوگوں کے ساتھ
اپنے زمانہ کے طرزِ عمل، و نظمِ نسق میں ایک شریف اور دوسروں کا پاس و لحاظ رکھنے
والا انسان تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس زمانہ کی تاریخ کے تعلق جو غلط نظریے لوگوں
میں پھیل گئے ہیں، ان کی تصحیح کی بڑی ضرورت ہو تاکہ مختلف تاریخی پہلوؤں اور مکتب
کے کارناموں کے تعلق صحیح فیصلے کیے جاسکیں، اور ان غلط فہمیوں کو دور کیا جائے جو
پھیلائی گئی ہیں، اور ہماری قومی ترقی کو جو نقصان پہنچانے والی ہیں“

فاضل مقرر کی یہ آرزو درجِ عمل اس وقت پوری ہو سکتی ہو جب غیروں کی مرتب کی ہوئی تاریخ کے پھیلاؤ
مجموعے اس تخیل کو ذہن کو مٹا دیا جائے، کہ مسلم قوم باہر سے آئی ہوئی ہو، اگر باہر سے آنا ہی غیریت ہو، تو اس
میں سامی اور ایرن دونوں نسلوں کا حال کیسا ہو، آریوں کا آخری، قافلہ ہندوستان میں تقریباً ۱۵۰۰ ق م
میں آیا تھا، اس طرح ہندوؤں کے آخری اور مسلمانوں کے پہلے قافلہ کی آمد کے زمانہ میں صرف ایک ہزار
برس سے کچھ بالا کا فرق رہتا ہو، جو قوموں کی تاریخ کے لیے کوئی بڑی تبدیلی نہیں،
(فروری ۱۹۳۷ء)

عہد مغلیہ کے مناصب ہفت ہزاری وغیرہ

”ہفت ہزاری، پنج ہزاری، ستر ہزاری، پچھتر ہزاری سے کیا مراد ہو، آیا یہ امر اتنی سپاہ رکھنے کے مجاز تھے یا اتنی تنخواہ ملا کرتی تھی، جو سپاہ ان کے ماتحت ہوا کرتی تھی اس کی تنخواہ کون دیتا تھا، اکبر نے ایک خاص نظام کے ماتحت یہ مناصب قائم کیے تھے،

مناصب کی ابتداء اور ان کا مدعا

جو اس کے جانشینوں کے عہد میں بھی تغیر یا بالابتغیر قائم رہو، اس نظام کا مدعا فوج میں اصلاح و ترتیب کا پیدا کرنا تھا، تعداد سے ان کی ارتقائی ترتیب کو ظاہر کرنا تھا، چنانچہ ہزاری سے اوپر کے مناصب صرف شاہزادوں کے لیے مخصوص کر دیے گئے تھے، باقی مناصب کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا،

مناصب کے قائم کرنے کا اصول یہ رکھا گیا کہ منصب کو اعداد مناصب کے قائم کرنے محض یا اعداد ہی سے اور اس کے درجہ کو سواروں کے فضا کا اصول سے ظاہر کیا جائے، اگر سواروں کا شمار اعداد منصب کے

برابر ہو، تو وہ منصب درجہ اول میں شمار کیا جاتا تھا، اگر سواروں کی تعداد اعداد منصب کا نصف یا اس سے زیادہ ہو، تو درجہ دوم، ورنہ درجہ سوم سمجھا جائے گا، مثلاً پنج ہزاری، پنج ہزار سوار، پنج ہزاری چار ہزار سوار، پنج ہزاری دو ہزار سوار، ان میں پنج ہزاری ہر ملک منصب ہو، اور پانچ چار اور دو ہزار سوار کی قید منصب کے اول، دوم اور سوم درجوں کو ظاہر کرتی ہو، اگر کوئی اپنے منصب کی فوج خود ہم ہو چکا ہو تو وہ واقعی منصب دار ہوتا تھا، اگر وہ کسی منصب دار کی فوج کے کسی حصہ کی سرداری پر مامور ہوتا تھا، تو وہ داخلی منصب کہا جاتا تھا، اس کے ساتھ ہر منصب اور اس کے ہر درجہ کی دخلیوں کی تنخواہ کا ضابطہ مقرر تھا، ”ادتنخواہ ذات“ سے موسوم تھا، اور ہر ایک کی تنخواہ مع دواب شاہی کے مصادر کے حکومت سے اس کو ملتی تھی،

آئین اکبری میں ہے:-

ازیں رو گیہان خدیو منصب پایا زده باخی تادہ ہزائی قرافز مودہ وافرزد
 از پنج ہزادی خاص فرزندان سعادت ہر شخت گردانید وگا ہے منصب
 افزودہ سوا کرتہ ہمراہ سازد واز کار آگہی ہر کیے را اندازہ دستور برگرفت دور
 خورسوار دما ہوار و دگرگوں گی رفت ہر کر سوار مو فنی منصب باشد اولین
 پایہ داد و نیمہ و زیادہ را دوم دکم تر از ان را بر ساخت
 و پوزدہ باخی یازدہ گونہ شد تخت آن کہ با و صدر سوار بود ما ہوار ہفت
 صدر و پیر و یازدہم آن کہ با و سوا سے نبود، جتان ہر بیشتر در دغلیاں اعتبار
 شود بان صدر و پیر و نہ میلنے را در ہر دہ سوار بست و پیر ہست و نہ
 گرد۔

منصب داؤوں کی قسم | منصب دار اپنی تنخواہوں کے اعتبار سے بھی دو قسم کے تھے بعض بڑے
 تعلقہ کے منظم ہوتے تھے، اور اپنا اور اپنی فوج کا گنہ ارہ اسی سے وصول
 تنخواہوں کے اعتبار سے کرتے تھے، اور بعضوں کو نقد تنخواہیں ان کے منصب، فوج اور جانور لڑا
 کی تعداد کے لحاظ سے دی جاتی تھیں،

اس موضوع پر آئین اکبری میں مختلف آئین کے ماتحت مفصل معلومات ملیں گے اور پیش اس العلماء لوی
 عبدالرحمن صاحب ردی پونی درستی نے ادارہ معارف اسلامیلہاد کے جلاس ۱۹۲۳ء میں مناسبت
 اکبری اور ان کی تنخواہیں کے عنوان سے مضمون پڑھا تھا، جو اس کی رد و اد میں چھپ چکا ہو، اس مضمون
 سے اس موضوع کے تفصیلات معلوم ہو سکیں گے،

(جون ۱۹۲۳ء)

ہندوستان کے عہد اسلامی میں مال گزاری کی تشخیص

(اور) اس کی تحصیل کا انتظام

ہند میں قبل از حکومت برطانیہ ، مال گزاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا ، اور وصول کا کیا انتظام تھا ، معاملہ نقد ہوتا تھا یا منس کی صورت میں ، کیا انگریزی حکومت سے پہلے ہی پائیش ہوتی ہو یا نہیں ،

ہندوستان کے عہد اسلامی میں مال گزاری کی تشخیص ، زمین کی پیداوار کی صلاحیت کی جانچ پڑتال کے بعد کی جاتی تھی ، ابتدائے حکومت کے عمال کاشت کاروں سے مال گزاری وصول کرتے تھے ، مال گزاری ماعوم سکوں کی شکل میں وصول کی جاتی تھی ، سکوں کے لیے اکبری عہد میں عمال کو ہدایت کی گئی تھی ، کہ وہ کاشت کاروں کو خالص و کامل ورنی سکوں کے ادا کرنے پر مجبور نہ کریں ، بلکہ جس قسم کا روپیہ دیں محاصل جمع کرنے والے اس کو لے کر سیدھے دیا کریں ، جب صوبہ کے خزانچی کے پاس دو لاکھ درہم جمع ہو جاتے تھے ، تو وہ رقم مرکزی حکومت کو بھیج دی جاتی تھی ، صوبہ میں اس سے زیادہ جمع رکھنے کی اجازت نہ تھی ،

عہد اسلامی میں زمین کی پائیش کا اہتمام رہتا تھا ، عمل گزار کو ہدایت تھی ، کہ وہ ہر مزدور و غلامین کی پائیش کو سے اور غور و خوض سے دیکھ کر ان نطوات آرضی کی نوعیت و حقیقت سے آگاہی حاصل کرے اور لگان کی تشخیص کرے ،

بعض خاص زمینوں کی مال گزاری غلہ کی صورت میں بھی وصول کی جاتی تھی ، کنکوٹ ، دانہ بندی ، ٹہالی کے طریقے رائج تھے لیکن اگر کاشت کار پورا غلہ لینا چاہتا ، تو غلہ کی قیمت بازار کے نرخ سے لگاتے ، اور نقد رقم وصول کرتے تھے ،

۱۷۹۹ء آئینہ اکبری ج ۱ ص ۷ ، آئینہ جیسے آبادی ، ۱۷۸۷ء ص ۸ ، آئینہ مال گزار غلہ ، ص ۱۹۹

ہر موضع کے لیے علیحدہ علیحدہ دفتر داران کے عہدہ دار تھے جو معلومات کی مفصل روداد
 رکھتے تھے، اور ہر ایک فصل میں اگر بقایا رہ جاتا، تو اس کا اندراج دفتر میں کر لیتے، اور اس کے
 گاؤں کے سربراہوں کو لوگوں کے دستخط لیتے، اور دوسری فصل کے موقع پر بقایا بھی وصول کرتے تھے،
 اکبر نے پورے ہندوستان کی زمین کی پیمائش کر کے ان کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا تھا، اور ہر مقام
 کی آمدنی کے لحاظ سے مال گزاری کی شخص کرانی تھی، اور پہلی مرتبہ یہ دہ سالہ بندوبست قرار پایا
 تھا، لیکن عملی بندوبست تقریباً ۱۷ سال تک قائم رہا، زمین انہی مختلف جہتوں سے خالصہ
 جاگیری، اور معافی میں تقسیم تھی، اسی لحاظ سے ان سے مال گزار ہاں وصول ہوتی تھیں،
 (جون ۱۷۳۳ء)

ہندوستان کے عہد اسلامی میں زکوٰۃ کا نظام

دعوتِ شیخ عطاء اللہ ام اے استادِ شعبہ معاشیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ہندوستان فرمایا تھا کہ میں نے المشرق والاکلاۃ پر ساریت میں آپ کا مہبط طاعت اور چڑھا۔
 درخو است ہو کہ از دواو کم بجھے تا بچہ ہند کی کسی کتاب کا حوالہ دیجئے، جس سے آپ کے اس دعویٰ کی تصدیق ہو سکے کہ ہندوستان کے عہد اسلامی میں بھی نظامِ زکوٰۃ قائم تھا،
 اور نیز بہت المال کی آمدنی سے تعلق کچھ معلومات ہو سکیں، امید ہو کہ آپ اس مسئلہ کے سمجھنے میں میری اعانت فرمادیں گے،

اس کے جواب میں عرض کیا گیا کہ

ہندوستان کے عہد اسلامی میں زکوٰۃ کے نظام قائم رہنے کا تذکرہ اس عہد کی تاریخوں میں عمومی طور پر مل سکتا ہے، جس سے اندازہ ہو سکے گا، کہ عہد اسلامی کے مختلف دوروں میں زکوٰۃ کی تحصیل حصول اور اس آمدنی کے مصارف کا طریقہ شرعی احکام کے بموجب قائم رکھا گیا، اس سلسلہ میں پہلے یہ بات ذہن نشین رکھی جائے، تو حقیقت کے سمجھنے میں آسانی ہوگی، کہ ان اسلامی حکومتوں میں جو عہدِ وسطیٰ میں مشرق و مغرب میں قائم رہی ہیں، ان کے مالی نظام میں دو عملی طریق کا رواج ہو گیا تھا، ایک طرف وہ شیعہ کی پابندی کے لیے زکوٰۃ کے نظام کو قائم رکھتی تھیں، اور دوسری طرف مختلف سلاطین اپنی حکومت کے استحکام اور شاہی مصارف ہلکی ہموار اور فوجی ضروریات کے لیے اور دوسرے ٹیکس بھی وصول کرنے تھے، اس طرح زکوٰۃ کی آمدنی و مصارف کی حیثیت ایک قسم سے دینی سربراہ کی ہو گئی تھی، حالانکہ اگر یہ سلاطین دین کے ماہرین اور ابوابِ صل و عقد کے مشوروں سے اپنی حکومت کے اقتصادی نظام کو قائم کرتے، تو انھیں اس دو عملی طریق کار کے اختیار کرنے کی ضرورت نہ ہوتی، جہاں جسے بعض دیں دار سلاطین وہ ولایت نے اسپین اور بعض دوسرے ملکوں میں کسی ایک زمانہ میں خاص دینی نظام مالیات کو برقرار رکھ کر کامیابی سے حکومت کی، اور انھیں دوسرے ٹیکسوں کے

”وہاں کفر و ظالمانہ دیاں داناہان زیر سایہ چتر فیروز شاہی از عیص بادشاہی بقا“

ی گزردنیزند، وہاں عاید چربہ ہر سال نسبت تاراج می کردند

اس دور کے متعلق یہ تصریح معلوم ہو کہ اس میں زکوٰۃ کا نظام قائم تھا، لیکن سلطان کے فوجی حملوں میں مصروف رہنے کی وجہ سے حکومت کے نظام میں اتہری پیدا ہو گئی تھی، جب اس نے سلطنت کی مصلحت کی طرف توجہ کی، اور خصوصاً مسلمانوں کے خلاف شکر کشی سے جو قصاصات منظور ہوئے، اور سامنے آئے، ان میں ذیل کی دو باتیں تھیں،

”دوم آنست کہ مہول بیب المال برائے آن مع می کنند تا قوت در اسلام زیادت

گزدند و آن کہ بیب المال خراج کنند و برائے قلع مسلمان روند“

”سشتم آنست مہول باطل و نامشرع و بیت المال مع می شود“

اسی طرح اسلامی ملکوں کے مالی نظام میں دو عملی طریق کار کے جاری ہونے کا جو تذکرہ اوپر گزرا، وہی طریقہ اس دور میں ہندوستان میں جاری تھا، فیروز شاہ نے اس کو ختم کرنا چاہا، اور ان تمام ٹیکسوں اور مھلوں کو جو غیر شرعی طریق سے وصول کیے جاتے تھے، معاف کر دیا، اور حکومت کے مالی نظام کو خالی شرعی حدود میں لانا چاہا، شمس سراج جعفری لکھتا ہے،

”سلطان فیروز شاہ بہ بنائیت الاحیاء و الخیر و در بلاد مالک نامشروع و عاتق

بخلات شرع ردی می نمود بہ تمام از مھصول بلاد و ملکات و در کثرت، دآن مقدار روئنا کہ

در قسم گوی وضع بود و آں روئنا مخالف شرعی نمود ہمہ را نسخ گردانید

اس کے بعد علما نے نامشرع مھلوں کی فہرست تیار کی، اور فیروز شاہ نے ان سب کو منسوخ کر دیا، لکھتا ہے:-

”علائے درگاہ شہنشاہی از آثار خوف حضرت آقائی جلالت علم و اہم جدید جزائیم

نامشروعات پیش حضرت شہنشاہ شش جہات باز نمودند کہ در حد سلطین ماضیہ وضع

گردہ بودند“

یہ خرابیاں دوسرے ہی تھیں، ایک نوجواں مھصول زکوٰۃ کی وصول میں غیر شرعی طریق اختیار کیا جاتا تھا،

دوسرے سرے سے ناروا ٹیکس عائد کیے جاتے تھے، علماء ان دنوں کے تبادک کرنے کا مطالبہ پیش کیا تھا، چنانچہ فیروز شاہ نے ان کے تعلق تحقیقات کرنے کا حکم دیا، پھر شرع کے مطابق اپنے فیصلے صادر کیے، شمس سراج عقیف ان تفصیلات کو لکھ کر انہیں لکھا،

”الغرض جلد علماء باصفا و تمام مشائخ متنبی و صاحبان دیوان قضا بہ حضرت شاہ طلب شدہ و از ایشان استفتاء طلبیدہ، جمیع علماء و مشائخ متفق و انفق و بمعنی فتویٰ و از مذاکرہ کتب معتبرہ و آیات راجع بہ رد و آوردن اگر ستون این وجوہات و در علم شریعت کیے از مشروعات است چوں علماء شریعت و مشائخ طریقت فتویٰ حقیقت تحقیق را و در محل حضرت شہنشاہ، مکمل فرمود تا، ای جمع چیز ہا و در گردانند،“

اس کے بعد ایک شاہی فرمان تیار کیا گیا جس میں شروع محصولات کی تفصیل درج تھی اور انہیں منکول تھا،

”اگرچہ سلاطین پیشین از سبب مصلحتی این جنس خراج گزارند، و یا پیش ایناں دستور مشہور و متداول نہ ہونہوں از سبب شروع گرفتن این جنس چیز ہا جائز نہ ہون در عہد دولت خویش از آثار نفوذ پیش این جمیع چیز ہا اندر گردانیدم“

اس شاہی فرمان کو سنانے کے لیے شاہی لشکر کے مفتی قاضی نصر اللہ تھی پڑھوا دیے، اس کے سننے کے لیے عوام و خواص ہڈی تھکا دیں، ایک جاہوئے، او غیر معمولی خوشی سے اس فرمان کا خیر مقدم کیا گیا، اس فرمان کے جاری ہونے کے بعد حکومت کی آمدنی میں تیس لاکھ تکہ کی کمی ہو گئی، یہ محال خشہ میں بند کیے گئے تھے،

دوسری طرف جو شرعی محصول وصول نہیں کیے جاتے تھے، ان کی وصولی کا حکم جاری کیا، اور غیر معمولی احتجاج کے باوجود نسوخت نہیں کیا، اس سلسلہ میں جزیہ کی وصولی کا خاص اہتمام کیا گیا عقیف لکھتا ہے:-

”ہر جنس بدوش دین آیین (شرع و غیر) از اہل فرائد و اہل جزیہ شدہ“

اسی طرح اس نے اپنی ذاتی امارت میں بھی شرعی حدود و قیود کا لحاظ رکھا، اور اپنی بنوائی ہوئی نہرو

سے سیرابی کے معاوضہ میں دسواں حصہ وصول کرتا، اور اس زر زمینوں کو آباد کرتا، ان املاک سے دوا لاکھ تنکے وصول ہوتے تھے، اور یہ آمدنی بیت المال سے علیحدہ رہتی تھی،^۱ بیت المال کی مجموعی آمدنی اس زمانہ میں کیا تھی، اس کے دریافت کرنے میں کسی قدر وقت ضرور لگے گا، فہموس کہ اتنی فرصت نہیں کہ اعداد و شمار یک جا کیے جا سکیں، اگر اس دور کی تاریخوں سے یک جا کیے جائیں تو وہ فراہم ہو سکتے ہیں، مثلاً ایک جگہ باغوں کے محصول کی مجموعی آمدنی کا ذکر آیا ہے، وہ ایک لاکھ اسی ہزار تنکے تھے، اسی طرح درآب کا محصول انہی لاکھ تنکے وصول ہوتا تھا، اور دہلی کے پورے ہندوستان کا پانچ لاکھ کی آمدنی تھی، عقیقت لکھتا ہے:-

”درآمد دست آن خسروجات ایک لاکھ و ہشتاد ہزار تنکے حصہ دیوانی خارج حصہ املاک

بخباتان محصول میان دوا آب در آن ایام ہشتاد لک تنکے بود، بہم خیں از بیاضے اتمالت

آن طالب دیگشش کرد و ہشتاد و پنج لک تنکے محصول بلاد مالک دارالملک پہلی بود“^۲

فیروز شاہ نے زکوٰۃ کے مصارف کو ان کے جائزہ و دیں صرف کرنے کا اہتمام بھی رکھا تھا، ۶ لاکھ تنکے امدادی وظائف میں دیے جاتے تھے، اور چار ہزار سو شخص مستقل طور پر وظیفہ یاب تھے، خیرات خلسہ قائم تھے، اور ناداروں کو ان کی لڑکیوں کی شادی کے مصارف دیے جاتے تھے، نیز عام مصدقات و خیرات کا وسیع سلسلہ قائم تھا،^۳

آئین اکبری کی تصریح کے مطابق اکبر کے زمانہ تک ہندوستان میں زمینوں کی تقسیم شرعی اصطلاح کے مطابق تھی، اور اسی لحاظ سے ان پر محصول واجب الادا تھا، چنانچہ ابوالفضل نے زمین کی عشری خراجی اور صلیبی قسم اور ان کی نوعیت بیان کی ہے، پھر محصولوں کے لیے جو اصطلاحیں ہیں، ان کو درج کیا ہے، اور ان محصولوں کا بھی ذکر آیا ہے، جن کو سلاطین نے واجب الادا قرار دیا تھا، اور آخر میں بیان کیا ہے، کہ اکبر نے اس نظام کو بدل دیا تھا،

ہاں بہ بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی خراجی و عشری تقسیم اس دور میں بھی کچھ نہ کچھ قائم تھی، چنانچہ ایک جگہ ذکر آیا ہے،

”ہر کہ انہی خوراچی را بخار و وجبت علف ترقی گردانہ از گاوین شش و نا کاوسہ

دہم سالیانہ از اینت کند

ہں کے بعد جب عالمگیر کا دور آیا، توفیر شاہ کے زمانہ کی طرح نئے سرے سے اسلامی احکام کے یہ موجب حکومت کا نظام مال تیار کیا گیا، مستعد خاں لکھتا ہو،

”جہاں پناہ نغزبان مبارک صادر فرمایا، کہ تمام مالکے محروسہ میں حاصل ہونے والے حکام و خزانہ وصول کیے جائیں،

اسی طرح غیر شرعی محاصل کی منسوخی کا اعلان کیا گیا، تاثر عالمگیری میں ہو،

”با وناہ رعیت خواندہ نے غلے اور نانچ اور دیوہ راہ واری محصول اسباب دیگر موالیہ

خاص کر محصول تبا کو جب بے حد تخریر تم قی، اور عمدہ کردار گیری جس کے وصول کرنے میں

تجارت کے بے حد تنگ اور پریشان کرنا تھا، خاص کر مسلمانوں کے لیے اور دیگر محاصل مذکورہ

کو تمام رہا یا کہ لیے صاف فرمایا، اور عسرونی مطالبات میں جو رقم منصب میں سے تہنگ

مجموعی ہو کر خزانہ سرکار خالصہ میں ہر سال داخل کی جاتی تھی، اور جس کی وجہ سے خزانہ

میں سالانہ معقول رقم داخل ہوتی تھی، ایک قلم معاف فرمائی گئی،“

اسی طرح کا خیر کا اختتام بھی وسیع پیمانہ پر دکھایا تھا، جس کی تفصیل اس عہد کی تاریخوں میں

عام طور پر ملتی ہو،

امید ہو کہ یہ اشارات ہندوستان میں مسلمانوں کے عہد میں نظام زکوٰۃ کو سمجھنے اور اسی سلسلہ

میں مزید معلومات فراہم کرنے کے لیے کافی ہوں گے،

(جون ۱۹۴۸ء)

ہندوستان کے عہد اسلامی کی تعلیمی زندگی

ہندوستان کو عربی، خراسان، ماداء النہر، عراق و عجم کے تیغ کے آنداؤں نے فتح کیا تھا، اسی طرح اس کے دل و دماغ کو ان ہی ملکوں کے اسباب کمال نے اپنا بابا جگڑا بنایا، قطار و قطار عطا اللہ ملکوں سے ہندوستان آئے، اور ملتان، سندھ، بھکر، لاہور اور سیال کوٹ میں منزلیں کرتے ہندوستان میں اسلام کے دہرے سلطنت دلی میں آکر ٹھہر گئے، پھر جیسے جیسے اسلام کا قدم یورپ کی سمت میں بڑھتا گیا، علم کی روشنی کی کرنیں بھی اس علاقہ کو اجاگر کرتی گئیں، اسلام کے علم و فضل کا مکتب بے دل سے نکلا، تو پہلی منزل بایوں ہوئی، پھر گنگا کے دہانہ پر کٹرہ اس سے لاہور، اصبہ اور دہ، پھر آگے بڑھ کر جون پور، فخر آباد، علم کے مرکز بنے، یہاں تک کہ ایک خطہ ارض کا نام ”یورپ“ پڑا، جس کی وسعت میں قنوج، بہرائچ، الہ آباد سے لے کر بارہ و تربہ تک کا علاقہ داخل تھا، شاہ جہاں نے اسی دیار نوہ یورپ خیر ازماست کے لقب سے یاد کیا، ہندوستان کے عہد اسلامی کے مختلف دوروں میں یہ سارے کے سارے خطے مسلمانوں کی تعلیمی زندگی کے مراکز بنے رہے، ہندوستان میں اسلامی علوم کی تعلیم پانچویں صدی سے شروع ہوئی، کیوں کہ ہندوستان کی مسلسل اسلامی تاریخ وصال غزنویوں کی ابتدا کے عہد سے شروع ہوتی ہے، سلطان محمود غزنوی نے ۴۰۱ھ میں لاہور فتح کیا، اور سلطان محمود دہلیاں کا گورنر بنایا گیا، اس کے دہرے دولت سے علماء و فضلاء کی جماعت وابستہ تھی، اس کے عہد میں ایک بزرگ شیخ اسماعیل تونی ۴۸۵ھ لاہور آئے، اور اوربیاں توطن پذیر ہو گئے، یہ متداول اسلامی علوم تفسیر و حدیث و فقہ کا ذخیرہ اپنے ساتھ لائے، اور ان کے ذریعہ سے یہاں ان علوم کی اشاعت ہوئی، تذکرہ علماء ہند میں ہے کہ یہ اکابر محدثین و فخرین میں سے تھے، یہ پہلے شخص ہیں جو علم حدیث و تفسیر کو لاہور لائے، ۵۲

ہندوستان میں اسلامی مدرسہ
کی سب سے پہلی عمارت

اس کے بعد ہندوستان میں اسلامی مدرسوں کی
عمارتوں کی تعمیر کا زمانہ چھٹی صدی کے آخر اور
ساتویں صدی کے آغاز کے درمیان قرار پاتا ہے،

ہندوستان میں مدرسہ کی سب سے پہلی عمارت تعمیر ہونے کی جو اطلاع اس وقت تک مل سکی
ہے، وہ مولانا قطب الدین کا شانی کے لیے ناصر الدین قباچہ کے ہاتھوں ملتان میں تعمیر ہوئی
ہے۔ مولانا قطب الدین کا شانی اور اراکھنہر سے ملتان آئے تھے، ناصر الدین قباچہ اس زمانہ میں
ملتان کا والی تھا، اس نے ایک سرائے اور اس سے ملحق ایک مدرسہ تعمیر کرایا، اور اس میں ان

کا درس جاری ہو گیا، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رالمولو (۷۵۷ھ) کا ابتدائی زمانہ
تھا، وہ بذرانہ صبح کو اس مدرسہ میں آئے اور صبح کی نماز مولانا کا شانی کے پیچھے ادا کرتے تھے۔

ہندوستان میں مدرسوں
کی تاسیس کا رواج

اسی کے ساتھ تاریخی تدریس کے لحاظ سے جمیر کے ابن مدنی
کی تاسیس کا رواج کا ذکر کرنا چاہیے جن کو سلطان شہاب الدین محمد غوری
نے ۷۵۷ھ میں جمیر فتح کرنے کے بعد وہاں قائم کیا، اس کے بعد ساتویں صدی کے اوائل میں
دلی کے دو مدرسوں معزی و ناصری اور اچھ (سندھ) کے مدرسہ فیروززی کا تذکرہ آتا ہے۔

طبقات ناصری کے مصنف قاضی ابو عمر نہاج الدین جو زجانی ساتویں صدی کے
اوائل کے ذی علم لوگوں میں گزرے ہیں، وہ عہدہ قنارت کے علاوہ اپنے علم و فضل کے
باعث ایک سے زیادہ مدرسوں کے ہتھم بنائے گئے وہ ماہ جادی ۷۳۲ھ میں خراسان
سے سندھ کے شہر اچھ میں داخل ہوئے اور اسی سال ماہ ذی الحجہ میں مدرسہ فیروززی
سے وابستہ ہو گئے۔ یہ مدرسہ غالباً سلطان التمش کے لڑکے رکن الدین فیروز کھنما سے
منسوب تھا جو یہاں کا گورنر گزرا ہے۔ اس کے بعد ماہ شعبان ۷۳۵ھ میں سلطانہ
رفیعیہ نے ایک دوسرے مدرسہ ناصریہ کو ان کے سپرد کیا۔

تیسرے مدرسہ خنریہ کا ذکر دلی میں قراطلہ کی پیرش کے سلسلہ میں ملتا ہے کہ یہ بھی
سلطان رفیعیہ کے عہد میں قائم تھا طبقات ناصری میں اس مدرسہ کے دروازے پر قراطلہ

کے قتل عام پر پا کرنے کا ذکر آیا ہے

مٹان، جمیر، سندھ، اور دلی کے مدرسوں کے بعد بہار اور بنگال کے اسلامی مدرسوں کا نام آئے گا، چنانچہ بہار و بنگال کے سب سے پہلے مسلمان فاتح بختیار خلجی کے مال میں فرشتے نے لکھا کہ اس نے ندبا کے بجائے شہر رنگ پور کی بنا ڈالی، اور اس کو دار الحکومت قرار دیا ہو، اور یہاں مسجدیں، خان قایم اور مدرسے تعمیر کیے، اور سب پر رونق ہو گئے، پھر اسی طرح اس دیا کے تمام مفتوحہ شہروں میں والیان شہر نے مسجدیں اور مدرسے تعمیر کرائے، چنانچہ جہانپور، ناصربہ، بختیار خلجی کے حال میں مختلف امرا کے مساجد و مدارس کے بنا ڈالنے کا ذکر آیا ہے،

عہد تعلق میں مدارس کی کثرت | اس اثنا میں ہندوستان کی اسلامی سلطنت میں مدرسوں کے قائم کرنے کا عام رواج ہو چکا تھا، چنانچہ چھ آٹھویں صدی میں متحدہ فرق کے عہد حکومت میں صرف دلی میں ایک ہزار مدرسے قائم تھے، خلعت ری حسانہ عشی دلی کے حال میں لکھتا ہے:-

یہاں ایک ہزار مدرسے ہیں جن میں سے صرف ایک خانگیوں کا ہو، اور باقی خفیوں کے لیے اور یہاں تقریباً بیارشان ہیں، جو یہاں دارالافتاء کے بنائے ہیں

فیروز شاہ کے عہد میں تعلیمی ترقیاں | محمد تغلق کے بعد فیروز شاہ تغلق نے مدرسوں کی بنا، و تاسیس و تعمیر پر بڑی توجہ کی، پرانے مدرسوں کی عمارتوں کی تجدید کی، اور تیس نئے مدرسے قائم کیے، اور علما و طلبہ کے وظائف جاری کیے، اس نے جہاں کے ساتھ اپنی فتوحات فیروز شاہی میں اس کا تذکرہ کیا ہو، اور فرشتہ نے بھی اس کو نقل کیا ہو، ان مدرسوں کے مصارف کے لیے جایا دیں وقف کر دی تھیں، اور ان مدارس کے متوسلین کے لیے وظائف مقرر تھے،

ضیاء الدین برنی نے اس کی تعلیمی ذیابندیوں اور خدمتوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہو:-

و اور دلات و انعامات و وظائف علما و دانشمندان و مددراں و مفتیان و مذاکران

لے طبقات نامی ص ۱۰۹، لے تاریخ فرشتہ ص ۲۹۲، لے طبقات نامی ص ۱۰۹، لے فتح العشی ص ۱۰۹، لے فرشتہ ص ۱۵۱،

و متعلمان و حافظان و مقربان (مقربان؟) و ارباب صاحبِ آستانہ و ارباب و حیدر
 و قلندران و متحان و مسکینان و ارباب ملک و ملی از ہزار ہا گذشت و بہ لکھا رسید و
 مدارس و مساجد قدیم و جدید کہ غالی و مندرس گشتہ بود اندر در سان و نذران و متعلمان
 مشغول و مملو گشت و رونقِ علم و روحِ تعلیم از سر پیا آمد و بہ ہزار و ہزار استاد
 دیہا انعام یافتند و محل و معظم شدہ اند آں را کہ صدگان و دویستگان تنگہ و در بود
 است و آن اورا مندرس گشتہ و آن دفاتر محو شدہ چار صدگان و پانصدگان و
 دہزارگان تنگہ و اربعین فرمود و طوائف کہ از طالبان علم محتاج تنگہ بودند
 صدگان و دویستگان و سیصدگان تنگہ و اربعین گشت و علماء و متعلمان شہراز
 خود دہزدگ با نعمت و زورت شدند و از فقر و فاقہ و احتیاج و غناست خلاص یافتند
 و بیشتر سے انجوائے مذکور کہ کفش و دست نہ داشتند از رحم سلطان خیر و شای
 باہمائے لطیف ہی بدستند ہر اسپاں چیدہ سوار ہی شوند بیشتر علوم دین و تعلیم
 بہ کام شرح و غور ہی باشند۔

حمد فیروز شاہی کے شاعر مظہر کوشی نے جو صاحبِ درس و تدریس بھی تھا، اپنے قصیدوں میں
 فیروز شاہ کے تعلیمی خدمات کا تذکرہ بھی کیا ہے، جتناں فیروز شاہ کے قصیدے میں لکھتا ہے:-
 ہر جا کہ اہل دانش و صاحبِ زہد بود مان داد و دیو داد و درہما نثار کرد
 ہر سو بر اسے صادر و وار د زمین و وہیم تعین بہر ولایت دور ہر دیا رکرو
 پیران کہنہ سال و خور و را چنداں وظیفہ داد کہ صاحبِ کار کرد
 چنداں رباط و مدرسہ خانقاہ خست چنداں سرے و مسجد و حوض حصار کرد
 مدرسہ فیروز شاہی | حمد فیروز شاہی میں سب سے بڑا شاہی مدرسہ دار السلطنت دلی

۱۵۱۱ء میں فیروز شاہی میں ۵۶۵ھ تک بھر کے حالات و سوانح اور دیوانہ پادشہ کا کافی میگزین لاہور بہت اہم
 مئی و اگست ۱۹۷۸ء میں مولوی محمد شفیع صاحب ایم اے اور ڈاکٹر وحید مرزا نے مضامین لکھے ہیں، نیز
 ذاب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی نے بہت ماہ جولائی و اگست ۱۹۷۸ء میں س
 مضمون پر استاد راک فرمایا اور مزید حالات اور دیوان کے خصوصیات ظاہر کیے ہیں،

میں مدرسہ فیروز شاہی تھا، اس کے حالات ضیاء الدین برنی اور مہر کرڑوی دونوں نے نشر و
نظم میں لکھے ہیں، بلکہ ضیاء نے اپنی نشر کو شاعرانہ مبالغہ آمیزی میں نظم سے بڑھا دیا ہو، اور اس کی
عمارت کی توصیف و تعریف میں یہاں تک کہ گزرا کہ وہ روئے زمین پر بے مثل عمارتوں میں
سے ہو، اور مہر نے جو دربار کی حاضری کے موقع پر دلی پہنچا تھا، اس مدرسہ کی زیارت کر کے
نظم میں اس کے مفصل حالات قلم بند کیے تھے جس سے یہاں کے استادوں، طالب علموں اور
دارالاقامہ کے کھلنے وغیرہ کے مفصل حالات معلوم ہوتے ہیں، ضیاء الدین نے اس
مدرسہ کی دلکش و عالی شان عمارت، اس کے گنبدوں کی رفعت، اس کی آب و ہوا کی
لطافت، اور عمارت کی آسگی و پیرنگی کا نقشہ اس مبالغہ سے کھینچا ہو کہ یہاں پہنچ کر گمان
ہوتا ہو کہ آنے والا بہشت عدن میں داخل ہو گیا،

مہر کرڑوی نے اس شاہی مدرسہ فیروز شاہی کا جو حال قلم بند کیا ہو، اس میں اس کے
استاذہ خصوصاً مولانا جلال الدین ردی کے علم و فضل کا خاص طور پر ذکر آیا ہو، لکھتا ہو:-
گفتم این مدرسہ و باغ شہتہا جہانت اندروں آئی کہ یک حسن بہ بینی بہ ہزار
عالمان عربی لفظ و عراقی دانش ہمہ درجہ شاہی اشای و بصری ستار
ہر یکے نادرہ و ہر درو اع ہنر ہر یکے دہلہ عقل و اطراف دیار
در فقاہت بہ بخارا و سمرقند نشان در بلاغت کجاز و مین و نجد منار
صفہ (صدر) ان محفل و سر دفتر اشای کہ ز سر تا بقدم صورت عقلت و وقار
باز آہستہ در آور دہ اندر گوشم کرد از نسبت این صاحب بس اخبار
گفتم این عالم آفاق جلال الدین روی آں کز بندش ہی کند روم و فخر

راوی ہفت قراد میدہ زرات سند چار و علم

شارح پنج سنن مفتی مذہب ہر چہ

اسی طرح چند اور اشعار ہیں، اس کے بعد اس نے اس مدرسہ کے دارالاقامہ کے دستر

خوان کے ابوان نعمت کا ذکر غیر معمولی انداز میں کیا ہو، اس سے اس دور کے تمدن

اور عام فراغ بالی کا بھی اندازہ ہوتا ہو

عہد فیروز شاہی کے دیگر مدارس | اسی طرح اس زمانہ میں سلطنت کے امراء نے بھی ملک کے مختلف حصوں میں مدرسے تعمیر کرائے تھے، جیسے علین الملک نے اسلام آباد کے نواح کے ایک دیہات میں جہاں مظہر کا قیام تھا۔ مدرسہ اور باغ تعمیر کرایا تھا مظہر نے اس کا تذکرہ بھی اپنے قصیدے میں کیا ہے۔

غلاموں کی تعلیم کا اہتمام فیروز شاہ کے تعلیمی خدمات میں یہ بھی شمار کرنے کے لائق ہے، کہ اس نے مسلمانوں کے سب سے ناخواندہ طبقہ غلاموں کو اکٹھا کر کے اپنی ملکی و سیاسی صورتوں کے لیے ان کی نوآبادیاں بسائیں اور ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا چنانچہ ان کے بچوں کے لیے ابتدائی تعلیم و حفظ قرآن وغیرہ کا خاص انتظام کیا تھا شمس سراج عقیف نے اس کی مفصل کیفیت بیان کی ہے لکھا کہ ہر اکابر کا شاہرہ مقرر کر دیا جو دس سے سو تک رہتا تھا، مختلف طلباء حفظ قرآن اور علوم دینی کے درس میں مشغول تھے۔ کچھ لوگوں کو صنعت و حرفت کی تعلیم دی جاتی تھی، اس طرح بارہ ہزار، مختلف فنون کے ماہر تیار ہو گئے مجموعی طور پر ایک لاکھ اسی ہزار غلام علوم و فنون اور مختلف صنعت و حرفت کے ماہر تیار ہو گئے تھے فیروز شاہ نے حوض خاص علانی کے پرے بھی ایک مدرسہ تعمیر کیا تھا جس میں سید یوسف بن سید جمال حسینی شہدی متوفی سن ۹۰۰ھ مدرسے تھے سالہا سال اس خدمت پر مامور رہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الانوار میں ان کا تذکرہ کیا ہے

لڑکیوں کے مکاتب | اس زمانہ میں بعض مقامات پر لڑکیوں کے جداگانہ مکاتب کے قائم رہنے کا پتہ چلتا ہے، شہر سیاح ابن بطوطہ موجودہ علاقہ بمبئی کے اس زمانے کے مشہور شہر ہونے میں پہنچا، یہاں شائنی نامیہ مسلمانوں کی بڑی آبادی موجود تھی اس کا بیان ہے کہ یہاں کی عورتیں حافظ قرآن ہوتی ہیں اور عورتوں کی تعلیم کے لیے تیرہ مکاتب قائم تھے وہ لکھتا ہے۔

۱۔ یہ پورا قصیدہ اوٹیل کالج میگزین میں ۱۳۷۰ھ و ۱۳۸۰ھ پر راقصیدہ سارن جولائی ۱۳۷۰ھ میں شائع ہوا ہے۔ ۲۔ تاج فیروز شاہی شمس سراج عقیف ص ۲۰۰ ۳۔ اخبار الانوار ص ۱۴۲ ۴۔ ہنور کا موجودہ نام مہنور ہے یہ علاقہ بمبئی میں شائی نگر کے قریب کی تحصیل کا آج بھی صدر مقام ہوا اب یہاں کی آبادی میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے۔

”ان عورتوں کی خصوصیت ہو کہ وہ سب کی سب قرآن حفظ کرتی ہیں، میں نے اس شہر میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے تیرہ اور لڑکوں کی تعلیم کے لیے تیس کتابیں دیکھے، ایسی کتابیں نے کسی اور جگہ نہیں دیکھی۔“

شاہی محل سرا میں جو لڑکیاں رہتی تھیں ان کی تعلیم کا خاص نظم کیا جاتا تھا، سلطان غیاث الدین خلجی کے محل میں اہل ہند اور باندیاں تھیں اس لیے ان کے لیے ایک نظام عمل بنادیا تھا اور ان کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام تھا اور زمانہ نظام میں وزیر خزانہ دار، وکیل و ندیم کے ساتھ عتسب مفتی، موزن اور حافظ قرآن کے عہدے بھی قائم تھے اور لڑکیوں، اپنی استعداد کے مطابق ان منصبوں پر مقرر کی جاتی تھیں۔

سلاطین بہمنی کے تعلیمی خدمات | اسی طرح اس زمانہ میں سلاطین بہمنی نے مفید تعلیمی خدمات انجام دیے اور کن کے مختلف مقاموں، گلبرگ و بیدر وغیرہ میں مدرسے قائم کئے اور علماء اور محدثین کے وظائف جاری کئے اور تہیوں کی تعلیم کا انتظام کیا، فرشتہ نے سلطان بہمنی کے متعلق لکھا ہو کہ اس نے گلبرگ و بیدر و قندھار و ایلیج پور دولت آباد و خیر و جیل و دہلی اور دوسرے شہروں میں تعلیم کا بھی قائم کی گئیں جن میں احادیث کا درس خاص طور پر ہوتا تھا اور محدثین کے وظائف مقرر تھے۔

آٹھویں صدی ہجری کے آٹھویں صدی میں خلجیوں اور تغلق کے زمانہ میں ہندوستان کے چند ممتاز اساتذہ | مختلف گوشوں میں جو اہل علم و دین و تدریس کی خدمت میں مشغول تھے، ان میں سے چند اکابر حسب ذیل ہیں ان کا تذکرہ تاریخ فیروز شاہی، فرشتہ اور سیرالامیاء میں آیا ہے۔ جن سے صاحب ذریتہ انخواطرن ہر ایک کے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔

مولانا رکن الدین اندرپتی ذریتہ انخواطرن ص ۴۵ شیخ رکن الدین ظفر آبادی ص ۴۵
مولانا رکن الدین بدایینی ص ۴۵ قاضی زین الدین دہلوی ص ۴۷ خواجہ زکی الدین مقری -
(۴۷) مولانا سراج الدین (ص ۴۸) شرت الدین امر دہوی (ص ۵۲) مولانا شمس الدین
باخرزی دہلی ص ۵۴ مولانا شمس الدین گافرونی (دہلی ص ۵۴) مولانا شمس الدین

۱۔ علامہ ابن بطوطہ ص ۲۵۵ ۲۔ تاریخ فرشتہ ص ۲۰۲ ۳۔ مرآۃ احمدی ص ۱۰۰
آثر رحیمی ص ۲ ص ۲۷۳

حقیقی (دہاد ص ۵۴)، مولانا شہاب الدین ملتانی (دہلی ص ۵۹) حکیم صدر الدین دہلوی (ص ۶۱) مولانا صدر الدین ساوی (دہلی ص ۶۳) مولانا صدر الدین گندھک (دہلی ص ۶۳) مولانا صلاح الدین سترکی (دہلی ص ۶۴) مولانا ظہیر الدین بکری (ص ۶۶) مولانا ظہیر الدین اعرج (دہلی ص ۶۶) قاضی عبدالرشید میاں نومی (ص ۷۰) مولانا عبد الکریم شردانی (ص ۷۰) مولانا فخر الدین زراوی، ابوعلی قلندر (۵) شیخ اسماعیل بن محمد ملتانی (۹) مولانا جلال الدین رومی (ص ۲۲) مولانا جلال الدین اودھی (ص ۲۳) مولانا جلال الدین اچھی (ص ۲۳) اسی طرح ایک سو سے زیادہ اہل علم کے اور نام ہیں جو ہندستان کے مختلف شہروں میں رہا کرتے تھے اور ملک کے مشاہیر اہل علم و ادب باب برس و تدریس میں شمار کئے جاتے ہیں اور جن کے درجن فیض سے ہزاروں ہزار طلبہ اہل علم بن کر اٹھے۔

عہد خلجی میں تعلیمی ترقیاں | اس کے بعد نویں صدی ہجری میں سلطان محمود خلجی کے ہاتھوں ہندوستان میں تعلیمی ترقی انجام پائی مدرسے قائم کئے گئے اور لڑکوں کے وظیفے جاری کئے گئے اور اپنے حدود و حکومت سے باہر بھی اگر کسی باکمال کا شہرہ مستند و مہادوی رفتاریج دیتا تھا۔

چنانچہ اس کے دور حکومت میں متعدد مدرسے قائم کرنے کا ذرا آتا ہو، جیسے سلسلہ میں ولایت چتر میں متعدد مدرسے قائم کئے اور اسی سال کے آخری ہینڈوی انجمن پانچتخت شاوی آباد میں ایک شاہی مدرسہ قائم کیا۔

اس صدی میں حدود لائوں کے دو فرمان رواؤں کی تعلیمی خدمات بھی لائق ذکر ہیں ایک گجرات میں محمود بیک (جلوس ۶۲۳ھ) اور دوسرے سندھ میں جام نظام الدین (جلوس ۶۲۶ھ) ہیں محمود کے متعلق مرآۃ احمدی کا بیان ہے کہ اس نے "مدارس بہشت آئیں و صاحبہ مانند خلد بریں" تعمیر کئے۔

اور جام نظام الدین کے بارے میں نائز رحیمی میں ہے کہ

اور اہل عمرین وہ علم کی طلب میں مختلف مدارس میں جاتا رہا..... پھر اس زمانہ حکومت میں

معارف فرشتہ ص ۲۴۳ کے نائز رحیمی ص ۱۳۲ و ۱۳۳ و تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۲۴۴ سے مرآت احمدی

سے ہندوؤں نے فارسی زبان سے اپنا رشتہ قائم کیا، جہاں چہ فرشتہ ہندوؤں میں ان علوم و فنون کے رواج پذیر ہونے کا تذکرہ کر کے لکھتا ہو،

”ہر خواند و نوشتن خط فارسی کہ تا آن زبان دریاں ایشان معمول نہ بود
پرداختند“

پھر جلد ہی اس تدریجی ترقی کر لی کہ اس زبان میں شعر و شاعری کرنے لگے، اور منہ درس پر مٹھیں گئے، خانی خان لکھتا ہو:-

”و کچے از شعراء عہد سلطان سکندر برہمن بود، می گویند کہ باوجود کفر کتب علم رہی
را درس می گفتند“

ہمایوں کے عہد میں تعلیمی ترقیاں | اس کے بعد مغلوں کا دور آتا ہو، مغل سلاطین صاحب علم و فضل تھے، اور ان کے درباروں سے علماء

دائستہ رہے، اور ملک میں علم و تعلیم کا فیض پہنچاتے تھے، مختلف شہروں میں مدرسے قائم تھے، اور پچھلے فرماں رواؤں کے طرز پر ان کے مصارف شاہی خزانے سے ادا ہوتے تھے، نیز ملک میں جاہل جا علماء کے دھوسے مدرسے جاری تھے، ہمایوں کو علم ہیئت و ہندسہ کا ذوق تھا، اس عہد کے بالکامیابی ہیئت دان مولانا نور الدین ترخان اس کے دربار سے وابستہ تھے، وہ کبھی خود ان سے درس لیتا، اور کبھی ان کے فنی مشکلات حل کرتا،

ہمایوں کے عہد میں ڈونے اہم مدرسے لائق ذکر ہیں، ایک شیخ زین الدین خوافی کا مدرسہ آگرہ میں جہاں وہ مدفون ہوئے، اور دوسرا دلی کا ایک مدرسہ جس میں شیخ حسین مدرس تھے،

عہد اکبری میں تعلیمی انقلاب | اکبر کے دور میں ہندوستان کے اہل ملی مدارس ایک نئے انقلاب سے دوچار ہوئے، اس میں ۹۹۵ھ

۱۵۷۳ء فرشتہ ج ۱ ص ۱۸۷، ۱۵۷۴ء خانی خان ج ۱ ص ۲۲۲، ۱۵۷۵ء آخر الامراج ص ۴۹، ۱۵۷۶ء منتخب التواریخ ج ۱ ص ۴۱، ۱۵۷۷ء آئین اکبری، ۱۵۷۸ء منتخب التواریخ ج ۱ ص ۲۶۲

میں عربی و اسلامی علوم کی تعلیم کے رد کرنے کا فرمان صادر کیا ، اور دوسرے عقلی علوم ، نجوم ، حساب ، طب و فلسفہ مدرسوں میں رائج کیے گئے ،

نصاب تعلیم کی اس تبدیلی کو ابو الفضل نے آئین اکبری میں تفصیل سے بیان کیا ہے ، جسے آگے ہم دکھائیں گے ، لیکن یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے ، کہ اس شاہی فرمان کے رد سے نئے علوم تو ضرور نصاب میں داخل ہو گئے ، لیکن عربی و اسلامی علوم خارج نہیں ہوئے جتنا کہ اس زمانہ میں بھی جاہ جا اسلامی مدرسے قائم رہے ، جس میں مذہبی تعلیم دی جاتی تھی ، تبلیغ خاں کے متعلق جو دربار اکبری کے امراء میں سے تھا ، مآثر الامراء میں ہے :-

تبلیغ خاں صلاح و تقویٰ بسیار ، خست و درستی متعصب بود و ہمیشہ درس علوم و افتادہ طلاب اشتغال نمود ، گویند در صوبہ داری لاہور کیا پس ؟ درس فقہ و تفسیر و حدیث و در مدرسہ قیامی در زید و باطنی غایت و در ترویج علوم شریعی کو شہید ،

عبد اکبری کا ایک مشہور مدرسہ مدرسہ ماہم سلیم تھا ، جس کی عمارت خیر المنازل کے نام سے مشہور تھی ، بدایونی نے اس مدرسہ کو مدرسہ سلیم کے نام سے یاد کیا ہے ، نیز اگر وہ فتح پور سیکری میں خود اس نے متعدد عربی مدرسے قائم کیے ، اکبری دور حکومت میں کشمیر و بجا پور میں غیر معمولی تعلیمی انقلاب ہوا ، اس وقت تک یہاں علوم و فنون کے متعارف نہ تھے ، خط نستعلیق کا رواج نہ تھا ، اسی زمانہ میں یہاں علوم متعارفہ کا اور فارسی رسم خط کا رواج ہوا ، بادشاہ نامہ میں ہے ،

اگرچہ وہاں چند سے کہ اکثر علوم متعارفہ درس گویند ہوا و نہ آیا علوم متداولہ مشیوخ تمام نہ داشت خط نستعلیق نیکوی نوشتند و چندے زبان شرا و دانشمند بعد از ان کہ کہ در مدرسہ دولت حضرت آشانی نشان کش یا کتب اکثر ساکنان مشن اکتساب راسم البیعت و لوازم آدمیت نمودہ خاستگی جوہر کما ہر ساعتہ و فارسی گفتن و خط خوش نوشتن و شعر فارسی

۱۔ منتخب التواریخ ج ۲ ص ۳۶۳ ، ۲۔ مآثر الامراء ج ۳ ص ۷۱-۷۲ ، ۳۔ رسالہ ہندوستان کی اسلامی درس گاہیں میں اس کا کتبہ آثار دہلی سے منقول ہے

سراپہ نہ رواج قائم پالت

اسی طرح بجا پور میں عادل شاہ نے چند خاص تعلیمی انقلاب بھی برپا کیے تھے ، دارالافتاء کے لکڑیوں اور استادوں کے لیے نفیس خدائیں اور لڑکوں کے سالانہ امتحان کے لیے انعامات دیے جانے کے قواعد مقرر کیے تھے ،

جہانگیر کے دور میں | جہانگیر نے عربی مدرسوں پر نئے سرے سے توجہ کی ، اس کے عہد حکومت میں بہت سے دیران مدرسے آباد ہو گئے ، اس نے تعلیمی ترقی کے لیے یہ قانون نافذ کیا کہ جو تاجر کسی غیر تعلیمی ترقیاں

دیہ میں فوت ہو جائے اور اس کے وارثوں کا تہ نہ چل سکے ، یا شہر ہی کا کوئی ایسا دولت مند وفات پائے ، جس کے ورثہ موجود نہ ہوں تو اس کے مال و متاع کو شاہی خزانہ میں جمع کرنے کے بجائے ان سے مدرسے اور دوسری مفید عمارتیں تعمیر کر دی جائیں ،

خوافی خاں نے اس فرمان کو نقل کیا ہے ،

” حکم شد ہر جا کہ مسافر تاجر و مقیم مال دار قوت خود و دارث او حاضر نہ باشد مال اور امانت نگاہ دارند و در صورت مفقود الاثر بودن دارث مال ترک بیت راصرف تعمیر و احداث مساجد و پل و مدرسہ و سراے نمایند

ہندوستان میں اس فرمان سے بہ کثرت مدارس قائم ہوئے ، جہاں چہ مصنف تاریخ جام جہاں کا بیان ہے ، کہ جہانگیر نے پرانے مدرسے جو چڑیوں کے گھونسلے اور درندوں کے مان بن گئے تھے ، نئے سرے سے آباد کیے اور اکبر آباد ، آگرہ کو اکبر کے زمانہ سے جو تعلیمی اہمیت حاصل ہوئی تھی وہ اس دور میں بھی باقی رہی ،

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی طالب علمی کا زمانہ جہانگیر کے دور حکومت میں

۱۰ بادشاہ نامہ حصہ دوم ص ۵۵ ، ۱۱ بسائین السلاطین ص ۳۵۱ ، ۱۲ زندراناۃ

لابہ حوالہ تاریخ جام جہاں ذکر جہانگیر ، ۱۳ بادشاہ نامہ ج ۱ ص ۲۲۰

گدراہو ، انھوں نے اپنی تصنیف اخبار الاخبار میں اپنے تحصیل علم کی مفصل حالت بیان کی ہو ، ان کی تحریر سے اس عہد میں دہلی کے ایک اور مدرسہ کا پتہ چلتا ہو ، جس میں وہ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کی تحصیل کے لیے داخل ہوئے تھے ، اس مدرسہ کو انھوں نے ”مدرسہ دہلی“ کے نام سے یاد کیا ہو ،

شاہ جہاں کے دور کی | شاہ جہاں کے عہد میں لاہور ، احمد آباد ، دہلی ، اور
جون پور علم و تعلیم کے ایسے مرکز تھے ، کہ ہندوستان کے باہر
تعلیمی ترقیاں | ہرات و بدخشان سے لوگ تعلیم و تحصیل کے لیے ہندوستان
آتے تھے ، اس عہد میں باکماؤں کی مسند درس کو شہرت عام حاصل تھی ، اور ان کے
مدرسے علم و فن کی اعلیٰ تعلیم کے لیے ایشیا میں مشہور تھے ،

لاہور میں ملا محمد یوسف اور ملا جمال لاہوری کو شہرت حاصل تھی ، ملا محمد فاضل بدینی
نوعری میں تحصیل علم کے لیے کابل آئے ، اور ملا صادق علوائی سے تعلیم حاصل کی ، پھر وہاں
سے توران ہوئے ، اور ملا مرزا جان شیرازی کے درس میں شریک ہوئے ، اس کے بعد
علم کی مزید تکمیل کے لیے لاہور آئے ، اور یہاں عقلی علوم کی تحصیل ملا محمد یوسف سے کی ،
جنھیں عبد الحمید مصنف بادشاہ نامہ نے ”مفسر آداب تائیدہ زبان“ کے لقب سے یاد کیا ہو ، اور
نقلی و شرعی علوم تفسیر و اصول کی تعلیم ملا جمال لاہوری سے جنھیں عربیت میں ”یگانہ نور نگار“
کہا گیا ہو ، حاصل کی تھے ،

اسی طرح ملا عبد اللطیف سلطان پوری ، ملا جمال لاہوری کے ممتاز تلامذہ میں سے
تھے ، اور ملا محمد یوسف خود بھی ملا جمال لاہوری کے شاگرد تھے ، اور عقلی و نقلی دونوں
دونوں علوم میں دست گاہ رکھتے تھے ، اور خصوصاً پڑھانے کا طرز نہایت پسندیدہ اور
دل نشیں تھا ،

لاحی الدین معروف بہ ملا موہن بہاری نے اس مدرسہ میں ۹ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا،
 اور ۱۰ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فراغت پائی، اور اسی مدرسہ میں درس و تدریس کی
 خدمت انجام دیتے رہے، پھر شاہ جہاں کی ملازمت سے وابستہ ہوئے، شاہزادہ محمد اوزنگ
 کی تعلیم کی خدمت ان کے سپرد ہوئی، پھر وطن میں قیام اختیار کیا، اور ۸۴ سال کی عمر میں
 ۶۵ھ میں وہیں وفات پائی،

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی سند درس شاہ جہاں ہی کے عہد میں قائم ہوئی،
 احمد آباد گجرات میں میر محمد ہاشم درس و تدریس میں مشغول تھے، خصوصاً علم طب
 میں شہرت حاصل کی، شاہ جہاں نے ان کا وظیفہ جاری کیا، پھر شاہزادہ محمد اوزنگ کی
 کی تعلیم کے لیے دلی بلائیے گئے،

شاہ جہاں نے ”مسجد اکبر آبادی“ کے نام سے ایک مسجد ۶۰۰ء میں دلی میں تعمیر کرائی،
 اور اس سے تعلق ایک وقف کیا جس میں طالب علموں کے وظائف بھی مقرر کیے گئے،
 سرسید مرحوم نے اس شگستہ حال مسجد کا کتبہ نقل کیا ہو، جس میں یہ عبارت بھی ہو،
 ”اگر ہر مسرت میں اکنتہ احتیاج افتد انجہ از حاصل این موقوف بعد الترمیم باقی

ماند بہ خدمت مسجد و حام و طالب علم رساند والا قام و الحامد سطورہ دہنت

نومسلموں کی تعلیم کا انتظام | اکبری دور میں ہندو مسلمانوں کی باہمی شادی کا
 زیادہ رواج ہو گیا تھا، مسلمان لڑکیاں ہندو لڑکوں
 کے عقد میں چلی گئی تھیں، اسلامی شریعت کی رو سے ایسے نکاح صحیح نہیں سمجھے جاتے تھے
 اس لیے شاہ جہاں نے ان کے شوہروں کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیویوں سے بے تعلق ہو جائیں، یا
 تبدیل مذہب کر لیں، ایسے بہت سے شوہروں نے مذہب بدل لینے کو ترجیح دیا، اس طرح مسلمانوں
 کی خاصی تعداد اکٹھا ہو گئی، اس تحریک کا بانی جو کھونام کا ایک زمین دار بھی تھا، وہ خود بھی
 مسلمان ہو گیا تھا، شاہ جہاں نے ایسے نومسلموں کی تعلیم کے لیے خاص طور پر اہتمام کیا، اور ان

کے لیے معلم مقرر کر دیے تھے،

نیز فوج میں مختلف ملکوں کے ارباب کمال جمع ہو گئے تھے ان سے ملک کے گوشہ گوشہ میں علم و تعلیم کی روشنی پھیلی،

عالمگیر کے عہد کی علمی و تعلیمی ترقیاں عام شہرت رکھتی ہیں،
عالمگیر کے عہد کی تعلیمی ترقیاں
 اس نے بڑے شہروں کے علاوہ چھوٹے شہروں اور گاؤں میں بھی تعلیم پھیلانے کے لیے مدرسے قائم کیے، طالب علموں کے

و خیفے جاری کیے، علماء و مدرسین کو معیشت کی طرف سے فارغ البال کیا، اور اس کی کوششوں سے ہر صوبہ، شہر اور قصبہ میں علم و تعلیم کی روشنی پھیل گئی، عالمگیر نے

میں ہو:-

داناں باقوہ خاطر دانش آثر بہ تدبیر مراتب فضل و تاسیس معالم علم درجہ
 قصوی دار و درویش بلا و در قصبات اہل کشور وسیع فضلاء و مدرسین را بہ و کمال
 لائقہ اذرفد بمانہ و اہلک موظف ساختہ بہ فضل مدرسین و تعلم محصلان علوم گماشتہ
 اندہ برائے طلبہ علم در ہر معمولی و ناجیہ وجوہ معیشت در فورہ تہہ و حالت و ہتعداد
 مقرر داشتہ دہر سال بیوی و جہ نیز از خزانہ امان بادشاہانہ بملغائے مستند
 مہنت می شود از فیض کرم و دافضالی شہنشاہ ابرکت دریا فوال طالبان علم
 و کمال سمت افزونی پذیرفتہ رشوح البال و مرفہ الحال کہ سب تحصیل علوم ہتفا
 می در زند

عالمگیر کے زمانہ میں ہی دونوں قسم کے مدرسے جاری تھے، یعنی شاہی مدرسے جن کے پورے
 مصارف حکومت کی طرف سے ادا ہوتے تھے، اور جن کا انتظام و انصرام بھی حکومت
 کے تعلق تھا، دوسرے وہ مدرسے جو ارباب خیر اور علمائے دین خود اپنی طرف سے
 جاری کرتے تھے، عالمگیر نے پہلی قسم کے مدرسوں کے لیے ہر صوبہ میں یہ انتظام کر دیا

تھا، کہ مدرسین اور طالب علموں کی تنخواہیں اور وظیفے اسی صوبہ کے خزانہ سے ادا کیے جائیں اور صوبہ دار مدرسین سے تنخواہوں کی وصولی کا سپاہہ حاصل کر کے خسرانہ میں داخل کر لیا کرے، اور غیر سرکاری مدرسوں کو وہ وقتاً فوقتاً شاہی خزانہ سے امداد دیا کرتا تھا، چنانچہ مرآت احمدی میں شاہی مدرسوں کے متعلق ہے،

”چون حکم مقدس معلیٰ درجہ صوبہ جات مالک محروسہ شرف نفاذ یافت کہ در ہر صوبہ مدرس تعیین نمایند و طلب علم از میزان تا کثافت خواں باستصواب صدر صوبہ موافق تصدیق بہ ہر مدرساں وجہ عطفہ از تحویل خزانہ شاہی خزانہ آں صوبہ ہی دادہ باشند، درین دلاسمہ نفر مدرس در احمد آباد و مین دسورت و چل پنج نفر طلبہ علم اضافہ در صوبہ احمد آباد مقرر شد،

اسی طرح غیر سرکاری مدرسوں کی امداد ملاحظہ ہو، جو وقتاً فوقتاً کرتا رہتا تھا، ایک موقع پر مدرسہ سیف خاں کو ۵۸۰ روپے بھیجے گا ذکر آیا ہے، اسی طرح مدرسہ ہدایت دمسید تعمیر کردہ شیخ محمد اکرام الدین کی تعمیری تجدید و اصلاح کے لیے اس نے ایک لاکھ چوبیس ہزار روپے منظور کیے، اسی طرح موضع سوندرہ پرگنہ سافولی، اور موضع سیمہ پرگنہ کڑاک کے مدرسوں کے لیے یومیہ مقرر کیے تھے،

عالمگیر کے دور حکومت سے پہلے ابتدائی مکاتب میں ہندو اور مسلمان طلبہ یک جا تعلیم حاصل کرتے تھے، ان مکتبوں میں غیر مذہبی تعلیم ہوتی تھی، یہاں سے فارغ ہو کر اعلیٰ مدارس میں چلے جاتے تھے، اور ہندو طلبہ اپنے مذہبی مدرسوں میں جاتے تھے، جاں خاستر کے علاوہ طب و نجوم وغیرہ کی تعلیم بھی دی جاتی تھی، ہندوؤں کے مدارس عالمگیر کے زمانہ میں بھی قائم رہے، اور ان کا اہم مرکز بنارس تھا، خانی خان لکھتا ہے:-

”در ایامی کہ محمد سوانح در بند سورت بود بانام نام زنار دار طبیب پیشہ نقل می نمود

کہ چون در قوم مضابطہ است کہ برائے تحصیل علم غوم و طبابت و شاستر برہمنان بے سرو
مایہ از دور و نزدیک بنیادس رفتہ یکے از برہمنان آبخارا استاد خود قرار می دہند
و نزد او درسی خوانند و صبح و شام از طرف استاد خود کنار آب گنگ بختہ موافق
و اسبہ کہ مقرر است برومی راکہ برائے غسل می آیند بہ دستور و آئین مقرری خدمت
می نمایند ، و ہر صبح از ان ہم رسد بلا تعارف و خیانت نزد استاد خود می برند و
خوج خوراک و پوشاک شاگردان بزدلہ استاد است کہ بہ قدر کفالت ضرور
نخیری گیرند^۱

نیز دلی کا وہ سرخسہ علم و عرفان جس کے فیض و برکات سے سارے ہندوستان
کی علمی تشنہ کامی و در پوئی ، وہ عالمگیر ہی کے عہد میں قائم ہوا ، حضرت شاہ
ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی نے جو
فتاویٰ عالمگیری کے جامعین میں سے تھے ، اس مدرسہ کو قائم کیا تھا ، جس سے علوم
کے سرچشمے جاری ہوئے ، اور شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے اپنے والد ماجد
سے علوم کی تحصیل کی ، اور پھر اسی مدرسہ کی سند درس پر حضرت شاہ عبدالعزیز ،
حضرت شاہ محمد اسحاق ، حضرت عبدالقادر اور حضرت نظیر حسین میاں صاحب
اعلیٰ اللہ مقامہم باری باری جلوہ افروز ہوئے ، اور اس سرخسہ فیض سے خاص طور
پر علم حدیث ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پورچ گیا ، اس مدرسہ کے حالات اس خانو^۲
کی تاریخ میں مفصل ملیں گے ،

پھر دوسری طرف ہندوستان کے مشہور دارالعلم فرنگی محل لکھنؤ کے مدرسہ نظامیہ
کی ابتدا بھی عالمگیر ہی کے عہد میں ہوئی ہو ، قصبہ سہالی (اودھ) کے مشہور صاحب
درس ملا قطب الدین کی شہادت کے بعد عالمگیر نے ان کے صاحب زادوں کو لکھنؤ
کے محلہ فرنگی محل میں ایک قطعہ مکان مع متعلقہ عمارتوں کے ساتھ بی عایت کیا^۳

۱۔ غانی خان ۲۵ ص ۲۱۹ ، ۲۲۰ یہ خزان اب تک محفوظ ہے ، اسے مولانا شبلی رحمہ نے دیکھا تھا ، اور ق^۴

نظام الدین کے سوانح میں اس کی عبارت نقل کی ہے ، (مقالات شبلی ۵ ص ۱۲) ،

ملا قطب الدین ہمالوی کے چھوٹے صاحب زادہ نے جوانی دنوں ۵۰ سال کے تھے ، اسی عمارت میں مسند درس قائم کی ، جسے مدرسہ نظامیہ کا مشہور لقب حاصل ہوا ، اور اس کا مرتب کیا جو انصاف تعلیم دو صدیوں تک بلا اختلاف ہندوستان میں رائج رہا ، اور آج بھی ہندوستان کے قدیم عربی مدرسے انصاف تعلیم میں بہت کچھ تبدیلیاں قبول کر لینے کے باوجود اسی نقش قدم پر چل رہے ہیں ،

آج فرنگی محل کے مدرسہ نظامیہ پر تقریباً ڈھائی سو برس گزر چکے ہیں ، اس مدت میں سیکڑوں علماء و فضلاء اس خاندان میں پیدا ہوئے ، اور اس مدرسہ کی منہ تعلیم کو مسلسل قائم کیے رہے ، اور ان کے دامن تعلیم و تربیت سے ہزاروں علما پیدا ہوئے ، جنہوں نے ہندوستان کے چہرہ چہرہ کو علم و تعلیم کی روشنی سے منور کیا ، فرنگی محل کے ان اکابر علماء میں جو درس و تدریس میں اپنے وقتوں میں فن کے امام اور مسلم استاد تھے ، ملا نظام الدین ، مولانا بحر العلوم عبد العلی ، مولانا جعد الوالی ، مولانا جعد الخلیف ، لاجپت ، لاجپت اور مولانا جعد الخلیف فرنگی محل وغیرہ ہیں ،

مغلوں کے دور حکومت کے آغاز سے عالمگیری کے زمانہ تک میں تعلیم کی اشاعت پر ملین امراء اور ہر عہد کے علماء و فضلاء کی جو توجہ رہی ، اس کا یہ اثر تھا ، کہ ہندوستان کے مختلف صوبے گجرات ، پنجاب ، دہلی ، آگرہ ، سندھ ، دکن ، بنگال ، بہار ، جون پور ، اودھ ، اور الہ آباد مختلف دوروں میں تعلیم کے مرکز رہے ، اور ان کی تعلیمی خدمات عالمگیری کے عہد تک خصوصیت کے ساتھ جاری رہیں ، مولانا غلام علی آزاد نے آثار الکریم میں مشرقی ہندوستان کی عمومی اور اودھ والہ آباد کی خاص طور پر تعلیمی حالت کا نقشہ کھینچا ہے ، لکھتے ہیں :-

فرنگی محل کے علماء کے حالات میں مذکورہ علاقے فرنگی محل کے نام سے مولانا عجلت الدین صاحب فرنگی محل نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے ، اور اس سے پہلے مولانا جعد الباری صاحب مرحوم "احوال علاقے فرنگی محل" کے نام سے ایک رسالہ لکھ چکے ہیں ،

سرزمین یورپ از قدیم الایام معدن علم و علم است ، . . . اگرچہ جمیع صوبہ جات ہند یہ وجود حاصل علم و تفکر و اندیشہ محصور رہے تھے خلافت کہ بہ واسطہ جمہور صاحب کمالات ہر قسم در ان جا فراہمی آید و از تراکم انکاد و اجتماع عقول ہر عصر کمالات نفس ناطقہ راجع علم عقلی و نقلی و جمیع غیر ان بہ پایہ ، بالاتر ہی رسانند ، اما صوبہ اودھ و الہ آباد خصوصیت دارہ کہ در ہیچ صوبہ نہ توان یافت چہ تمام صوبہ اودھ و اکثر صوبہ الہ آباد بہ فاصلہ پنج کردہ نہایت دہ کردہ تھیں آثار ادبی خردی و تجلی است کہ از سلاطین و حکام و ظالمت و زمین مدد معاش داشتہ اند ، مساجد و مدارس و خانقاہات بنا نہاد و مدرسان عصر در جا ، ابواب علم بر دوسے دانش بردار کشادہ و صلائے اطلباء العلم و در دادہ و طلبہ علم خیل از شہرے ، شہرے ہی روند و ہر جا صوفیت دست ہم داد و بہ تحصیل مشغول می شوند و صاحب و فقہان ہر مورد طلبہ علم را نگاہ می دارند و خدمت ایں جماعہ و سعادت عقلی می دانند صاحب قرآن ثانی ذابہاں اتارا اند بہانہ می گفت پورب خیر از ملکات ما است " و تا مدد دستہ ہنگامہ علم و علم در ہی گل زمین گری داشت "

دور زوال ہندوستان میں تیموری سلطنت کے جاہ و جلال کا آفتاب عالمگیر کے وفات پاتے ہی گھٹ گیا ، بالآخر آخری تاجدار ہند بہادر کے زمانہ میں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا ، عالمگیر کی وفات سے سلطنت کے ٹٹنے تک کا زمانہ اس عظیم الشان سلطنت کے اختلال کے دور سے تعبیر کیا جاتا ہے ، اس کا اثر لازمی طور پر ہندوستان کے تعلیمی نظام اور اسلامی مدرسوں پر بھی پڑا ، تاہم یہ زمانہ شاہی مدرسوں کے وجود سے یک سرخالی نہیں ، خال خال ایسے مدرسوں کے وجود کا پتہ بھی چلتا ہے ، جو مغل سلاطین کی سرپرستی میں جاری ہوئے ، اور ان کے مصارف شاہی خزانہ سے ادا ہوئے ، جیسے مرآت احمدی میں محمد مظہر بہادر شاہ اول (۱۱۸۰ھ) کے دور حکومت میں ایک مدرسہ کی تعمیر عمل میں آئی ، اور اس کے مصارف

شاہی خوانہ سے ادا کیے گئے ،

لیکن یہ شاذ و نادر مثالیں ہیں ، ورنہ حقیقت یہ ہے ، کہ عالمگیر کے بعد سے اخیر دور تک جس قدر ہلای مدرسہ سے ہندوستان میں قائم رہا ، یا نئے جاری کیے گئے ، وہ زیادہ تر علماء و فضلاء کے ذاتی ذوق اور علمی شغف سے قائم تھے ، اور ارباب ثروت ان مدارس کی مدد دینی خدمت سمجھ کر کرتے رہے ، اور اس حیثیت سے اس زمانہ میں بھی ملک کے مختلف حصوں میں نئے مدرسے کے قائم ہونے ، پرانے مدرسوں کے جاری رہنے ، اور ارباب علم و فضل کے درس و تدریس میں مشغول رہنے کے واقعات کچھ کم نہیں ہیں ،

چنانچہ بہادر شاہ اول کے عہد میں دارالسلطنت دلی میں ایک نیا مدرسہ امیر غازی الدین خاں فیروز جنگ نے جو سلطنت آصفیہ کے بانی آصف جاہ اول کے والد بزرگوار تھے ، اجیری دروازہ کے قریب قائم کیا ، اس مدرسہ کے لیے امیر مسجد بھی تعمیر کرائی گئی تھی ، امیر موصوف اسی مدرسہ میں ۱۱۱۸ھ میں مدفون ہوئے ، اس مدرسہ کے بعض مہتر آج تک عہد رفتہ کی یاد دلاتے ہیں ،

یہ مدرسہ مدتوں تک جاری رہا ، دلی پر انگریزی حملہ دہری ہو جانے کے بعد انگریزوں نے بھی اس کو تعلیم گاہ کے طور پر استعمال کیا ، پھر نواب اعتماد الدولہ فضل علی خاں وزیر اودھ نے اس مدرسہ کے اخراجات کے لیے ایک لاکھ ستر ہزار روپے کی گراں قدر رقم انگریزی کمپنی کے حوالہ کی ، چنانچہ کمپنی کی طرف سے غازی الدین خاں کے مقبرہ پر حسب ذیل عبارت کندہ کی گئی ،

کتابہ مقبرہ غازی الدین خان

نہ ہر لوح نقشے بہ ماند و لیک جزائے عمل ماند و نیک نام
بیا و حیات نواب اعتماد الدولہ ضیاء الملک سید فضل علی خاں بہادر بہار جنگ کبھی

لک: ہفتاد ہزار روپیہ پر اسے ترقی علوم و مدرسہ ہذا واقع دہلی خاص مولود وطن خوش
بہ صاحبان کینچن انگریز بہادر توفیق نودہ اندموش گردیدہ ۱۲۵۸ھ

محمد شاہ (۱۲۱۱ھ) کی حکومت کے زمانہ میں نواب شرف الدولہ ارادت خاں
نے دہلی کے بازار وریہ میں سر راہ ایک مدرسہ ۱۲۵۸ھ میں تعمیر کرایا، اس مدرسہ سے مفت
ایک مسجد بھی ہو، اس کی پیشانی پر یہ ایک منظوم کتبہ کندہ ہو، جس سے آخری شعر کو
تاریخ مکتوبی ہو:-

سال تاریخ بنا گفت خرد قبلہ حج ارادت کیشاں
۱۲۵۸ھ

اسی طرح احمد آباد گجرات میں اسی زمانہ میں مولانا نور الدین احمد آبادی متوفی ۱۲۵۸ھ
نے ایک عالی شان مدرسہ تعمیر کرایا، اور اس میں ان کی مسند درس بھی ہوئی تھی اور درس
و تدریس کا فیض جاری تھا،

بادشاہ اول کے زمانہ میں ایک مدرسہ فرخ آباد میں فخر المربع کے نام سے قائم تھا،
اس کے بانی ایک صاحب علم مولوی ولی اللہ نامی تھے، مولوی علم الدین اور
مولوی نعیم الدین نے اس مدرسہ میں تعلیم پائی تھی،

اسی طرح اس دور کے چند دیگر مدارس کے تذکرے ملتے ہیں، جن کے نام گنانے کی
چند اں ضرورت نہیں، لیکن اسلامی سلطنت کے دور انحلال میں ہونے کی وجہ سے
ان مدرسوں کا کوئی تعلق حکومت سے نہیں تھا، کیوں کہ جاہ پسند امرا مختلف صوبوں
کی ولایتوں اور بڑے عہدوں پر قابض تھے، ان کے پیش نظر سب سے زیادہ ان کی

۱۲۵۸ھ آثار العنادید باب سوم ۲۱-۲۲۔ سر سید رحم نے اس عبارت کا فہم حاصل لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ
یہ مدرسہ احمد شاہ ابدخاہ اور عالمگیر ثانی کے عہد میں تیار ہوا، لیکن یہ سمجھ نہیں، جیسا کہ اوپر گذرا۔ اس کے
بانی فاضل الدین فیروز جنگ محمد علی معظم بہادر شاہ اول کے دور میں بناتے چکے تھے، اور اسی مدرسہ میں فون ہوا،
۱۲۵۸ھ آثار العنادید باب سوم ص ۲۲۔ ۱۲۵۸ھ آثار الکرام ج ۱ ص ۲۱۹،

کی ذاتی سیاسی مصطلحتیں تھیں ، ان مدارس کا سارا بار دیں دارالاباب تھوٹ اپنے اوپر اٹھائے ہوئے تھے ، لیکن رفتہ رفتہ سلطنت کی اتبری کا اثر ملک کے تعلیمی نظام پر بھی طاری ہوا ، جہاں چہ سلطنت کے دور زوال کے شروع ہونے کے کچھ دنوں بعد عمومی طور پر ہندوستان کے تعلیمی نظام اور اسلامی مدرسوں میں اختلال پیدا ہوا ، اور اس دور میں اگر کسی فرمان روا کے زمانہ میں کہیں کوئی مدرسہ تعمیر پایا یا تعلیمی و تحقیقی جاری ہوئے ، تو عمال سلطنت نے بڑے بڑے تعلیمی اوقات ضبط بھی کر لیے ، جہاں چہ مولانا غلام علی آزاد نے اس دور کی تعلیمی رفتار کا نقشہ موثر انداز میں کھینچا ہے ، اور اسی سے سائے ہندوستان کے تعلیمی حالات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ، وہ لکھتے ہیں :-

ساتن کہ بران الملک سعادت خان نیشاپوری در آغا جلوس محمد شاہ حاکم صوبہ اودھ شہر اکثر بلاد و صوبہ الہ آباد نیرشل دارالخجور جون پور ، بنارس ، غازی پور ، کرٹھ ملک پور ، کوڑہ جان آباد ، وغیرہ با ضمیمہ حکومت گردید وظائف و سیور غالات نان و ادب سے قدیم و جدید یک قلم ضبط شدہ و کار شرف و پنجاب پریشانی کشید و اضطرار معاش مردم آں چار از کسب علم بازداشتہ در پیشہ سپاہ گری انداخت و رواج تدریس و تحصیل ہ آں درجہ زمانہ و مدارسے کہ از حد قدیم معدن علم و فضل بود یک قلم خراب افتاد و انجمن ارباب کمال پیش تربہم خورد ،

اناللہ وانا الیہ راجعون

دوبعد از تحال بران الملک فوجت حکومت بہ خواہر زادہ ادب الو منصور خان صفدہ رسمیدہ و وظائف و اقطاع بہ دستور زیر ضبط ماند و در او آخر محمد شاہ ۱۱۹۵ھ صوبہ داری الہ آباد نیز بہ صفدہ جنگ مقرر شد ، و تتمہ وظائف آں صوبہ کہ تا حال از آں ضبط محفوظ ماندہ بود بہ ضبط درآمد و در حد احمد شاہ صفدہ جنگ بہ پایہ وزارت علی سعود نمود و نائب صوبہ کار بر بار باب وظائف تنگ تر گرفت و تا معین تحریر کتاب این دیار بہ اہل حوادث روزگار است

بابی ہندوستان کے دین دار علماء اپنے دینی اخلاص ، اصلاح و تقویٰ اور تیار
 سے ہندوستان کے قدیم اسلامی نظام تعلیم کی عمارت کو اپنے ہاتھوں میں نبھالے رہے ،
 مدرسوں کی جو سیدہ عمارتوں میں قال اللہ و قال الرسول کا درس جاری رکھا ، پھر
 اس دور سے اس زمانہ تک ایسے ارباب خیر بھی رہے ، جو مدرسوں کو چلاتے ، نئی عمارتیں
 بنواتے ، اور طلبہ کے مصارف کا بار اٹھاتے رہے ، جزاہم اللہ ،
 (اکتوبر ۱۹۳۷ء)

بنگال و بہار میں عہد نظامت و دیوانی اور اس کا خاتمہ

اور برطانوی اثر و اقتدار کا آغاز

”صوبہ بنگال کی مال گزاری کی ابتدائی تاریخ“ کے عنوان سے مطریت، ڈی، لیسکولی نے ڈھاکہ یونیورسٹی میں چند کچھ دیئے تھے، ان میں انھوں نے پارلیمنٹ کی رودادوں، کمیشنوں کی رپورٹوں اور دوسری سرکاری یا دواشتوں کے مستند ماخذوں سے حکومت بنگال و بہار کے مختلف دوروں میں مال گزاری کے متعلق حکومت کی مختلف حکمت عملیاں دکھا کر نبہ و بست دواپی بولا کر اس بیان کو ختم کیا ہے، ان کچھوں کا مجموعہ کتاب کی شکل میں شائع ہوا ہے۔

اس کتاب سے برطانوی عہد کے آغاز میں بنگال و بہار کے کسانوں کے معاشی حالات اور ان کے ساتھ حکومت کا طرز عمل اور زمینداری و کاشت کاری نظام کے رواج پذیر ہونے کے اسباب پر روشنی پڑتی ہے،

مصنف نے اصل موضوع پر گفتگو کرنے سے پیشتر کتاب کا پہلا باب ”بنگال سلطنت مغلیہ کے صوبہ کی حیثیت سے اور مملکت برطانوی کا آغاز“ کے عنوان سے لکھا ہے، تاکہ اصل بحث کے سمجھنے میں آسانی ہو، مصنف نے اس میں بڑی جامعیت و اختصار سے بنگال کے عہد نظامت و دیوانی کی سرگزشت اور برطانوی اثر و نفوذ کے آغاز کو دکھایا ہے، راقم سطور کو اس کتاب کے اس باب کی جامعیت غیر معمولی طور پر پسند آئی، اور اس کی تائید کر کے اشاعت کے لیے بھیج دیا، اس مجموعہ کی ترتیب کے وقت اس شخص کا تہہ بہہ بھی نگاہ کے سامنے آیا، اور اس کی افادہ حیثیتوں کی بحث سے اس مجموعہ سے اس کو نفع حاصل ہو رہا ہے۔

پر عبیت اہل نہ ہو سکی ، اس کو صنف اور دارالترجمہ کے فکرم کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے

مغلوں کے عہد میں بنگال کا الحاق | مغلوں نے ۱۵۷۶ء میں پہلی مرتبہ اکبر کے
عہد حکومت میں بنگال کو قطعی طور پر فتح کیا ،
اور بنگال کا آخری خود مختار بادشاہ داؤد خاں مارا گیا ،

۱۵۷۶ء سے اورنگ زیب کے سال وفات ۱۶۵۷ء تک صوبہ بنگال کی نشو و نما صورت اور
کی نگرانی میں جاری رہی ، اور یہ مرکزی حکومت کے نہایت زرخیز صوبوں میں شمار کیا گیا ،
جہاں چھ اس کے محاصل دوسرے صوبوں کی بہ نسبت سہ چہرے تھے ، جاگیر داری تنظیم کے اصول
پر (۸۰۱۷۵۸) پیادہ فوج (۲۷۳۳۲) سوار (۴۱۲۶۰) توپیں اور اہل قیوں اور مسلح
کشتیوں کی ایک بڑی تعداد جمیا رہتی تھی ، (آئین اکبری جیارٹ ج ۲ ص ۱۲۹)
ظاہر ہو کہ اس عہد میں اتنی قوت کا صوبہ دار ایک طاقت ور طیف اور خطرناک غنیم
ہو سکتا تھا ، اس لیے ۱۵۷۶ء سے ۱۵۸۷ء تک بنگال میں جو ۲۷ صوبہ دار (گورنر) گورنر
وہ یا تو بہ ذات خاص قابل اعتماد اکابر تھے ، یا مغل شہنشاہ سے ان کا قریبی تعلق تھا ،

بنگال کے صوبہ داروں | اکبر سے اورنگ زیب تک کے عہد میں بنگال کے
صوبہ داروں کے لحاظ سے دو دور قائم کیے جاسکتے ہیں
کے دور پہلا دور سال الحاق ۱۵۷۶ء سے اکبر کی وفات

۱۶۰۵ء تک کا ہے ، اس دور میں راجہ ٹوڈر مل جلیل القدر مہارمایاں (۱۵۷۵ء
۱۵۸۲ء) اور راجہ مان سنگھ (۱۵۷۶ء ۱۶۰۴ء) بڑے اہم صوبہ دار گنہگار ہیں
۱۵۷۶ء سے ۱۵۹۲ء تک بنگال کا دارالسلطنت ، شمالی بنگال کا دارالسلطنت
شمالی بنگال کا مرکزی مقام رائد پور ، اور پھر بیاں سے ۲۵ میل کے فاصلہ پر راج
محل میں منتقل کر دیا گیا ، دارالسلطنت کا محل وقوع حکومت کے نظام کے لیے ایک اہم
نقشہ ہے ، کیوں کہ اس کی دوری اور نزدیکی کی وجہ سے نائبوں کا تقرر لازمی پڑتا ہے ،
جہاں چھ جب راجہ مان سنگھ ۱۵۷۹ء میں چار سال کے لیے ہار چلا گیا ، تو اس نے جیدان
کو اپنے نائب کی حیثیت سے مانڈہ میں متعین کر دیا ،

بھراس دور کے یہ دو واقعے بھی یاد رکھنے کے قابل ہیں، اول یہ کہ ۱۵۵۹ء میں دیوان یا وزیر مال کا عہدہ قائم کیا گیا، جس کے سران گذاری کی جملہ امور کی ذمہ داری عائد کی گئی، اب صوبہ دار مالیات کے بندوبست کی ذمہ داری سے سبک دوش کر دیا گیا دوسرا واقعہ یہ کہ ۱۶۰۵ء میں مرکزی حکومت کے سامنے صوبہ بنگال کی اہمیت اس وقت پہلی مرتبہ آشکارا ہوئی، جب راجہ مان سنگھ سابق صوبہ دار نے اکبر کی وفات کے وقت اپنے ایک زیر حمایت خنڈرے کو تخت نشین کرانے کی ناکام کوشش کی،

دوسرے دور ۱۶۰۵ء سے ۱۶۵۷ء تک میں ۱۹ صوبہ دار ہوئے جن میں شاہ جہاں ۱۶۲۲ء، ۱۶۲۵ء، سلطان محمد شجاع ۱۶۳۹ء، ۱۶۶۱ء، اور سلطان محمد اعظم (۱۶۷۸ء - ۱۶۸۰ء) شامل وقت کے بیٹے تھے، عظیم الشان شہنشاہ وقت کا پوتا تھا اور قطب الدین ۱۶۷۸ء - ۱۶۸۰ء، ابراہیم خان (۱۶۸۱ء - ۱۶۸۲ء) شایبہ خاں (پہلی مرتبہ ۱۶۸۲ء - ۱۶۸۴ء) دوسری مرتبہ از ۱۶۸۹ء) اور اعظم خاں (۱۶۸۵ء - ۱۶۸۸ء) کسی نہ کسی قیتمے سے خان وادہ شاہی سے وابستہ تھے، ان صوبہ داروں میں شاہ جہاں، سلطان محمد شجاع اور شایبہ خاں نمایاں قابلیت کے انخاص تھے، باقی دوسرے صوبہ داروں میں سے جن کی مدت حکومت ۲۷ سال چوتی ہو، صرف اسلام خاں (۱۶۸۱ء - ۱۶۸۲ء) اور میر جملہ (۱۶۸۶ء - ۱۶۹۲ء) قابل ذکر ہیں،

اس دور میں بنگال نے تدریجی ترقی کی، سرحدی علاقے وسیع اور مستحکم کیے گئے، اور بنگال سلطنت مغلیہ کا سب سے زیادہ زرخیز اور اہم صوبہ بن گیا، اس کی اہمیت دوبارہ ۱۶۸۲ء میں اس وقت ظاہر ہوئی، جب شاہ جہاں نے جاگیر سے بغاوت کر کے اڑیسہ بنگال، اور بہار کو فتح کر لیا، پھر ۱۶۸۵ء میں سلطان محمد شجاع نے بنگال میں علم بغاوت بلند کیا، اور ۱۶۸۶ء تک سلطنت مغلیہ کے خوف کا موجب رہا۔ اس کے بعد ۱۶۸۸ء یعنی اورنگ زیب کے انتقال تک بنگال سلطنت مغلیہ کا حقیقی حصہ بنا رہا، اس دور میں ذیل کے امور قابل توجہ ہیں،

۱۔ صوبہ کی وسعت اور اس کا دار السلطنت؛

۲۔ دیوان کا عروج اور صوبہ دار سے اس کے تعلقات ،

۳۔ بنگال میں برطانوی عہد کا آغاز ،

صوبہ کی وسعت اور اس کا دارالسلطنت | سترہ سو تک بنگال ، بہار ، اور
اڑیسہ صرف ایک ہی صوبہ دار کے
تحت میں تھے ، سترہ سو میں جب بنگال و اڑیسہ کی صوبہ داری پر جوائنٹ رول مقرر ہوا ،
تو اسی وقت سے بہار کو ایک علیحدہ صوبہ قرار دے کر اسلام خاں کو اس کا صوبہ دار بنایا گیا ۔
یہ تقسیم سترہ سو تک قائم رہی ،

اس تقسیم کے بعد ہی جب سترہ سو میں اسلام خاں صوبہ بنگال کے صوبہ دار کا نائب بن
جائے تو اس نے بنگال کا مستقر راج محل کے بجائے ڈھاکہ کو قرار دیا ، کیوں کہ اس کا محل وقوع
مرکز میں تھا ، اور یہاں سے ساحل اراکون کی ٹکرانی کی جا سکتی تھی ، جہاں پرتگالی اور
راگھی جنگی جہاز آکر لوٹ رہے تھے ، اس وقت سے عظیم الشان کی صوبہ داری تک
بجز ہس زمانہ کے جب کہ سلطان محمد شجاع (سترہ سو - سترہ سو) صوبہ دار تھا ، ڈھاکہ ،
بنگال کا دارالسلطنت رہا ، سلطان محمد شجاع کے زمانہ میں راج محل پھر صوبہ کا مستقر
بن گیا تھا ،

اس کے بعد سترہ سو میں شہنشاہ وقت کے پوتے عظیم الشان کی صوبہ داری کے زمانہ
میں تینوں صوبے دوبارہ ملا دیے گئے ، اس نے ابتداً سترہ سو میں شہنشاہ ، ورنٹ
کے حکم کے مطابق راج محل کو صوبہ کا مستقر قرار دیا ، اور اس نے بعد بنگال کا دارالسلطنت
عظیم آباد چنے قرار پایا ، پھر سترہ سو میں شہنشاہ کا دوسرا فرزند بیویچہ کہ عظیم الشان اپنے
بیٹے فرخ میر کو جو سترہ سو سے بنگال کا نائب صوبہ دار بن کر ڈھاکہ میں مقیم تھا ، بنگال
و اڑیسہ کی صوبہ داری کے لیے چھوڑ دے ، اور سر بلند خاں بہار میں نائب صوبہ دار
بنایا جائے ،

ناظم و دیوان یا گورنر اور وزیر مال | آئین اکبری میں صوبہ کے حاکم کو مصطاح
دیسہ سالار کہا گیا ہو ، گروہ و امیرائے کی

حیثیت سے کشوری و عسکری دونوں قسم کے جملہ امور میں شہنشاہ کی نمایندگی کرتا تھا، اس کے بعد اسے صوبہ دار کہا گیا، پھر "نواب ناظم" کی اصطلاح قائم ہوئی، الغرض اس دور میں ۱۷۹۷ء تک ایک ناظم صوبہ بنگال، ڈائریہ پر اور ایک بہار پر حکم ران رہا، البتہ شاہ جہاں اپنی باغیانہ حکومت بنگال کے زمانہ (۱۶۲۲ء - ۱۶۲۵ء) میں ان تینوں صوبوں کا واحد حکم ران تھا، اور اس نے بنگال و بہار میں اپنے دو نائب ناظم مقرر کیے تھے،

پھر ۱۶۲۵ء میں جب مہابت خاں بنگال کی گورنری کے لیے نام زد کیا گیا، اور سپہ سالار اعظم کی خدمات کی انجام دہی کے لیے مرکزی حکومت ہی میں روک لیا گیا، تو خان زادہ خاں کو بنگال کے نائب ناظم کی حیثیت سے روانہ کیا گیا، اسی طرح سیف خاں نے ۱۶۳۹ء ناظم سلطان محمد خجائے کی آمد تک اس کی نیابت کی، اسی طرح ۱۶۹۷ء تک نائب ناظموں کا تقرر و فتنہ ہوتا رہا، مگر انھوں نے اس وقت تک کوئی سیاسی اہمیت حاصل نہیں کی تھی، یہاں تک کہ صوبہ کے دیوان کو عروج حاصل ہوا،

دیوان کا عہدہ ۱۷۵۹ء میں اکبر نے قائم کیا تھا، وہ حکومت کا وزیر مال ہوتا تھا، جس کے قبضے میں مال گذاری کی وصولی، سرکاری رقم کے مصارف کی ذمہ داری، اور دیوانی مقدمات کا تصفیہ کرنا داخل تھا، وزیر مال کا انتخاب صوبوں کے لیے بھی شہنشاہی کے فرمان سے ہوتا، زبردہ قانوناً صوبہ دار کے ماتحت سمجھا جاتا تھا، ناظم، صوبہ کے عام نظم و نسق کا ذمہ دار تھا، اور دیوان صوبوں کے مالی کاروبار کی دیکھ بھال کرتا تھا،

صوبہ بنگال و بہار میں ۱۷۵۹ء سے دیوان کے عروج کا زمانہ مرشد قلی خاں کے دیوان مقرر ہونے سے شروع ہوتا ہے، مرشد قلی خاں ۱۷۵۹ء میں ان تینوں صوبوں کے عہدہ دیوانی کے علاوہ بنگال و ڈائریہ کا نائب ناظم بنایا گیا، اور سپہ حسین علی خاں بہادر کا نائب ناظم مقرر ہوا، ان دونوں نائب ناظموں نے غیر معمولی اقتدار حاصل کر لیا، خصوصاً مرشد قلی خاں کے قبضہ میں مالیات کے ہونے سے اسے مزید تفوق حاصل ہوا، مرشد قلی خاں نے اپنا مستقر مرشد آباد کو قرار دیا، اس طرح اورنگ زیب کے انتقال کے وقت ۱۷۵۹ء میں ان تینوں صوبوں پر حسب ذیل عہدہ دار تھے،

صوبہ	ناظم	نائب ناظم	دیوان
بنگال	عظیم نشان	مرشد قلی خاں	مرشد قلی خاں
بہار	عظیم نشان	سید حسین علی خاں	مرشد قلی خاں
اڑیسہ	عظیم نشان	مرشد قلی خاں	مرشد قلی خاں

بنگال میں برطانوی اثرات کی ابتداء | بنگال میں انگریزوں کا تعلق سترھویں صدی سے پیدا ہوا، وہ پہلی مرتبہ ۱۶۳۲ء

میں مدراس سے کلکتہ آئے، ۱۶۳۲ء میں دو تجارتی کوٹھیاں ہریش پور اور بالاسور میں قائم کیں، سلطان محمد شجاع اور شاہینہ خاں کے عطا کردہ اجازت ناموں سے ۱۶۴۰ء تک تین صد کوٹھیاں ہنگلی، قاسم بازار، اور بالاسور میں قائم کر چکے تھے، نیز کمپنی کی انگریزی میں ڈھاکہ اور مٹنہ میں بھی کوٹھیاں قائم ہوئیں، پھر ۱۶۹۰ء میں کمپنی نے خلیج بنگال کی اہمیت محسوس کر کے بنگال کو ولیم ہیس کی گورنری میں دے کر اسے مدراس سے تعلق کر کے اسے مستقل تجارتی علاقہ قرار دیا، اس وقت سے بنگال سے کمپنی کے مستقل تجارتی انگریزوں وابستہ ہو گئے، پھر ۱۶۹۰ء میں کفایت خاں دیوان ڈھاکہ کے نام شہنشاہ کے احکام موصول ہوئے، کہ انگریزوں کو تین ہزار روپیے ادا کرنے پر آزادانہ تجارت کا پروانہ دے دیا جائے، ۱۶۹۰ء میں کمپنی نے کلکتہ میں ایک قلعہ کی تعمیر کی اجازت اس وقت حاصل کی، جب بھاسنگو کی سرکشی جاری تھی، عظیم نشان کے صوبہ داری پر فائز ہونے کے بعد کمپنی کو بھلا ملی علاقہ نصیب ہوا، اور ۱۶۹۰ء میں ناظم دیوان کی بارگاہ میں خایان خان نذریشی کرنے کے بعد انگریزوں کو اجازت دی گئی کہ وہ کلکتہ، ستاوتی، اور گوبند پوران تینوں موضوعوں کی بٹہ داری کا حق ان کے موجودہ مالکوں سے خرید لیں، اس طرح انگریزوں نے ایک ہزار ایک سو سچانوے روپے چھ آنے سالانہ مال گذاری پر بنگال میں پہلی مرتبہ حقیقت زمین داری خرید لی،

بنگال کے ناظم و دیوان کے اختیارات کلی | اور نگارنری کے انتقال کے ساتھ ہی حکومت مغلیہ کا شیرازہ بکھرنے لگا،

جب ۱۲۷۰ھ میں عظیم الشان جوبنگال و بہار و اڑیسہ کا برائے نام ناظم تھا، تاج و تخت کی رومیوں میں مارا گیا، تو ان تینوں صوبوں کے ناظم کی جگہ خالی ہو گئی، ۱۲۷۱ھ میں فرخ سیر کی تخت نشینی کے بعد مرشد قلی خاں نے ان تینوں صوبوں کی نظامت پر اپنا تقرر کر لیا، اب ناظم کا صدر دفتر قطعی طور پر مرشد آباد قرار پایا، بہار و اڑیسہ میں مرشد قلی خاں خود نظامت و دیوانی کے اختیارات سے کام لیتا رہا، اور بنگال اور کبھی اڑیسہ میں وقتاً فوقتاً سید اکرم شجاع الدین خاں، سید رضا خاں، لطف العدا و سرسفر از خاں نیابت نظامت دیوانی کے عہدوں پر سرفراز ہوتے رہے،

موروثی نظامت | اس دور میں پہنچ کر سلطنت مغلیہ میں اتنی طاقت باقی نہ رہ گئی تھی، کہ وہ دور دراز صوبوں پر اپنی نگرانی قائم رکھتی، سب سے نظامت دیوانی کے عہدہ داروں کا تقرر شہنشاہ کا اختیار ہی نفل تھا، اب مرشد قلی خاں کے زمانہ سے ناظم کا عہدہ موروثی قرار پایا، اور دیوان کا منصب مرحمت و نوازش پر موقوف ہو گیا،

شجاع الدین خاں ناظم | جہاں جہو اب مرشد قلی خاں کی وفات کے بعد اس کا داماد شجاع الدین خاں (۱۲۷۵ھ - ۱۲۷۹ھ) ناظم ہوا، اس نے اپنے بیٹے سرسفر از خاں کو اپنا دیوان مقرر کیا، مرزا لطف الدین میرٹھ کے ساتھ جو اس کا نائب دیوان تھا، نائب ناظم کے عہدہ پر قائم رہا، پھر جب یہ دونوں اڑیسہ منتقل ہو گئے، تو سرسفر از خاں کو دیوان کے عہدہ پر بحال رکھنے کے علاوہ اسے نائب ناظم بھی نام نہاد طور پر بنایا گیا، مگر دراصل غالب علی خاں، جسوٹ رائو نائب دیوان کے ساتھ منصرانہ طور پر کام انجام دیتا رہا،

سرسفر از خاں ناظم | شجاع الدین خاں کے بعد اس کا بیٹا سرسفر از خاں (۱۲۷۹ھ - ۱۲۸۰ھ) نے نظامت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی، اس کے زمانہ میں عہدہ دیوانی کے فرائض ایک مجلس جو حاجی احمد اور جگت سید پر مشتمل تھی، انجام دیتی رہی اور بہار کی نظامت پر علی وردی خاں مامور کیا گیا،

علی در دی خاں حمایت جنگ ناظم | علی در دی خاں حمایت جنگ ۱۲۵۱ھ

پر بٹھا ، نوازش محمد خاں دیوان صوبہ جات اور نائب ناظم ڈھاکہ مقرر ہوا ، حسین الدین خاں اس کا نائب اور اس کے قتل کے بعد ۱۲۵۲ھ میں راجہ راج بلہ کے توسط سے حکومت کی ، اور صوبہ بہار میں نواب زین الدین خاں ہیبت جنگ نے اس کی نیابت کی ، اور اڑیسہ میں صولت جنگ نائب ناظم رہا ،

سراج الدولہ ناظم | سراج الدولہ ۱۲۵۱ھ - ۱۲۵۲ھ ، علی در دی خاں کا نواسہ تھا ، اس نے موہن لال کو پٹا دیوان بنایا ، اور جسارت خاں ۱۲۵۲ھ سے ۱۲۵۳ھ تک ڈھاکہ کا نائب ناظم رہا ،

برطانوی اثر کی ترقی | اس کے بعد صوبہ بنگال و بہار کی سیاسی تاریخ میں میر جعفر میر قاسم کی نظامت اور اس عہد کی مشہور بڑائیوں اور شاہ زادہ عالی گھر (شاہ عالم بادشاہ) اور انگریزوں کی جنگ کے مشہور واقعات پیش آئے ، جن کے بعد برطانوی طاقت ان صوبوں پر پورے طور پر مستولی ہو گئی ،

انگریزوں نے مرشد قلی خاں کے زمانہ میں ۱۲۵۱ھ میں شہنشاہ فرخ سیر سے کلکتہ کے قریب مزید ۲۸ مواضعات کی خریداری کا فرمان شاہی آٹھ ہزار ایک سو اکیس روپے آٹھ آنے سالانہ شرح محصول پر ماحصل کر لیا ، مگر مرشد قلی خاں کی زیر دست شخصیت ان مواضعات کی خریداری میں خاطر خواہ مزاحم ہوئی ، اس کی وفات کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت آسمن کے دو جانشینوں کے زمانہ میں بغیر روک ٹوک کے چلتی رہی ، پھر علی در دی خاں کے زمانہ میں وہ مرہٹہ حملہ آوروں کے ساتھ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کرناٹک کے معاملات میں مصروف رہے ، جس کی وجہ سے بنگال کی تجارت اور ان دونوں قوتوں کے متضاد سیاسیات میں کسی قدر سکون رہا ، سراج الدولہ کے زمانہ میں جو انگریزوں کا دشمن مشہور تھا ، ان دونوں طاقتوں میں تصادم ہوا ، ۱۲۵۶ھ میں سراج الدولہ نے

کلتے پرتبضہ کر لیا، اس کے ایک سال کے بعد انگریزوں نے خبر کو دوبارہ بھین لیا، پھر ۹ فروری ۱۸۵۸ء کو سراج الدولہ نے کسی قدر دب کر صلح کی، اور معاہدہ کے رو سے کمپنی کے تجارتی حقوق تعلقہ بنگال کی توثیق کی گئی، اور وہ ۲۸ گانوں جو ۱۸۵۸ء میں مرشد قلی خاں کے زمانہ میں شاہی فرمان کے بموجب انگریزوں کو مل چکے تھے، اور مرشد قلی خاں نے ان پر قبضہ نہ ہونے دیا تھا، ان پر انگریزوں کا قبضہ تسلیم کیا گیا، لیکن ماہ جون کے ادائل میں پھر مخالفت پیدا ہو گئی، میر جعفر میدان سیاست میں آیا، ۹ فروری کے معاہدہ کی تکمیل کے عوض اسے ناظم مقرر کیا گیا، بھرپلاسی کی جنگ، سراج الدولہ کی موت، ۲۹ جون کو ناظم بنگال دہار داریہ کی حیثیت سے میر جعفر کی سرلمبہ دی، یہ واقعات جلد جلد کیے بعد دیگرے پیش آئے، ۲۱ دسمبر کو میر جعفر سے ایک نیا معاہدہ کر لیا گیا، جس میں ۹ فروری کے معاہدہ کی تصدیق کے علاوہ کمپنی کے حاصل کردہ رقبہ ارضی میں ۸۸۲ مربع میل کا ایک ضلع جو ۲۴ پرگنوں پر مشتمل ہو، اور جو آج تک ضلع جوہیں پرگنہ ہی کے نام سے مشہور ہو، انگریزوں کی زمینداری میں دو لاکھ بائیس ہزار نو سو اٹھادون روپے سالانہ مال گذاری پر اضافہ کیا گیا، یہ گویا بنگال میں کمپنی کے اہم ملکی علاقہ کی ابتداء ہو، تاہم بھی قانوناً انھیں کیا اختیارات حاصل نہیں ہوئے، بلکہ وہ ناظم کے زبردست، زمینداری کی حیثیت رکھتے۔

مگر علٰی اس وقت کمپنی ہی بنگال میں حکم راں طاقت تھی،

اس کے بعد ۱۲ جولائی ۱۸۵۹ء کو جوہیں پرگنوں کی آمدنی شنشاپی خدمات کی بجائے آدری کے صلہ میں جاگیر کے طور پر کلائیو کے نام لکھ دی گئی، پھر ۱۲ جون ۱۸۶۵ء کو اس عطیہ کی توسیع دس سال کی مدت کے لیے کی گئی، اور اس کے ساتھ طے پایا، کہ اس کے بعد کمپنی کے سارے حقوق مل جائیں گے، جو شاہی مطالبات مال گذاری سے مستثنیٰ رہیں گے،

پھر جب میر جعفر کی برطانی کے بعد قاسم علی خاں ناظم مقرر ہوا، تو ۲۷ ستمبر ۱۸۶۶ء کو ایک نیا معاہدہ ہوا اور نوجو کے مصارف کے نام سے ایک وسیع علاقہ مال گذاری کی

معافی کے ساتھ کمپنی کو حط کیا گیا ، جو بردوان ، دناپور ، اور چنگانگ کے اضلاع پر مشتمل تھا ، اس علاقہ کا رقبہ آٹھ ہزار ایک سو اسی مربع میل تھا ، ۶ جولائی ۱۷۶۲ء کو میر جعفر نے نظامت پر دوبارہ فائز ہونے کے بعد تصدیق کی ، اور ۱۲ اگست ۱۷۶۵ء کو آخر کار شہنشاہ نے بھی اس پر ہر تصدیق لگا دی ، اور کمپنی حکومت (۱۷۶۵ء) جو میں پرگنہ (۱۷۵۵ء) ، بردوان ، دناپور و چنگانگ (۱۷۶۰ء) کے اضلاع میں تاریخ حصول قبضہ سے تحصیل مال گزاری کے ساتھ امور انتظامی بھی اپنے خاص کارکنوں کے ذریعہ انجام دیتی رہی ،

اس کے بعد ۱۷۶۳ء میں کبسر کی لڑائی میں شاہ عالم و نواب اودھ پر بھارت منرو کی فتح یابی سے بنگال میں برطانوی سکھ پورے طور پر جم گیا ، جنوری ۱۷۶۵ء میں ناظم کی وفات پر کمپنی نے اس کے بیٹے نجم الدولہ کی حاشینی اس شرط پر قبول کی ، کہ نظم و نسق ایک نائب ناظم یا صوبہ دار کے سپرد ہوگا ، جس کا انتخاب کمپنی کرے گی ، چنانچہ محمد رضا خاں اس خدمت کے لیے منتخب کیا گیا ، پھر ۱۲ اگست ۱۷۶۵ء کو شہنشاہ نے کمپنی کو صوبہ بنگال ، بہار ، اور اتر پردیش کا دیوان مقرر کیا ، اور کمپنی پر یہ قرض عائد کیا ، کہ وہ شہنشاہ کو ۲۶ لاکھ روپے اور ناظم کے محلے کے کل مصارف ادا کر کے ان تینوں صوبوں کے محاصل وصول کر لیا کرے ، اس کے بہ موجب ۲۴ ستمبر کو ناظم نے انگریزوں کو ان صوبوں کا دیوان تسلیم کیا ، شہنشاہ کی جانب سے اس عہدہ پر ۱۷۶۵ء کے بعد یہ پہلا قرار تھا ، کمپنی نے اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے محمد رضا خاں کو نائب دیوان مقرر کیا ، اسی وقت سے بنگال میں مال گزاری کے برطانوی نظم و نسق کی بنیاد پڑی ، اس وقت کمپنی ان صوبوں میں ویسی ہی خود مختار تھی ، جیسے اورنگ زیب کے انتقال کے وقت مرشد قلی خاں با اقتدار تھا ، دونوں کو قانوناً دیوان کا منصب حاصل تھا ، اور دونوں کو عملاً ناظم کے اختیارات حاصل تھے ، شاہی اقتدار کی وقعت و حیثیت بہ جو خود نمائش کے کچھ اور باقی نہ تھی ، مرشد قلی خاں

کے عارضی شان دار دور کے مقابلہ میں برطانوی نظم و نسق کی مستقل کامیابی کا باعث زیادہ تر یہ تھا کہ ایک سند یافتہ جماعت کے لیے جو اپنے ملک و قوم کی خدمت کرنا چاہتی ہو، ایک فرد پر فطری تفوق حاصل ہوتے ہیں، اور اس کے لیے کامیابی کے بہتر ذرائع پیدا ہو جاتے ہیں،

(جون ۱۹۳۶ء)

آب گلہ کا گورغریاں

۴ بگلہ شہر گیا سے دو میل جانب مشرق سادات کی اجڑی ہوئی ایک قدیم بستی
ہو، گو اس کی کوئی مرتب و مستند تاریخ محفوظ نہیں، لیکن اس کی عظمت و جلال کا
اندازہ اس کے کھنڈروں اور ان کی ٹوٹی پھوٹی سنگی دیواروں سے ہوتا ہو،
اس قصبہ کے مورث اعلیٰ حضرت مینا مشہدی تھے، کسی تذکرہ میں نظر سے
گذرا تھا، نیز خاندانی روایات سے سننے میں آیا ہو، کہ یہ دو بجائی تھے، ایک
ولی کی شاہی مسجد کی امامت پر سرفراز ہوئے، دوسرے یہ حضرت مینا مشہدی
کوٹا مانک پور ہوتے ہوئے پورب آئے، جہاں دربار شاہی سے چند گانوں میں
معافی میں ملے تھے، تاکہ یہاں رشد و ہدایت کی خدمت انجام دیں،
حضرت شاہ عطا حسین رحمہ اللہ انہی کنز الانساب (تصنیف سنہ ۱۲۶۱ھ) میں
لکھتے ہیں :-

... .. رضوی ہشتند، بہار بہر شہر دایم دار یکہ اکثر اند۔۔
... .. دریں دیار دوسا ساکنان موضع آبگلہ کہ نسبت معاصرت دارند، واضحاً
ورزان ماضی سلاطین بزرگے بودند، شاہیر نصب تھا دہشتند، قاضی سید
عبد الاحد عرف قاضی سید بڑے رضوی نسب بودند، فرزند شان قاضی
احمد علی

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :-

واضح باد کہ از بزرگان شاہخان قدیم کہ آن را بالا از دوسد سال گذشتہ باشد
از سادات مشہدی تشریف آوردند و دریں دیار ہوا موضع آبگلہ، گردن سکونت

افتیاری، ہنوز اولاد شان در ان موضع ہستند موجود، سابقین بودند انور
 بہ منصب قضا و افتا باید دانست نام آن بزرگ بود
 حضرت مینا مشہدی رضوی نسب

مرحوم حضرت شاد و عظیم آبادی حیات فریاد میں لکھتے ہیں :-
 حضرت فاضل محب اللہ کی شاہی حضرت قاضی سید منصور کی پوتی سے ہوئی تھی،
 جن کا مزار موضع آب گلہ میں متصل شہر گراہو، قاضی سید منصور، قاضی سید اسماعیل
 مشہدی کی اولاد سے تھے، اور حضرت اسماعیل مشہدی کی پوتے تھے، جن کا تذکرہ
 بہ جلالت قدر عاجی نے اپنی مجسم کتاب سلسلۃ الازہب میں کیا ہے، لاجای
 نے بہ ای عبارت یاد کیا ہے،

گویند چون بہ مشہد رضا قاضی مشہد در شہاد پیر حضوری امام عالی مقام مشہد
 والعلم عند اللہ:

طاوہ ازین حضرت شہید راج قاضی سید نور اللہ شہسوری نے بھی حضرت نامہ
 بہ ہدائی کا ذکر اپنی کتاب محاسن المؤمنین میں کیا ہے،

خانوادہ آب گلہ کے مصداق تعلقا حضرت امیر کبیر سید علی ہدائی صاحب
 اور اذ فتیہ سے بھی جن کا مزار واوی کشمیر میں مرجع خلافت ہے، نیز حضرت مخدوم الملک
 شاہ شرف الدین بہاری قدس سرہ کا ایک مکتوب گرامی آب گلہ کے ایک بزرگ
 کے نام سے مکتوبات صدی جلد دوم میں ہے، حضرت مخدوم الملک کی آمد و رفت
 یہاں سے قائم تھی،

لیکن اب یہ قصبہ گویا عالم گم نامی میں ہے، اس کی تمدنی و علمی رفعت کے نشانات
 مٹتے جاتے ہیں، مزار کے کتبات تک برہاد ہو چکے ہیں، قدیم کتبات میں صرف
 ایک کتبہ زمانہ کی دست برد سے محفوظ رہ سکا ہے، وہ قاضی سید احمد علی کی لوح

حزار کا ہو ،

قاضی سید احمد علی قاضی سید بڑے کے خلف اکبر تھے ، جن کا تذکرہ کنز الانساب کی عبارت میں اور پر گزرا ،

قاضی سید احمد علی کے بڑے صاحب زادے مفتی سید ارشد علی تھے ، جو مرشد آباد میں منصب افتا پر مامور تھے ، اور اخیر عہد میں نواب مرشد آباد کے ریڈنٹ کی حیثیت سے حکومت انگلشیہ کے دربار میں نمایندگی کرتے تھے ، دوسرے صاحب زادے قاضی سید ارشاد علی گیا میں اپنے آبائی منصب قضا پر مامور تھے ، حضرت مخدوم معظم ڈاکٹر قاضی سید اکرم امام علیہ الرحمہ المتوفی ماہ محرم ۱۳۵۱ھ اور حضرت موصوف کے برادر بزرگ حضرت مخدوم و مطاع جناب قاضی سید مظاہر امام متعنا المدببول بقائہ اسی خان وادہ کے چشم و چراغ اور مورخانہ ۸۳ سال کے زاہد شب زندہ ہیں ، خداوند تعالیٰ ان کا سایہ تا دیر قائم رکھے ، یہ کتبہ نہایت نفیس سنگ مرمر پر ہو ، جس کا طول و عرض ۱۶ انچ اور دباز انچ ہو ، یہ لوح حزار بھی برباد گئی جانے والی تھی ، ستم شعاروں نے اس بتھر کی مالیت سے فائدہ اٹھانا چاہا ، شب کے وقت قبر پر بنے اکھیر لیا ، لیکن قبرستان سے لے جانے نہ پائے تھے ، کہ سپید و صبح نو وار ہو گیا ، اور اس کو وہیں چھوڑ کر انہیں بھاگ جانا پڑا ، اہل خاندان اس آبائی تبرک کو گھر پر اٹھا لائے ، پھر اس کے دوبارہ نصب کیے جانے کا موقع نہ آیا ، اور آج تک مکان کے ایک گوشہ میں کھڑا بزرگوں کی عظمت رفتہ پر آنسو بہا رہا ہو ، اس کتبہ کی نقل ذیل میں درج ہو ، کہ شاید آگے چل کر اس کا بھی نام و نشان

سید قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے ۵ ربیع الآخر ۱۳۲۱ مطابق ۲۲ اپریل ۱۳۲۱ کو آنکھ میں وفات پائی ،

اور آبائی قبرستان میں قاضی سید احمد علی کے قریب قبرستان کے ہاؤس نمبر ۶۷ میں مدفون ہیں ، کتبہ
العارفین و نسبۃ العاشقین کے طبع میں مصروف کے نذر ڈاکٹر صاحب رحمت موم کے تفسیر سانچے حیات رحمت ص ۱۱

باقی نہ رہ جائے ، والبقا واللہ الواحد القہار ،

کتبہ لوح مزار قاضی سید احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

الہم ارض عنہ
۱۳۳۲ھ

ایں تن آب و گلہ گزشت باقاعہ دلی
دود - وگفتا جیف قاضی سید احمد علی

خادم شرع محمد ارشد علم علی
سرفرو بردم پے تاینخ اتف برکشید

(اکتوبر ۱۹۳۸ء)

